

دیوان غیبالب

نسخہ اسرارہ کا

مرتبہ سید انیس شاہ جیلانی



PDF By : Meer Zaheer Abass Rustmani

Cell NO : +92 307 2128068 - +92 308 3502081



پی ڈی ایف (PDF) کتب حاصل کرنے اور واٹس ایپ گروپ «کتاب کارنر»
میں شمولیت کے لیے مندرجہ بالا نمبرز کے واٹس ایپ پہ رابطہ کیجیے۔ شکریہ

چھپنا
دیوانِ غالب نسخہ امروہہ
کا

مرتبہ
سید نسیں شاہ جیلانی

۱۹۸۹ء

فکشن ہاؤس



لاہور • حیدرآباد • کراچی

جملہ حقوق بحق پبلشرز محفوظ ہیں

نام کتاب :	چھٹا دریاں غالب نواز امرہ کا
مرتب :	سید انیس شاہ جیلانی
اجتام :	ظہور احمد خاں
پبلشرز :	گلشن ہاؤس لاہور
کیوزنگ :	گلشن کیوزنگ اینڈ گرافکس لاہور
پنلر :	سید محمد شاہ پرٹرز لاہور
سرورق :	ریاض ظہور
اشاعت :	2013ء
قیمت :	240/- روپے

تقسیم کنندہ:

گلشن ہاؤس: بک سٹریٹ 39-مرگہ روڈ لاہور فون: 042-37249218-37237430

گلشن ہاؤس: 52, 53 رابع سکوائر حیدر چوک حیدر آباد فون: 022-2780608

گلشن ہاؤس: نوشین سٹریٹ فرسٹ فلور، کان نمبر 15 اردو بازار کراچی فون: 021-32603056

گلشن ہاؤس 

● لاہور ● حیدر آباد ● کراچی

e-mail: fictionhouse2004@hotmail.com

انتساب

غرض طبعی اور مدلل جوتی کا وہ جو ہر جو غالب کا حصہ تھا ایک وافر مقدار میں اعمار سے

میاں مسعود احمد خان جھنڈیر

میں لٹریاں اور ان کے مزاج میں جاری و ساری ہے اس پر بھی میں ایسا جانتا ہوں

غالب سے وہ متناہت حضرت کو نہیں ہے

جیسا کہ ہم چاہتے ہیں کہ ہونے مختصر سا مجموعہ کتاب کے دیباچہ اور علم دوست حضرات

کے سر پرست کی

نذر

اس موقع پر کردہ ہوں کہ وہ غالب پروری میں پیش قدمی فرمائیں گے زیادہ عہد ادب

خاکسار

انجمن شاہ جیلانی

۸ فروری دو ہزار بیس

حرف

غالبؔ سے متعلق کیا کیا کچھ نہیں چھپ چکا بھیتار بتا ہے بھیتار ہے گا یہ خبر اسی کو حاصل ہے غائبؔ میں ہمارا شمار نہ ہو یہ کیسے ممکن تھا اس سے بحث نہیں ہے کہ ہم سے کچھ لکھتا آتا بھی ہے بس ایک ہی دھن کوئی چیز ادھر ادھر نہ ہونے پائے اے سمیٹ لو اے گاٹھ لو وہ پہچانے کم ہی گئے۔ پہلو دار ہی اسے تھے۔ ان کی دغلیقہ خواری پر اکثر لے دے کی جاتی ہے اب یہ تو کوئی دیکھتا نہیں خود بہادر شاہ ظفرؔ ہماری طرح کے تعویذ منڈے اور دکھاوے کی چیز تھے تیسری پشت میں انگریز کے دغلیقہ خوار۔ ایسے میں غالبؔ کو آڑے ہاتھوں لینا کہاں تک روا ہے وہ تو داوطلب ہے دہ آ نکھیں چرانے والا نہیں تھا زمانے کے تہیہ جان چکا تھا سامنے کی تو بات تھی۔ غالبؔ کا دیوان بھی اس کی شخصیت سے مختلف کوئی اور نہیں وہ بھی مستقل موضوع ہے اسی سلسلے کا یہ یونہی سامواو نہیں کیا جا رہا ہے لطف و لذت آپ کے ذوق و شوق پر منحصر ہے۔

خاکسار

انہیں شاہ جیلانی

۱۱ جنوری ۱۹۹۸ء

لطیف الزماں خاں
 کا بے حد کامیاب جوانی حسلہ اور ترکی بہ ترکی جواب
 معروف ادیب شاعر مفسر ”محقق“ اور صحافی ناشر
 حضرت مشفق خواجہ کے لیے

”موصوف (لطیف الزماں خاں) کے پاس غالب سے متعلق کتابوں کا
 بہت بڑا ذخیرہ ہے اس کی بنا پر انہیں غالب شناس قرار دینا ایسا ہی ہے
 جیسے کسی کے پاس توتہ باہ کی دو اکڑیں کا ذخیرہ دیکھ کر اس کی توتہ مردی
 کی شان میں تصدیق پڑھے جائیں۔“

[مشفق خواجہ حام کوہرہ شاہی، مکتوبہ بریکٹل غالب از سید مصحف الرحمن، ۲۰۰۹ء طبع، ڈول دو ہزار]

”جناب مشفق خواجہ! کیا پدی اور کیا پدی کا شورہ! میں چار جوان
 جہان بچوں کا باپ ہوں آپ نے خواجہ سرا۔ کیا لطیفہ ہے کہ میری
 ”مردا گئی“ پر وہ شہ ظاہر کر رہا ہے جو بے چارہ خود قوت مردی سے
 بالکل محروم ہے۔ لاہور میں ان کے ہم پلہ ”مردہ تحقیق“ ہاتھتے ہوئے
 ڈاکٹر عبدالوحید قریشی کا بھی یہی حال ہے۔ نہ مشفق خواجہ کے کوئی

اولا دندہ حید قریشی صاحب اولاد۔ دونوں دوسروں کو تکلیف پہنچانے اور ”غیبت“ کا سیشن لگانے کی شہرت میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر ہیں۔ ”مقبولیت“ کا یہ حال ہے کہ آزادانہ رائے لی جاسکے تو ان دونوں کو اپنی بیویوں سے بھی اپنے حق میں ووٹ نہ ملیں۔ مشفق خواجہ اس کے جواب میں کیا فرماتے ہیں میں اس کا انتظار کرتا ہوں۔“

[لطیف الزماں خاں نامہ انعام الحق جلد ۱۰، ص ۱۰۰، سیکل غالب، افسانہ سحر ارضی،
طبع اول، ستمبر ۱۹۷۲ء، ص ۱۰۰]

کوبکن غالب توفیق احمد قادری چشتی

میری پیدائش یکم جنوری ۱۹۳۲ء محلہ بھمر شاہ امر وہہ میں ہوئی میرے حقیقی تائے بچپا دیکھو بھی نے ہمارے والد اور میری والدہ صاحب میں رسائی نہ ہونے دی۔ ان کو مصائب سے دوچار ہونا پڑا اہلآ خرمیرے باپ نے ہماری والدہ صاحبہ کو نکال دیا۔ وہ اپنے باپ کے گھر آ کر میری پرورش کی۔ اور مجھے تعلیم دلائی۔ میں مسلکی اعتبار سے شفیعی ہوں۔ امر وہہ بازار گزری میں بمبھل بک ڈپ کے نام سے دکان کر لی۔ جو بہ طفیل دوج ان غالب بنظ غالب تمام دنیا میں مشہور و معروف ہے۔ یہ فرم آج بھی قلمی دنیا و کتب کا کاروبار بڑے پیمانے پر کرتی ہے۔ (۱۹/۲/۱۸) (۱۹۷۸ء امر وہہ بند) [غیر مطبوعہ مراسلتہ توفیق چشتی کی]

(۱)

[تفانہ]

National Book Depot

Printed Rare Books Manuscript
Books

Documents And Antique Art Dealer.

AMROHA (Moradabad) UP

جناب بھائی رئیس امر وہہی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عرض یہ ہے کہ میں ۱۹۵۸ء سے امر وہہ میں قلمی کتب و شاعری فرمان کی خرید و

فردشت کرتا ہوں۔ میری دکان بازار گزری میں ہے۔ جس کا نام ”مختل بک ڈپو“ ہے۔ بہر صورت ۱۱۵ اپریل ۶۹ء کو دیوان غالب کا مخطوطہ جو کہ خود مرزا غالب خود نوشتہ ہیں۔ ۱۳۳۱ھ کا ہے۔ جس کے کل ورق ۶۳ ہیں اور صفحات ۱۳۶ ہیں۔ اس سلسلے میں ہندوستان میں پریس ٹرسٹ آف انڈیا کے حوالے سے تمام ہندوستان کے اخبارات میں علاوہ بیرون ہند میں انگریزی اردو ہندی تمام اہم روزناموں میں یہ خبر شائع ہوئی۔ اس کے علاوہ آل انڈیا ریڈیو سے بھی یہ خبر نشر ہوئی۔ اس خبر نے دنیا، اردو ادب میں لہر دوڑا دی۔ اور ہر طرف سے خوشی کے خطوط آنے لگے۔ ڈاک نے مجھے پریشان کر دیا۔ ہندوستان کے مشہور ادیبوں نے اس پر تھرے شروع کر دیے۔ جس میں صف اول میں حالی جناب حضرت مولانا قلی محمد علی مرثی رام پوری کا مقام ہے۔ آپ نے ایک آرٹیکل اس پر لکھا ہے جس کا عنوان ہے ”غالب کا خود نقل کردہ نسخہ دیوان اردو ایک اصول سوتی“ دوسرے نو جوان ادیب شہیر عالی جناب نثار احمد فاروقی امر دہوی دہلی کالج دہلی کا مضمون ”ہماری زبان“ علی گڑھ اور اجمعیت اخبار میں چھپ چکا ہے۔ مجھے پتہ چلا ہے کہ پاکستان کے ہر انگریزی اور اردو کے اخبارات میں بھی یہ خبر شائع ہوئی ہے کہ امر دہہ میں دیوان غالب ملا ہے اس دیوان کا نام ”نسخہ امر دہہ“ رکھا گیا ہے۔ میرے شہر امر دہہ کا نام زندہ رہے۔ میں نے اپنے نام منسوب کرنے کے بجائے امر دہہ کے نام منسوب کر دیا ہے امر دہہ کو میرے نام پر فضیلت ہے۔ نثار احمد فاروقی صاحب کا ایک مضمون ”مع فوٹو رسالہ“ آج کل ”جو کہ سنٹرل گورنمنٹ آف انڈیا نئی دہلی سے نکلا ہے اس میں ماہی میں شائع ہو گیا ہے۔

یہ بات باعث فخر ہے کہ امر دہہ کو یہ شہرت نصیب ہوئی اس سلسلے میں آپ سے مدد چاہتا ہوں کہ پاکستان کے اردو انگریزی اخبارات کی وہ کنگ جس میں دیوان غالب مخطوطہ کا ذکر ہو روانہ کریں۔ میں ان تہمدوں کو اور اخبارات کی تمام کنگ کو شائع کروں گا۔ آپ امر دہہ کی مشہور ہستی جو کہ برصغیر ہند پاک کے شعراء کی روح رواں ہیں اور غالب

سے بے پناہ عقیدت کی بنا پر میری آپ سے گزارش ہے کہ آپ اپنے قیمتی وقت میں سے
تھوڑا وقت ان تمام اخبارات کی کنگ جو کہ غالب کے دوجان مخلوط کے متعلق ہو روانہ فرما کر
شکریہ کا موقع دیں گے۔ میں نے اس نسخہ کا نام ”نسخہ امرودہ“ رکھ دیا ہے۔

نقطہ والسلام

توفیق احمد قادری چشتی

۱۹/۵/۶۹

نوٹ: میں اپنا فوٹو بھی روانہ کر رہا ہوں۔

[نقل مطابق اصل ہے۔ دیکھیں گاہشیہ یہ ہے] ”یہ خط غالب کے امرودہ یافت
نسخہ امرودہ کے بارے میں ہے۔ ”نسخہ امرودہ“ کے مستند جات (برائی نقلیں ہیں
باقی۔ مملوہ یا غیر مملوہ) کے بارے میں کچھ نہیں معلوم۔ اس خط کو حفاظت سے
رکھیں۔ اس کے نقل۔ یہاں چند اصحاب نے لی ہیں مثلاً دویم بیجا پوری اور مسلم
ضیائی اور ایوب قادری وغیرہ۔ حالانکہ اس کی مزید نقل درکار ہوں گی۔

دیکھیں۔ ۶۹/۱۲۰۔

(۲)

[کارڈ]

۷۸۶

۱۳/۶/۶۹

عالی جناب دیکھیں صاحب امرودہ ہوی

السلام علیکم

عرض یہ ہے کہ سورہ ۱۵ جون ۶۹ء کا تحریر کردہ الفاظ مع جنگ تراش جس میں میرا

نو تو آپ کے حوالے کے ساتھ شائع ہوا ہے مورخہ ۱۲ جون ۶۹ء کو وصول ہوا۔ نام صاحب نے آپ کا ذکر خبر بھی کیا ہے کہ حضرت مولانا امتیاز علی عثمیٰ کا مضمون رسالہ نقوش پاکستان پانچ چکا ہے یہی مضمون نئی دہلی کے رسالہ ”آج کل“ ماہ جولائی ۱۹۶۹ء میں شائع ہوا ہے۔ ماہ جون ۶۹ء میں ڈار احمد فاروقی دہلی کالج دہلی، جمہوری گیٹ کا ہے اور جولائی میں حضرت مولانا کا۔ میرے پاس دفتر آج کل سے خط ہے کہ ۲۳/۲۵ جون ۱۹۶۹ء جولائی ۶۹ء کے دونوں شمارے ایک ساتھ اشترک ہوں گے میں انشاء اللہ آپ کو ڈار احمد صاحب کا مضمون اور قبلہ کا مضمون بھی بذریعہ ڈاک فوری ارسال خدمت کروں گا دونوں کا بیس اسی وقت ارسال کروں گا۔ ایک کام آپ کریں۔ آل احمد سرور ایڈیٹر ہماری زبان علی گڑھ کو خط لکھ دیں کہ حسب ذیل تاریخوں کے رسالے مجھے روانہ کر دیں۔ ۲۳/اپریل ۶۹ء یکم مئی ۶۹ء یکم جون ۶۹ء ان شماروں میں نسخہ امرودہ کے بارے میں مضامین ہیں۔ ڈار احمد فاروقی، طالب عباس صوفی، اکبر آبادی، ابو محمد عمر صاحب، بھوپالی، ڈار احمد صاحب، اکبر علی خان، فرزند مولانا امتیاز علی عثمیٰ، امرلا ہوری صاحب ۸ جون کا شمارہ بھی۔

نقطہ والسلام

توفیق احمد قادری جی

۱۳/۶/۶۹

[بہنم رکھیں امرودہ وی:] ”انہوں نے نسخہ غالب کی قیمت پانچ لاکھ طلب کی ہے پانچ لاکھ“

(۳)

[کارڈ]

۷۸۶

مکرمی رئیس امر دہوی صاحب

سلام مسنون

۱۵/۶/۶۹

آپ کا خلوص نامہ جس پر تاریخ تحریر درج نہیں سورج ۱۳ جون ۶۹ء A.M کی ڈاک سے وصول ہوا۔ جنگ کا تراشہ بھی دیکھا میں نے سنا ہے کہ پاکستان ہندوستان کے درمیان مطلوبہ کتب و رسائل کی آمدورفت ممنوع ہے۔ میں چاہتا تھا کہ کچھ رسالے جس میں نسخہ امر وہہ پر مضامین ہیں ان کو آپ کی خدمت میں روانہ کرتا ہے۔ اگر کوئی صاحب امر وہہ سے پاکستان آنے ہوں تو ان کے ہاتھ وہ تمام چیزیں روانہ کر دو۔ ماہ جون ۶۹ء کے رسالہ "آج کل" میں ثار احمد فاروقی صاحب کا مضمون ہے۔ ماہ جولائی ۶۹ء رسالہ آج کل میں علی مولانا اتقیا زلی مرثی کا تفصیلی مضمون شائع ہوا ہے ان کو کس طرح روانہ کروں اس کے بارے میں تحریر کریں۔

فظہ والسلام
توفیق احمد قادری چشتی

(۴)

[کارڈ]

۶۸۷

۹۲

۱۵/۷/۶۹

جناب سید محمد مہدی رئیس امر دہوی صاحب

و علیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عرض یہ ہے کہ آپ کا خلوص نامہ سورج ۷ جولائی ۶۹ء کا تحریر کردہ سورج

۱۳ جولائی ۱۹۶۹ء کو ملا۔ یاد آوری کا تہ دل سے شکریہ۔ آپ کا بھیجا ہوا تراشہ جنگ ملا۔ مگر افسوس اس پر تاریخ طباعت درج نہیں مطلق کریں۔ میں نے عالی جناب و نامہ بیجاپوری کے نام ”آج کل“ شمارہ جون ۱۹۶۹ء کی کنگ جس میں ڈاکٹر احمد فاروقی صاحب کا مضمون ہے روانہ کئے ہوئے کافی دن ہو گئے ہیں۔ آج مورخہ ۱۳ جولائی ۱۹۶۹ء کو آج کل کا وہ شمارہ بھی آ گیا ہے۔ اس میں حضرت مولانا امتیاز علی عرضی کا مضمون تفصیلی چھپ کر آ گیا۔ میری ممبری کا پی آئی ہے۔ مزید دس کاپیاں آتے ہی اس کی کنگ فوراً آپ کو روانہ کروں گا۔ ہمارے محترم و محترم ادیب مسلم ضیائی صاحب و نامہ بیجاپوری صاحب اور دیگر اہل علم کام میں لائیں۔ آپ ہماری زبان کا کوئی شمارانہ منگائیں ان میں کوئی خاص بات نہیں۔ یہ دو مضمون معرکہ آرا ہیں ان میں سب کچھ ہے۔ ہماری زبان میں صرف آپس کی بحث بازی ہے۔ ان شاء اللہ جلد روانہ کروں گا۔ اس سال امرودہ میں آموں کی فصل اچھی نہیں رہی۔ غالب کی روح امرودہ آتی ہے۔ ان کا دلیق ان بھی وہاں سے روشن ہوا۔ جہاں کے آم مشہور ہیں بعد مرنے کے ان کی روح نے امرودہ کو نوازا ان کی روح کو میرا صد صد سلام۔

فقط والسلام

توفیق احمد قادری چشتی

مجھے وہ سنڈ سے ایڈیٹین کی ضرورت ہے جس میں جمال الدین صاحب کا مضمون چھپا ہے جلد روانہ کرو۔ امرودہ کا نام زندہ اور ہو۔ پاکستان دینے لے سے اس پر تبصرہ کرو تا کہ میں بھی سن لوں۔

[تخلی مطابق اصل ہے]

(۵)

[کارڈ]

۱۷۷۱/۷۹

لیجے رئیس امرد وہوی صاحب۔ خوشخبری سنئے۔

آج مورخہ میں ۱۷ جولائی ۱۷۶۹ء رات ۱۲ بجے دہلی گاڑی سے دہلی کو جا رہا ہوں اور دیوانہ غالب مظہر عام آرہا ہے میرے امرد وہکا نام زندہ تو تھا ہی مگر اب غالب صاحب کی وجہ سے اور اونچا ہوا۔ یہ بستی بزرگان ہیں یہاں کی سرزمین میں سید شرف الدین آرام فرما ہیں۔ اب فکر یہ ہے کہ آپ کو کس طرح روانہ کریں اس دیوان کو عالی چناب مولانا اختیار علی صاحب کے صاحبزادے اکبر علی خاں صاحب نے مرثبہ کیا ہے جو مولانا کے خلوص نے مجھے اس بات پر راضی کر دیا کہ میں اس فتنے امرد وہکا مولانا کے مبارک ہاتھوں سے چھپے آپ اہل ادب کو مبارک باد دیتا ہوں کہ یہ دیوان جلد آگیا۔ اہل علم کی دلی خواہش تھی کہ اس کو جلد چھپ جانا چاہیے۔ یہ خط رات کے ۱۲ بجے لکھا گیا ہے۔ ۱۷ جولائی ۱۷۶۹ء مقام اشٹین امرد وہ ہے۔

نقد والسلام

توفیق احمد قادری چشتی

۱۷۷۱/۷۹

_____ ”میں قصید خط روانہ بھی نہ کرنے پڑا تھا کہ مالک نقد امرد وہکا

دوسرا کا مدللہ ارسال ہے۔ رئیس ۱۳ جولائی ۱۷۶۹ء _____

[یہ خط اب مرثبہ یعنی انھیں سے رئیس کا ہے۔ لکھن مطابقی اصل ہے۔ انھیں

[۷۸۱۳/۸



اس طرح دیوان حمید یہ غالب ۱۸۳۱ء کا نسخہ نواب بہوپال کی لاہریری سے نکلا۔

بقول عبدالقوی دہلوی نواب صاحب کی لائبریری سے نسخہ حمید یہ لاپتہ ہو گیا تھا۔ ۱۷
اپریل ۱۶۹ء کو خیر جمعی کہ مرزا غالب کی خودنوشت غیر مطبوعہ بیاض اور امرودہ خلیع مراد آباد
کے توفیق احمد قادری کے پاس موجود ہے۔ اس کی قیمت انہوں نے چھ ہزار روپے مانگی۔
کچھ عرصے کے بعد بیاض کے عکس شائع ہو گئے۔ جب توفیق احمد صاحب سے پوچھا گیا کہ
یہ کتاب کہاں سے ملی تو انہوں نے انہوں نے بتایا کہ ۱۱۱۵ء اپریل ۱۹۶۹ء کو بمبھال سے یہ مس
نے گیارہ روپے میں خریدی۔ انہیں اعزازہ ہو چکا تھا کہ یہ کتنی اہم کتاب ہے۔ رضا علی
عابدی نے حقیقت کی تہ تک پہنچنے کے لیے بمبھال کے محمود حسن صاحب سے پوچھا کہ یہ
توفیق احمد صاحب کو دیوان کس نے دیا۔ انہوں نے کہا کہ کسی پٹھان کباڑی نے یہ نسخہ انہیں
دیا۔ شفیق الحسن صاحب جنہوں نے توفیق احمد صاحب کو کتاب دی تھی بمبھال کی مسجد میں
عابدی صاحب کو ملے۔ مگر انہوں نے کہا کہ میں نے ایک اور کتاب گیارہ روپے میں دی
جس کے اندر وہ بیاض غالب چھپا کر لے گئے اور خطوط انہیں عاریتاً اور الٹا دیا گیا تھا کہ
برائے فروخت۔

توفیق احمد سے جب پوچھا گیا کہ نسخے کا اصلی مالک کون ہے تو وہ تسلی بخش جواب
دے سکے۔ مولانا عرشی اتہیاز علی کے صاحبزادے اکبر علی خان کوئی تیس سال سے غالب
کی نگارشات جمع کر رہے ہیں۔ رام پور میں عابدی صاحب نے ان سے پوچھا کہ کیا وہ نسخہ
واقعی غالب کے خط کا تھا اور یہ کہ نسخہ آپ کے کیسے ملا۔ اکبر علی خاں عرشی زادہ نے کہا کہ میں
نے امرودہ جاکر توفیق احمد سے نسخہ دیکھا اور اس کے نوٹس تیار کیے۔ پھر ہم نے چاہا کہ اسے
شائع کرویں۔ بہر حال پانچ مہینے کے بعد یہ نسخہ عرشی زادہ کے نام سے ۳۰۰ کی تعداد میں
شائع ہوا۔ انہی دنوں لاہور کے محمد ظہیر نے ”نقوش“ میں یہی چیز چھاپ دی۔ اس دوران
میں اصل نسخہ غائب ہو گیا۔ توفیق احمد نے کہا کہ عرشی زادہ کے قبضے میں ہے۔ انہوں نے کہا
کہ میں صحیح طور پر نہیں جانتا سکتا۔ میں نے ایک کار کے ذریعے نسخہ بھیجا۔ ہندوستان میں ایک

بات شائع ہوئی کہ کسی نے بھاری رقم لے کر مکتان کے لطیف الزمان خاں کو وہ نسخہ دیا جنہوں نے راتوں رات محمد طفیل کو دے دیا اور انہوں نے چھاپ دیا۔ دہلی میں عکس بنانے والے سے ۶۱ صفحات خریدے اور یوں محمد طفیل نے اسے چھاپ دیا۔ بعض محققین نے اسے جعلی قرار دیا۔ خود رضاعلی عابدی کا بھی یہی خیال ہے۔ لطیف الزمان نے کہا کہ میں نے کالی داس گپتا کو خط لکھا۔ انہوں نے کہا کہ یہ جعلی نہیں ہے۔ بقول عابدی اب نامعلوم یہ کس کی تاریک الماری میں بند ہے اور شاید ہمیشہ بند رہے گا۔

[مطبوعہ ماہ نامہ ماہ لومکا ہور، جنوری ۱۹۸۵ء "کتب خانہ" از: صاحب زادہ

میراٹھ پٹھانی]

دیوانِ غالب بخطِ غالب

زودادِ شاعرت

لطیف الزمان خاں

کہا جاتا ہے کہ دیوانِ غالب بخطِ غالب ۱۱۵ اپریل ۱۹۶۹ء کو توفیق احمد قادری امرتسری نے بھوپال کے ایک کتب فروش شفیق الحسن سے گیارہ روپے میں خریدا اور ۱۷ اپریل ۱۹۶۹ء کو روزنامہ انجمیہ دہلی میں اشتہار دیا کہ اس کے پاس غالب کے ہاتھ کا لکھا ہوا دیوان موجود ہے اور اس کی قیمت چھ ہزار ہے۔ ۱۸ اپریل ۱۹۶۹ء کو ہندوستان میں شائع ہونے والے کئی زبانوں کے اخبارات میں بڑی تفصیل سے یہ خبر شائع ہوئی کہ غالب کے قلم سے لکھا ہوا مسودہ جس میں تقریباً ایک ہزار اردو غزلیات ۱۳ قاری کی اور گیارہ باعیاں اردو کی موجود ہیں اور یافت ہوا ہے۔

میں نے اپنے ایک عزیز کو جو بلی گڑھ میں مقیم تھے لکھا کہ وہ "میرے لیے دیوان

غالب بظہار فریاد لیں۔" میرے تاجر پیشہ عزیز نے سوچا کہ غالب کا دیوان تو چھ آنے میں ملتا ہے چھ ہزار میں کیوں خریدایا جائے انہوں نے یہ دیوان ذخریہ اور وقت گزرتا رہا۔

اکبر علی خاں اور ثار احمد فاروقی دونوں ہی اس نو دریافت دیوان سے مالی فوائد حاصل کرنا چاہتے تھے۔ دونوں حضرات اپنے راستے سے دوسرے کو ہٹانا چاہتے تھے۔ ایک اطلاع کے مطابق دونوں دہلی کے کسی ہوٹل میں یکجا ہوئے۔ اکبر علی خاں نے کہا "تم میرے راستے سے ہٹ جاؤ" یہی بات ثار احمد فاروقی نے اکبر علی سے کہی۔ فاروقی یہ کہے ہوئے تھے کہ ان کی پوزیشن زیادہ مضبوط ہے کہ وہ بقول عابد رضا بیدار اس سے "استفادہ" کر چکے تھے یعنی نوٹسٹ بنوا چکے تھے۔

میں ایک روز لاہور گیا۔ میرا قیام طفیل مرحوم (مدیر نقوش) کے گھر ہوتا تھا۔ اکثر پروگرام یہ بنتا کہ سر پہر کو ہم دونوں کسی ایسے ریسٹوران میں جا بیٹھتے جہاں شور نہ ہوتا۔ ہنگامہ آرائی، بے کار بحثوں میں الجھے ہوئے لوگ نہ ہوتے بلکہ نسبتاً سکون ہوتا۔ واپسی پر ہم گھر جاتے اور کھانے کے بعد دیر تک گپ ہوتی۔ اس دن طفیل صاحب دن بھر مغموم رہے۔ سر پہر کو کہیں نہ گئے۔ گھر پہنچے۔ کھانا کھایا۔ رات گزرتی رہی لیکن طفیل صاحب نے بات کر کے نہ دی۔ جب رات کے دو بج گئے تو میں نے مرحوم سے کہا "تصور نہ تائیے صرف معاف کر دیجئے۔" میرا خیال تھا ناہستگی میں مجھ سے کوئی غلطی سرزد ہوئی ہے۔ طفیل صاحب نے نگلیے کے نیچے سے ایک خط نکال کر دیا۔ یہ اکبر علی خاں کا خط تھا۔

مغموم ہوا کہ طفیل صاحب نے مرثی صاحب یا اکبر علی خاں کو خط لکھا تھا کہ وہ دیوان غالب بظہار غالب شائع کرنا چاہتے ہیں اس کا جواب یہ ملا کہ اگر دیوان شائع کرنا چاہتے ہو تو لاہور میں ملاں حکیم صاحب کے پاس شرائط نامہ ہے اسے پڑھو اور شرائط منظور ہوں تو "دیوان غالب بظہار غالب" شائع کر سکو گے۔

میں نے خط پڑھ کر کہا "یار طفیل صاحب آپ کی غاموشی نے تو میرا دم ہی نکال

دیا تھا۔ صبح سے پچ سادھ رکھی ہے بول کر نہیں دیتے، بتائیے اس خط کو میں آپ کو یہ دیوان فراہم کروں گا۔ ”طفیل صاحب کہہ رہے تھے۔“ میں نے ساری عمر مرثی صاحب کی خدمت کی۔ اکبر علی خاں کو کتابوں کے علاوہ روپے بھی بھیجتا رہا ہوں اور دیکھو کیا روکھا جواب دیا ہے۔“

اکبر علی خاں کا یہ خط طفیل صاحب کے کاغذات میں اب بھی محفوظ ہے۔

میں نے طفیل صاحب سے پوچھا ”آپ نے غار احمد فاروقی کو کیوں نہیں لکھا۔ وہ تو آپ کے زیادہ قریب ہیں۔“ کہنے لگے ”وہ صرف روپے کے قریب ہے۔ اسے صرف روپے سے پیار ہے۔ نہ کسی انسان سے نہ کسی اور چیز سے۔ یہ طالب علم تھا۔ کسی لائبریری میں ٹکرک تھا۔ میں نے غریب جان کر اس کی مالی مدد کی لیکن مجھے بہت بعد میں اعزازہ ہوا کہ وہ اتھارٹی حریص انسان ہے۔“

جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ میرے عزیز نے دیوان غالب کا خط غالب نہیں خریدے تو میں نے انہیں تنہایت سخت اور درشت لہجے میں خط لکھا۔ وہ دلی گئے۔ تین دن کی تلاش جستجو کے بعد وہ اس شخص کے پاس پہنچ گئے جس سے اکبر علی خاں نے دیوان غالب کے فوٹو سنیت بنوائے تھے اور اسے ایک پیسہ نہیں دیا تھا۔ فوٹو گرافر کو اخبارات سے یہ علم ہو گیا تھا کہ یہ جتنی چیز ہے۔ اس نے تریسٹھ صفحات کے فوٹو سنیت رکھ لیے۔ ان صفحات کو میرے عزیز نے منہ مانگے داموں خریدا اور ایک بڑی بی کے ہمراہ مجھے بھیج دیا۔

جب فوٹو سنیت مجھے ملے تو میں انہیں لے کر لاہور پہنچا لیکن طفیل صاحب کسی کام سے اسلام آباد آگئے ہوئے تھے۔ میں یونیورسٹی اور ٹیلی کالج لاہور سید شاہد باقر رضوی صاحب سے ملے چلا گیا۔ وہاں ڈاکٹر فرمان فتح پوری بھی تشریف فرما تھے۔ باقر صاحب نے مجھ کو دیکھتے ہی بلند آواز سے کہا:

”والدار بھائی یہ غالب کا دیوانہ ہے۔ اس کی انجینی کھولئے۔ ضرور

غالب پر کوئی تحریر ملے گی۔“ ہم تینوں ہنستے رہے۔ تھوڑی دیر کے بعد میں اور فرمان صاحب اسٹیشن کے لئے ٹانگہ میں سوا ہوئے۔ راستہ میں فرمان صاحب نے پوچھا ”کیا باقر صاحب کا اعزازہ ٹھیک ہے؟ کیا انجینی میں غالب پر کوئی تحریر ہے؟“

میں نے انجینی میں سے لغافو نکالا اور ”دیوانہ غالب بخاطر غالب“ کی فوٹو اسٹینٹ کا پیاں دکھلائیں۔ وہ بہت حیرانی اور استحباب سے ان اوراق کو دیکھتے رہے۔ باقر صاحب کو داد دی اور پوچھا ”اب کیا ارادہ ہے؟“ میں نے ان سے کہا کہ میں نے طفیل صاحب سے وعدہ کیا ہے کہ میں یہ دیوانہ فراہم کروں گا وہی اسے شائع کریں گے۔ پاکستان میں میرے بعد فرمان صاحب پہلے انسان ہیں جنہوں نے ”دیوانہ غالب بخاطر غالب“ کے فوٹو اسٹینٹ دیکھئے۔

میں نے دوسرے دن طفیل صاحب کو ٹیلیفون کیا اور اطلاع دی کہ ”جس چیز کی آپ کو تلاش تھی وہ آگئی۔“ کہنے لگے ”یہ کیوں مذاق کرتے ہو؟“ میں نے کہا ”کیا مذاق کرنے کے لئے آپ ہی رہ گئے ہیں؟“ طفیل صاحب ”کیا واقعی؟“ میں نے کہا ”قطعی“۔

طفیل صاحب ”تم آتے ہو یا میں آؤں؟“

میں نے عرض کیا ”آپ ہی آئیے میں تو کل ہی واپس آیا ہوں اور ہر روز چھٹی نہیں مل سکتی۔“

طفیل صاحب تشریف لے آئے۔ میں نے بعض احباب کو مدعو کیا کہ طفیل صاحب کے ساتھ وہ بھی کھانا تناول فرمائیں جو حضرات بی ۱۳۹۱ کل گھنٹہ ملتان میں جمع ہوئے ان کے نام یہ ہیں:

۱۔ پروفیسر نذیر احمد شعبہ انگریزی گورنمنٹ کالج ملتان (اب ڈپٹی سیکرٹری
ایڈمنسٹریشن ڈویژن حکومت پاکستان)۔

۲۔ مسعود اشعر ریٹیریٹ ڈائریکٹر اسروز ملتان (اب ریٹائرڈ۔ ۱۳۔ رچنا اقبال
ڈائن لاکھور۔ ۱۸)

۳۔ سلطان صدیقی ایڈووکیٹ ملتان۔

۴۔ ایک یونیورسٹی کلرک

طفیل صاحب بڑے بے چکن تھے۔ ان کا خیال تھا کہ ”دیوان غالب بخیر
غالب“ کا تو بہانہ ہے بس میں نے انہیں بلایا ہے۔ دوپہر کے کھانے کے بعد چاروں
حضرات کی موجودگی میں وہ اتفاقاً ان کے سامنے رکھ دیا جس میں فوٹو اسٹیٹ تھے۔ تھوڑی
دیر تک جب بغور دیکھ چکے تو بولے ”آپ دس ہزار روپے لے لیجئے۔“ میں نے کہا ”طفیل
صاحب آپ نے میرا دل دکھایا ہے۔ اگر دس ہزار روپے خرچ کرنا چاہتے ہیں تو پھر دئی
سے منگائیے اور اگر باری ہے تو لے جائیے۔“

تھوڑی دیر کے بعد یونیورسٹی کلرک نے مجھے کمرہ سے باہر بلایا اور ارشاد
فرمایا ”آپ دس ہزار روپے لے لیں آپ بھی مکان خرید لیں۔ طفیل صاحب تو اس سے
لاکھوں کمائے گا۔“

میں نے کہا ”میں اگر طفیل صاحب سے یہ رقم لے لوں تو پھر دوستی تو نہ ہوئی
تھارت ہوئی۔ مجھے باری مزہ ہے یہ نہیں۔ یہ مشورہ آپ اپنے پاس رکھیں۔“

طفیل صاحب بہت خوش تھے۔ مختلف موضوعات پر گفتگو ہوتی رہی پھر وہ
گویا ہوئے ”یار لطیف صاحب! جب سے میں نے نقوش کی ادارت سنبھالی ہے کسی کو اس
میں شریک کار نہیں بنایا۔ یہ یاخ نقوش میں شائع ہوگی اس شمارہ پر تمہارا بھی نام ہوگا۔

میں نے عرض کیا کہ ”نہیں ایسا نہیں ہوگا۔ آپ کے نام کے حروف کیا ہیں

ط۔ف۔ی۔ل۔ انہی حروف کو اس طرح کھلے لیے ہیں ل۔ط۔ی۔ف۔ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ جو کام آپ کر رہے ہیں میں ہی کر رہا ہوں۔ آپ میرا نام شائع نہیں کریں گے۔ جب چاروں حضرات جانے کے لئے اٹھے تو نذیر احمد صاحب نے آہستہ سے کہا ”یہ کھرک ہمارے کیڑے کا آدی نہیں ہے اسے آپ نے کیوں بلایا؟“

میں نے کہا ”یہ سرگی کا مریض خود چلا آیا ہے۔ میں نے تو نہیں بلایا۔ گھر آئے ہوئے کو دھکا نہیں دیا جاسکتا۔“ اب میں اور طفیل صاحب پھر باتیں کرنے لگے ”خط شکستہ کو پڑھے گا کون؟ طفیل صاحب نے پوچھا ’مولانا کلام رسول مہر اور پروفیسر ذریعہ الحسن عابدی دونوں زندہ تھے۔ دونوں جید عالم تھے مہر صاحب ضعیف تھے پھر بھی کوئی نہ کوئی کام کرتے رہتے تھے۔ عابدی صاحب ہر کام میں اتنی دیر کرتے تھے کہ اس کی اہمیت ہی ختم ہو جاتی تھی۔ اس میں شک نہیں وہ بڑے محقق تھے لیکن طفیل صاحب تو جلد سے جلد دیوان غالب بخیر غالب کو شائع کرنا چاہتے تھے۔“

میں نے کہا ”اس کو میں خوش خط لکھ دوں گا۔ آپ لاہور پہنچ کر اس کی اشاعت کا انتظام کیجئے۔“

یہ لکھ چکا ہوں کہ نذیر احمد فاروقی ”دیوان غالب عظیم غالب“ سے استفادہ کر چکے تھے یعنی اس کے فوٹو سنٹیٹ انہوں نے حاصل کر لئے تھے۔ میں موصوف کی کتاب تلاش غالب کتابیات لاہور سے شائع کروا رہا تھا۔ اپریل سن ۱۹۶۹ء کے آخری ہفتہ میں ان کا مضمون ”دیوان غالب نسخہ امر وہ“ براہ راست جلیشر ولید میر کو پہنچا اس ہدایت کے ساتھ کہ اسے کتاب میں لازماً شامل کیا جائے۔ مضمون کے علاوہ دیوان غالب بخیر غالب کی تین غزلیات فاروقی صاحب نے بھیجی تھیں۔ کتاب نامیپ میں کوڑا رنج بھیجے پر شائع ہوئی تھی۔ کتابیات لاہور کے منتظم ولید میر کو ضروری ہدایات دینے میں لاہور گیا۔ ولید میر نے وہ صورت کتاب میں شامل کیا جس پر تر تیر لکھا ہوا ہے۔

ایک دن طفیل صاحب کا ٹیلی فون آیا کہ وہ تلاش غالب میں ”دیوان غالب“ بظہر غالب“ کی دریافت کی کہانی نقوش کے اس شمارے میں چھاپنا چاہتے ہیں جس میں دیوان غالب شائع ہونے والا تھا۔ ظاہر ہے نثار احمد فاروقی نے یہ مشورہ انہیں دیا ہوگا ورنہ طفیل صاحب کے علم میں یہ بات نہ تھی کہ ”تلاش غالب“ میں چھپوا رہا تھا اور یہ کہ دریافت کی کہانی فاروقی بھیج چکے ہیں۔ میں فوراً لاہور پہنچا۔ طفیل صاحب اس زمانہ میں گڑھی شاہو میں ایک کرایہ کے مکان کی پہلی منزل میں رہتے تھے اور گراؤنڈ فلور پر ان کے بھائی محمد اکرم فروکش تھے۔ بعد مشرب طفیل صاحب مجھے اپنے کمرے لے گئے اور یہ کہہ کر اپنی بیگم صاحبہ سے تعارف کر لیا ”بھئی وہ صاحب ہیں جنہوں نے دیوان غالب کے فوٹو دیے ہیں“۔ یہ الفاظ انہوں نے پنجابی زبان میں کہے تھے اور مجھے ترجمہ سنایا تھا۔

نوبے شب میں اور طفیل صاحب ولید میر کی تلاش میں جھگڑا اعلیٰ پہنچے۔ لاہور میں دوسرے ہی کے نزدیک یہ بھلا باد ہے۔ گندہ پانی تالیوں سے بہتا رہتا ہے۔ ہر طرف غلاعت، چھوٹ چھوٹی گلیاں، مکان تاریک کمرے تاریک تر کمروں میں روشنی کا گزر نہ ہوا کا۔ سلین اور جیب نو۔ یہ تھا ماحول جب میں اور طفیل صاحب ولید میر کے کمرے پہنچے تو وہ غالب تھے۔ میں نے طفیل صاحب سے کہا ”آپ کمرے میں مضمون لے کر ہی آؤں گا“۔ میں اس پر یوں دیر کر رہا تھا۔ بکھوٹا ہوا ناٹک کھیل رہا تھا۔ صبح پانچ بجے ولید میر آئے۔ معلوم ہوا جو ان کبیرے ڈانس دیکھنے گیا تھا اور اب نیند میں جھوم رہا تھا۔ ”سر آپ گیارہ بجے آجائیں میں آپ کو مضمون دے دوں گا“۔ کتاب شائع ہو چکی تھی۔ اور جلد بندی کے لئے انسٹیٹیوٹ العلمیہ پریس ۵۷ ایک روڈ لاہور میں پڑی تھی۔ جب میں اور ولید میر وہاں پہنچے تو ایک مولانا سے واسطہ پڑا جو حضرت پندی میں ہر انتہا کو بھلا گئے ہوئے تھے۔ مولانا نے فرمایا کہ جب تک ان کا دو ہزار روپیہ ادا نہ کیا جائے گا وہ ایک صفحہ بھی نہیں لے جانے دیں گے۔ میں نے فوراً یہ رقم ادا کی اور رسید سید باقر رضوی کے نام بنوائی کہ کتابیات

لاہور کے مختلم اعلیٰ دینی تھے۔ ولید میران کا شاگرد تھا۔ ”علاش غالب“ کی اشاعت کے تمام اخراجات میں نے برداشت کئے ڈسٹ کو رطلیل صاحب نے شائع کیا تھا۔

اس طرح ثار احمد فاروقی کا مضمون ”دیوان غالب : نسخہ مردہ“ حاصل کیا۔ رات کو حسب معمول میں اور رطلیل صاحب دیر تک باتیں کرتے رہے۔ جب معلوم ہوا کہ فاروقی صاحب نے یہ درخواست کی ہے کہ ان کا مضمون نقوش میں ضرور شامل کیا جائے نیز یہ کہ وہ پورے دیوان کے حواشی لکھ چکے ہیں وہ بھی شامل اشاعت ہوں۔ ثار احمد فاروقی کے قلم سے لکھا ہوا وہ رجسٹر جس میں حوالے اور حواشی لکھے گئے ہیں اب میرے پاس محفوظ ہے۔

ثار احمد فاروقی صاحب بڑے ہاکمال انسان ہیں۔ ان کے کمالات بیان کرنے کے لئے کئی حضرات کئی کتابیں لکھ سکتے ہیں۔ جب انہیں یہ معلوم ہو گیا کہ دیوان غالب بخیر غالب کے فوٹو سٹیٹ رطلیل صاحب کو مل گئے ہیں تو ایک جانب انہوں نے اپنا مضمون ”دیوان غالب : نسخہ مردہ“ اور حوالے و حواشی کی نقوش میں اشاعت کے لئے رطلیل صاحب کو آباہ کر لیا دوسری جانب مجھ پر بھی کرم فرمایا۔ فاروقی صاحب ایسی منصوبہ بندی کرتے ہیں کہ معلوم ہی نہیں ہو سکتا کہ آئندہ جو قدم ان کا اٹھے گا وہ کیا ہو گا اور جو قدم وہ اٹھا چکے ہیں اس کا مقصد و منشا کیا ہے۔

میں نے ایک روز رطلیل صاحب سے کہا ”چلئے سن آباد میں حکیم صاحب سے مل آئیں تاکہ معلوم ہو سکے کہ اکبر علی خاں کی کیا شرائط ہیں۔“ ہم دونوں حکیم صاحب کے پاس پہنچے۔ حکیم صاحب کا نام تو میں بھول گیا ہوں لیکن ان کے صاحبزادے کا نام غالب ڈاکٹر صغیر احمد تھا۔ حکیم صاحب کرسی پر دراز تھے۔ بالکل سفید بال لباس بھی سفید ان کے حواج کا انداز اس بات سے لگایے کہ شرائط نامہ خود تھامے رہے۔ میں جبکہ کراسے پڑھنے کی کوشش کرتا رہا اور رطلیل صاحب حکیم صاحب کو دیکھتے رہے۔ میں نے رطلیل صاحب کو ٹیڈ کا دیا

کہا میں اور چلیں۔ دروازہ سے نکلے ہی میں نے کہا ”ہم ایک آزاد ملک کے آزاد شہری ہیں اور پھر یہ کہ غالب اکبر علی خاں کے نام اپنا دیوانہ کے میں نہیں چھوڑ سکے۔“

واپسی میں طفیل صاحب اپنے ایک انسانہ نگار دوست صادق حسین صاحب کے گھر لے گئے۔ صادق صاحب طفیل بھائی کے مشیر قانون ہیں۔ میرا تعارف انہوں نے ان الفاظ میں کرایا ”لطیف الزماں خاں میرے دوست انہوں نے دیوانہ غالب بھٹہ کے فوٹو سٹیٹ فراہم کئے ہیں۔“ طفیل صاحب کا خیال تھا کہ ”دیوانہ غالب بھٹہ غالب“ کی اشاعت سے کوئی قانون کی پیروی نہ پیدا ہو جائے اور دونوں ممالک کے تعلقات جو اب بھی ہمیشہ ہی خراب رہتے ہیں مزید خراب نہ ہو جائیں۔

میرا خیال ہے کہ جو سرمایہ کسی بھی شکل میں طفیل صاحب کے پاس اس زمانہ میں موجود تھا اگر وہ صاحب اکبر علی خاں کو دے دیتے تب بھی شرتک پوری نہیں کر سکتے تھے۔ اگر حکیم صاحب سے وہ شرائط نامہ حاصل کر کے شائع کروایا جائے تو یہ اعزازہ ہو سکتا ہے کہ اکبر علی خاں نے دیوانہ غالب بھٹہ غالب“ سے کیا کچھ حاصل کرنے کا پلان بنایا تھا۔ میں نے کہا ”آپ دیوانہ غالب بھٹہ غالب“ شائع کیجئے تمام تر ذمہ داری میری ہے“ صادق صاحب میرے ہم نوا تھے۔

طفیل صاحب نقوش غالب نمبر (حصہ دوم) معدود دریافت بیاض غالب بھٹہ غالب شمارہ نمبر ۱۱۳ اکتوبر ۱۹۶۹ء میں شائع کر چکے تھے۔ ایک روز غار احمد فاروقی کے بچا ابراہام احمد فاروقی صاحب کا خط پہنچا کہ لاہور آؤ۔ یہ اکتوبر ۱۹۶۹ء کا آخری ہفتہ تھا۔ میں ان کے گھر ۵۶۔ پرانی انارکلی لاہور پہنچا تو ابراہام احمد فاروقی صاحب نے دیوانہ غالب بھٹہ غالب کے فوٹو سٹیٹ اور ایک فلاسک جس پر غالب کے اشعار مصور کئے گئے تھے اور جس کی نقل بعد میں لاہور میں کسی نے تیار کی دونوں چیزیں میرے سپرد کیں۔ غار احمد فاروقی نے لکھا تھا ”اے آپ اپنے نام سے شائع کیجئے مجھے خوشی ہوگی“ جو جال وہ بھار ہے تھے

میں اس سے بے خبر تھا۔ حضرت کے قسام غلطو محفوظ ہیں ان نوادارات کو کسی وقت شائع کروں گا۔۔۔ وہ لفظ تو بھی محفوظ ہے جس پر امیر احمد فاروقی صاحب کا پتہ لکھا گیا ہے۔

نقوش غالب نمبر (حصہ دوم) مدونہ دریافتِ نبیاض غالب بنظر غالب کا ایک نسخہ طفیل صاحب نے مجھے بھی بھیجا پہلے سطر پر لکھا تھا:

”برادرم لطیف الزماں خاں صاحب کی خدمت میں

جن کا عشق

اس نمبر کے چھاپنے میں بہت کام آیا“

محمد طفیل

دوسرے صفحے پر لکھا تھا

”میں نے اچھے اچھے نمبر چھاپے مگر اب تک

اس کی اہمیت سب سے بالا ہے۔“

محمد نقوش

۱۵ جون ۱۹۷۰ء کو زندگی میں پہلی بار شمار احمد فاروقی سے طفیل صاحب کے گھر

پر ملا۔ رات کے دو بجے تک باتیں ہوتی رہیں۔ زیادہ تر گفتگو اکبر علی خاں کے بارے میں

ہوئی۔ حضرت فاروقی ثابت کردہ تھے کہ اکبر علی خاں ایک سازشی انسان ہے اور یہ کہ

انہوں نے توفیق احمد کو دھوکا دیا۔ انہوں نے یہ نہیں بتایا کہ خود انہوں نے جو فوٹو نمٹ حاصل

کئے کیا توفیق احمد کی اجازت تھی۔ یقیناً شمار احمد فاروقی نے توفیق احمد کو پہلے دھوکا دیا پھر اکبر

علی خاں نے۔

چهار شنبہ ۱۲۲ جولائی ۱۹۷۰ء کو شمار احمد فاروقی کراچی سے لاہور جاتے ہوئے

لہان پہنچے۔ میں بھی حیدر گام پر ان کا ہم سفر ہوا۔ ۱۲۳ جولائی ۱۹۷۰ء کو طفیل صاحب نے تمیں

سوشل سائنس اداروں کی ایک فہرست بنائی۔ تب مجھے معلوم ہوا کہ نقوش کا شمار نمبر ۱۱۳

جس میں ”بیاض غالب بخار غالب“ شائع ہوئی ہندوستان پہنچ رہے ہیں۔ اس شب کھانا
 ٹار احمد فاروقی کے چچا اہرام احمد فاروقی صاحب کے ہاں تھا۔ رات کو دیر تک میں طفیل
 صاحب اور ٹار احمد فاروقی باتیں کرتے رہے۔ طفیل صاحب نے فہرست حوالے کرتے
 ہوئے کہا:

”فاروقی — بچپاس نئے تمہارے لئے ہیں۔ اس فہرست میں جن
 دوستوں اور اداکاروں کے نام ہیں ایک ایک نسخہ انہیں پہنچا دینا۔“

کچھ دیر خاموشی رہی۔ پھر مرحوم نے چائے طلب کی۔ بھابھی چائے لے آئیں اور گفتگو
 میں شریک ہو گئیں۔ طفیل صاحب نے کہا:

”تم نے حواشی لکھے یہ پانچ ہزار تمہاری محنت اور مضمون کا معاوضہ
 ہے۔ توفیق احمد ایک غریب آدمی ہے اس نے ابتداء میں دیوان
 غالب کی قیمت چھ ہزار کی تھی۔ یہ چھ ہزار اسے دے دینا۔ مجھے ایک
 قرض بھی ادا کرنا ہے۔ جب میں خطوط نمبر شائع کر رہا تھا تو مالک
 رام صاحب نے مجھے خطوط بھیجے تھے مجھے انہیں بھی کچھ رقم دینی ہے۔
 انہوں نے طلب نہیں کی پھر بھی یہ آٹھ ہزار مالک رام صاحب کو
 دے دینا۔“

انہیں ہزار روپے طفیل مرحوم نے میری اور بھابھی جان کی موجودگی میں دے۔

جولائی ۱۳۳۳ء کو میں طفیل صاحب اور ٹار احمد فاروقی کنڈا سنگھ والا پہنچے۔ یہ

گھاؤں پاکستان اور ہندوستان کی سرحد پر واقع ہے۔ بڑے بڑے کریش جن میں نقوش
 غالب نمبر ۲ آسمانیں اور حلاش غالب کے تین سو نسخے تھے ٹار احمد فاروقی نے اتنی آسانی سے
 سرحد کے اس پار بھگوا دیئے کہ میں اور طفیل صاحب دیکھتے رہ گئے۔ پھر فاروقی بھی ہندوستان
 سرحد میں داخل ہو گئے۔ دو گھنٹے گزرنے کے بعد فاروقی صاحب کی آواز آئی ”جائے۔“

جب ہم لاہور آ رہے تھے تو میں نے طفیل صاحب سے پوچھا ”اتنی کتابیں اتنی رقم فاروقی صاحب کیسے لے جائیں گے؟“ طفیل صاحب نے بڑی سنی خیر ہنسی کے ساتھ کہا: ”اگر دس گنا کتابیں ہوں اور انہیں کروڑ روپے ہوں تب بھی ٹارا احمد فاروقی بلا کھینکے لے جائے گا۔ تم اسے نہیں جانتے۔“

ٹارا احمد فاروقی نے ہندوستان پہنچ کر ایک بھی نسخہ کسی شخص یا ادارہ کو نہیں دیا۔ تمام نسخے تین سو روپے فی نسخہ کے حساب سے فروخت کر دیے۔ مجھے نہیں معلوم تو فیض احمد کو کچھ ہزار روپے دیے یا نہیں البتہ مالک رام صاحب کو ایک پیسہ مل گیا دیا۔ ۱۳۶/ اگست ۱۹۸۳ء کو میں بمبئی سے دہلی پہنچا تھا اور پاکستان واپس آ رہا تھا۔ محترم مالک رام صاحب اور محترم ڈاکٹر محمد حسن صاحب دونوں اسٹیشن پر تشریف لائے تھے۔ گاڑی وہاں دو گھنٹے کھڑی رہی۔ دوران گفتگو میں نے مالک رام صاحب سے پوچھا ”کیا آٹھ ہزار روپے ٹارا احمد فاروقی نے آپ کو ادا کر دیے؟“

مالک رام نے کہا ”نہیں مجھے تو انہوں نے ایک پیسہ بھی نہیں دیا“ تب میں نے انہیں بتایا کہ طفیل صاحب نے خطوط کا معاوضہ بھجوا دیا تھا۔ ٹارا احمد فاروقی کو تاکید کی تھی کہ وہ یہ رقم آپ کو پہنچا دے۔ مالک رام صاحب کا جواب نفی میں سن کر ڈاکٹر محمد حسن صاحب کو حیرت ہوئی نہ مجھے۔

جب اکبر علی خاں کا خواب چکنا چور ہو گیا تو وہ غصہ سے پاگل ہو گئے۔ پہلا کام اکبر علی خاں نے یہ کیا کہ ہندوستانی پارلیامنٹ میں کسی رکن کے توسط سے یہ سوال اٹھوایا کہ ”راجہ ان غالب بنظر غالب“ جو ہندوستان میں دریافت ہوا پاکستان میں کیوں کر شائع ہوا۔ یہ خبر ہمارے ہاں روزنامہ ”جنگ“ میں شائع ہوئی۔ اکبر علی خاں کا خیال تھا کہ یہ کام ٹارا احمد فاروقی کا ہے اور وہ حکومت ہند کے معزوب ہوں گے اور ان کا مستقبل تاریک ہو جائے گا۔ اکبر علی خاں نہیں جانتے کہ ان کے تو صرف ہاتھ لمبے ہیں حضرت ٹارا احمد فاروقی کے تو

ہاتھوں کے ساتھ ساتھ ناچیں بھی لہی ہیں۔

جب اکبر علی خاں نے دیکھا کہ ان کا یہ دار خالی گیا اور وہ مالی فوائد بھی حاصل نہیں ہو سکے جو وہ حاصل کرنا چاہتے تھے تو انہوں نے یہ فواد ازا دی کہ دیوان غالب بظلم غالب کا اصلی نسخہ پاکستان منسلک ہو گیا۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اصل نسخہ انہی کے پاس ہے وہ کہتے اور کیسے دیانت دار انسان ہیں اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ آج کل رضا لاہوری رام پور میں بڑے بڑے تالے پڑے ہوئے ہیں۔ وہاں سے نہ جانے کتنی قدیم کتابیں اور مخطوطات غائب ہیں۔

میں نے ایک دن طفیل صاحب سے پوچھا ”آپ نے بیاض غالب (وہ اے بیاض غالب کہنے ہی پر مسمر تھے) کے فوٹو سٹیٹ ڈار احمد فاروقی سے کیوں طلب نہیں کئے تھے؟“

”اکبر علی خاں کا شرائط نامہ تو تم حکیم صاحب کے گھر پڑ چکے ہو۔ اگر میں فاروقی کو لکھتا تو وہ اس سے سو گنا زیادہ قیمت طلب کرتا۔ میں تو اکبر علی خاں کی ہی شرائط پوری نہیں کر سکتا تھا۔“ ڈار احمد فاروقی کی شرائط کہاں سے پوری کرتا۔ تمہارے سامنے پچاس نئے نقوش کے اور پانچ ہزار نقد دیئے مگر وہ اس سے خوش نہ ہوا ہوگا۔ یہ کسی اور وقت کام دکھائے گا“ اور حقیقت یہ ہے کہ فاروقی نے کام دکھایا۔

جب طفیل صاحب رسول نمبر شائع کر رہے تھے تو انہوں نے ساڑھے چھ ہزار روپے کی کتابیں خرید کر ہوائی جہاز کے ذریعے دلی بھیجوائیں۔ کرایہ بھی خود ادا کیا جب کتابیں دلی پہنچ گئیں تو ڈار احمد فاروقی نے انہیں لکھا کہ ”دس ہزار روپیہ اور بھیجو تو مضمون بھیجوں گا اور کھسواؤں گا“۔ طفیل صاحب نے اس مطالبہ کے بعد بھی فاروقی سے بات کرنا بھی پسند نہ کیا۔ مرحوم کو آخری لمحہ تک یہ افسوس رہا کہ نقوش جس میں ”بیاض غالب“ خط ”غالب“ شائع ہوئی وہ اشخاص اور اداروں کو نہیں پہنچا۔ ڈار احمد فاروقی لاہور آئے ضرور مگر

قیام ہوگی میں کیا۔

اکبر علی خاں نے اپنے ظرف کا اظہار اس طرح کیا کہ یو این غالب بظن غالب کا ایک نسخہ کراچی میں ایک صاحب کو بھیجا۔ اس پر نہایت گھٹیا اور لغو عبارت لکھی۔ اب یہ نسخہ غالب لاہوری میں محفوظ ہے۔ مرزا ظفر الحسن صاحب مرحوم سے گھر جا کر درخواست کی اور کئی خط لکھے کہ وہ نسخہ مجھے دے دیں میں ان کو اپنا نسخہ دے دوں گا مگر وہ کسی طرح آمادہ نہ ہوئے۔ وہ طفیل صاحب سے ناراض تھے کہ تبصرہ کے لئے جو کتابیں آتی ہیں وہ غالب لاہوری کو کیوں نہیں بھیجے۔ طفیل صاحب کا کہنا تھا کہ جو ادارہ غالب کے نام سے منسوب ہے اس میں کتابیں ہی ہونی چاہئیں ورنہ میر تو ہر جگہ پائے جاتے ہیں۔ اس ایک بات سے دونوں کے مزاج کا فرق معلوم ہوتا ہے۔

سن ۱۹۷۰ء میں سید عارف شاہ گیلانی کی کتاب ”شہنشاہ سخن“ شائع ہوئی اس کے صفحہ ۲۸۱/۲ پر مندرجہ ذیل عبارت ہے:

”برہن کے سلسلہ میں شاعر سے متعلق ایک نادر ”نور یافتہ“ کا اضافہ ہوا ہے وہ ہے غالب کے نادر و یو این کی اولین روایت کا قلمی نسخہ جس کو ہمارے شاعر نے ۱۸۲۶ء مطابق ۱۲۳۱ھ میں بقلم خود لکھا تھا اور جس کو ضائع کر دینے کا وہ دھتکارنا اعلان کرتا رہا۔ اس نسخہ کو ثار احمد فاروقی امر دہوی سے حاصل کر کے محمد طفیل صاحب نے اکتوبر سن ۱۹۶۹ء میں نقوش کے غالب نمبر حصہ دوم میں ادارہ ”فروغ اردو لاہور“ کی جانب سے بعنوان نور یافتہ ”یاضی غالب بظن غالب“ شائع کیا ہے۔“

گیلانی صاحب اگلے دہائیوں کے محقق ہیں۔ انہوں نے سنی خالی بات پر اعتبار کر لیا تحقیق کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ لیکن مندرجہ بالا عبارت چڑھ کر میں نے حضرت ڈاکٹر

ٹارا احمد فاروقی کو لکھا کہ یہ کیا قصہ ہے۔ حضرت صاحب نے فرمایا کوئی ایسا لکھتا ہے تو لکھنے دو۔ ممکن ہے حضرت صاحب نے میرے خطوط چاک کر دیئے ہوں مگر میں نے ان کی ہر تحریر کو احتیاط سے رکھا ہے اور بعض خطوط تو میں رضا لائبریری رام پور میں محفوظ کرانا چاہتا ہوں تاکہ آئندہ آنے والی سلیس اور پرستاران غالب کو معلوم ہو کہ حضرت صاحب کے کمالات کیا اور کتنے ہیں۔

حضرت ٹارا احمد فاروقی چار شنبہ ۱۷ جون ۱۹۷۰ء کو کراچی تشریف لے گئے تھے اور سر شنبہ ۱۲ جولائی ۱۹۷۰ء کو کراچی سے لاہور کے لئے بذریعہ جیڑ کام روانہ ہوئے۔ اس دوران حضرت صاحب نے صرف ایک کام کیا کہ کراچی کے ادباء شعراء کو بتاتے رہے کہ ”دیوان غالب بظلم غالب“ کے فوٹو انہوں نے عقل صاحب کو فراہم کئے ہیں۔ یہاں چار باتیں غور طلب ہیں:

پہلی بات: ہفتہ ۱۶ جون ۱۹۷۰ء کو شام کے پانچ بجے میں طفیل صاحب اور حضرت صاحب جناب عبادت بریلوی کے گھر چائے پر مدعو تھے۔ وہاں سے اٹھے تو صوفی قلام مصطفیٰ تبسم کے ہاں پہنچے۔ اس کے بعد وقار عظیم صاحب کے ہاں گئے لیکن حضرت ٹارا احمد فاروقی نے دیوان غالب بظلم غالب کے فوٹو اسٹیٹ کی فراہمی کے لیے ایک لفظ نہیں کہا۔

(ب) یک شنبہ ۷ جون ۱۹۷۰ء کو محترم حمید احمد خاں صاحب کے گھر اور وہاں سے نکلے تو راہ میں سلیم اختر مل گئے۔ وہ اپنے گھر لے گئے دبستان کے دو نسخے دیئے باتیں ہوتی رہیں۔ لیکن حضرت ٹارا احمد فاروقی نے دیوان غالب بظلم غالب کے فوٹو اسٹیٹ کے سلسلہ میں ایک لفظ نہ کہا۔

(ج) سر شنبہ ۱۹ جون ۱۹۷۰ء کو بچی احمد صاحب نے لاہر ڈالاہور میں ڈفر پر مدعو کیا۔ میرے علاوہ طفیل بھائی، سید باقر رضوی اور مسعود اشعر (وہ اسی روز بذریعہ ہوائی

بہارِ ملتان سے آئے تھے) موجود تھے لیکن حضرت ڈار احمد فاروقی نے دیوان غالب بظلم غالب کے فوٹو اسٹیٹ کے بارے میں ایک لفظ نہ کہا۔

(د) سر سینیہ ۱۱۶ جون ۱۹۷۰ء کو شیخ اکرام صاحب مرحوم نے کھانے پر مدعو کیا تھا۔ میرے علاوہ فضیل صاحب اور جناب حامد علی خاں صاحب بھی موجود تھے۔ بہت دیر گفتگو ہوئی مگر حضرت ڈار احمد فاروقی نے دیوان غالب بظلم غالب کے فوٹو اسٹیٹ کی فراہمی کے سلسلے میں ایک لفظ نہیں کہا۔

دوسری بات یہ کہ لاہور کے برعکس کراچی میں مختلف دھوتوں کے دوران حضرت ڈار احمد فاروقی ۱۷ جون ۱۹۷۰ء ۲۱ جولائی ۱۹۷۰ء یہ تاثر دیتے رہے کہ نقوش غالب نمبر دو میں جو کچھ شائع ہوا ہے وہ ان کا فراہم کردہ ہے۔ کراچی میں حضرت صاحب کا قیام ایک بہت بڑے پیور دکرٹ کے ہاں ہوتا ہے۔

اہل غرض کو کسی نے مجھا دیا کہ پیور دکرٹ صاحب کی خوش نو دی حاصل کرنے کے لئے حضرت ڈار احمد فاروقی کی دعوت کی جائے۔ چنانچہ جب تک حضرت صاحب کراچی میں رہے اہل غرض حضرت صاحب کی آڑ میں پیور دکرٹ صاحب ورام رے کے لیے دھوتوں کا انتظام کرتے رہے۔ یہ باتیں مجھے کراچی جا کر معلوم ہوئیں۔

سب سے پہلے مشتاق خولید صاحب نے مجھ سے فرمایا "ڈار احمد فاروقی کہتے تھے کہ انہوں نے دیوان غالب بظلم غالب کے فوٹو اسٹیٹ فضیل صاحب کو فراہم کئے تھے۔" میں نے خولید صاحب کو صحیح صورت حال سے آگاہ کیا اور یہ بھی کہا کہ فرمان فتح پوری صاحب پہلے انسان ہیں جنہوں نے فوٹو اسٹیٹ لاہور میں دیکھے تھے وہ بھی آپ کو صحیح بات بتا سکتے ہیں۔ پھر میں نے ان حضرات کے نام بتائے جن کی موجودگی میں فوٹو اسٹیٹ فضیل صاحب کے پردے کئے تھے۔

قیاس ہے کہ کسی دعوت میں سید عارف شاہ گیلانی نے حضرت ڈار احمد فاروقی کی

تقریبی اور اعتبار کر لیا اور نہ کراچی کے اہل قلم میں سے کسی ایک نے بھی حضرت صاحب پر اعتبار نہ کیا اور آج تک میرے ناقص علم کے مطابق اس سلسلہ میں ایک لفظ نہیں لکھا۔

تیسری بات یہ کہ حضرت ڈاکٹر احمد فاروقی کی کتاب ”علاش غالب“ لاہور سے مئی ۱۹۶۹ء میں شائع ہوئی اور حضرت صاحب نے اپریل ۱۹۶۹ء کے آخر میں اپنا مضمون ”دیوان غالب نسخہ امروہہ“ شامل کتاب کرنے کے لیے بھیجا تھا انہوں نے دیوان غالب کے فوٹو اسٹیٹ کی فکیل صاحب کو فراہمی کے سلسلہ میں ایک لفظ بھی نہیں لکھا۔ اگر وہ یہ کہتے کہ نقوش میں عیاض غالب وہ چھپوا رہے ہیں تو انہیں ایسا کرنے سے کون روک سکتا تھا۔

علاش غالب کا دوسرا ایڈیشن دلی سے مئی ۱۹۶۹ء میں شائع ہوا۔ اس میں بھی ایک مضمون ”دیوان غالب نسخہ امروہہ“ ایک نوذر یافت نادر مخلوط موجود ہے۔ صفحہ ۲۶۵ ملاحظہ فرمائیے۔ دیوان غالب : نسخہ امروہہ کیفیت اور غیر مطبوعہ کلام صفحہ ۳۶۶ خالی ہے اور فہرست میں نسخہ امروہہ کیفیت اور غیر مطبوعہ کلام شامل نہیں ہے۔

اس مضمون میں بھی حضرت صاحب نے ایک لفظ نہیں لکھا کہ نقوش میں دیوان غالب بخط غالب شائع کر رہے ہیں۔ چوتھی بات : آج تک حضرت ڈاکٹر احمد فاروقی نے اپنی کسی تحریر میں یہ دعویٰ نہیں کیا کہ دیوان غالب بخط غالب کے عکس انہوں نے فکیل صاحب کو فراہم کئے تھے۔ میرے پاس تو ان کی تحریر موجود ہے کہ کس تاریخ کو فوٹو اسٹیٹ انہوں نے میرے لئے اپنے چچا کو بھیجے تھے۔

فکیل صاحب تو حضرت ڈاکٹر احمد فاروقی کی پرورش زمانہ طالب علمی سے کر رہے تھے۔ وہ چاہتے تو براہ راست فوٹو اسٹیٹ فکیل صاحب کو بھیج سکتے تھے لیکن انہوں نے ایسا اس لئے نہیں کیا کہ اکبر علی خاں کی طرح وہ بھی فکیل مرحوم سے زیادہ سے مالی فوائد حاصل کرنا چاہتے تھے اور جب انہیں یہ علم ہو گیا کہ فکیل صاحب کو فوٹو اسٹیٹ مل چکے ہیں تو اکبر علی خاں کی طرح ڈاکٹر احمد فاروقی کو بھی مایوسی ہوئی۔ حواشی لکھنے اور دریافت کی کہانی

کی سختی بڑی قیمت انہوں نے حاصل کی اس کا کچھ حال گزشتہ صفحات میں لکھ چکا ہوں۔ اکبر علی خاں نے رام پور میں سہ پہر کو چھپنے والے کسی روزنامہ میں وہ زبان استعمال کی جسے شرفا تو کیا رام پور کے کمین بھی استعمال نہیں کرتے۔ اکبر علی خاں نے مجھے لکھا ”اللہ اللہ ملتان میں بھی ایسے لوگ پائے جاتے ہیں کہ دیوان غالب کے عکس فراہم کر سکیں“ وغیرہ۔ اُن کے خط ابھی محفوظ ہیں اور وقت پر شائع کئے جائیں گے۔

۱۹۷۸ء بی بی سی لندن سے ایک پروگرام ہوتا تھا ”کتاب خانہ“۔ اب اسی نام سے سہ پہلی کمشنز کراچی نے اپریل ۱۹۸۵ء میں کتاب شائع کی ہے۔ اس کے مصنف رضا علی عابدی ہیں۔ فہرست میں ایک عنوان ہے ”غالب کوئے ملامت میں“ صفحہ ۱۵۱ پر عابدی صاحب لکھتے ہیں:

”اب ضرورت تھی کہ یحیٰی غالب کے اصل نسخے پر ماہرین کی تحقیق شروع ہو اور غالب کی شاعری پر پڑے ہوئے باریک اور دبیز سارے ہی پردے انہیں مگر ڈرامے کا پردہ جتنی شان سے اٹھا تھا اتنی ہی خاموشی اور نرے اسرار خاموشی سے گر پڑا دیوان غالب لاپتہ ہو گیا اور یہ حال اب کسی حال نہیں کھلتا کہ وہ کہاں ہے؟ کس کے پاس ہے؟ کون اُسے چمپائے بیٹھا ہے اور اُسے چمپانے میں کیا مصلحت ہے؟“

ماہرین کی تحقیق کا کچھ حصہ تو شائع ہو چکا ہے۔ کچھ تحریریں میں جمع کر رہا ہوں اور جلد کتاب شائع ہوگی۔ غالب کی شاعری پر باریک اور دبیز پردے کبھی نہیں پڑے تھے باریک اور دبیز نقاب جن چہروں پر پڑی ہوئی ہیں وہ ضرور اٹھنی چاہئیں تاکہ غالب کو کوئے ملامت میں نہ جانا پڑے۔

رضا علی عابدی صاحب دیوان غالب بخاطر غالب کی دریافت کو ڈرامہ کہتے

ہیں اور انہوں نے اس ڈرامہ کے کئی کرداروں کا ذکر کیا ہے لیکن افسوس کہ اگر ڈرامہ ہے تو اس ڈرامے کے سب سے بڑے کردار حضرت شہداء احمد فاروقی کے رول کے بارے میں عابدی صاحب کی لاطینی حیرت انگیز ہے۔ حضرت شہداء احمد فاروقی تو پہلے شخص ہیں جنہوں نے سب سے پہلے توفیق احمد کی سادگی سے فائدہ اٹھایا اور اولین فرصت میں فوٹو اسٹیٹ حاصل کر لئے۔ حضرت صاحب نے لکھا:

”یہ اطلاع ۱۷/۱۱/۱۹۶۹ء کو انگریزی ’آرڈو ہندی اور دوسری زبانوں کے اخبارات میں چھپی اور آل انڈیا ریڈیو نے اسے خبر نامہ میں شہر کی اسی دن توفیق احمد صاحب پر لٹو لے کر میرے پاس دہلی پہنچے۔“ (حاشیہ غالب، ص ۳۵) (کتابیات لاہور)

حضرت صاحب نے بقول عابد رضا بیوا ”استفادہ“ کیا یعنی فوٹو اسٹیٹ بنوائے اور اس قدر تجزی و کھائی کہ اس کا تفصیلی تعارف لکھ کر ”حاشیہ غالب“ میں اشاعت کے لئے بھیج رہا ہوں“ تحریر فرمایا۔ [حاشیہ غالب، ص ۳۰] (کتابیات لاہور)

وہ یہ بھی لکھ سکتے تھے کہ دیوانہ غالب بخاطر غالب کو تفصیلی تعارف کے ساتھ نقوش میں اشاعت کے لئے بھیج رہے ہیں۔ انہیں ایسا لکھنے سے کون روک سکتا تھا۔

رضاعلی عابدی صاحب اتنے اہم اور اتنے بڑے کردار کو نظر انداز کر گئے ہیں۔ یہ تفصیلی تعارف دیوانہ غالب بخاطر غالب کے فوٹو اسٹیٹ حاصل کئے بغیر نہیں لکھا جاسکتا تھا۔

دیوانہ غالب لاپتہ نہیں ہوا۔ میں قطعیت کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ وہ اکبر علی خاں کے پاس ہے اکبر علی خاں نے اسے چھپا رکھا ہے۔ اس کے چھپانے میں وہ باتیں پوشیدہ ہیں۔

اول یہ اکبر علی خاں کو جب بھی موقع ملا وہ یورپی ممالک کے کسی ادارے کو

فروخت کر دیں گے جس سے وہ زیادہ سے زیادہ مالی فائدہ اٹھا سکیں دوسرے یہ کہ اگر اکبر علی خاں کو مالی فائدہ نہیں پہنچا تو دوسروں کو کیوں پہنچے۔

کتب خانہ کے صفحہ ۱۵۴ پر عابدی صاحب نے لکھا ”اب شورا تھا کہ بیاض غالب اسکل ہو کر پاکستان چلی گئی۔“ یہ افواہ اکبر علی خاں نے اس وقت اڑائی جب انہیں یہ علم ہوا کہ ”بیاض غالب بھڑ غالب“ تو نقوش میں شائع ہو گئی۔ طفیل صاحب نے ان کی شرائط پوری کئے بغیر ہی دیوان غالب بھڑ غالب شائع کر دیا تھا۔ دوم یہ کہ اقلیت بھی نقوش کو حاصل ہوئی۔ اکبر علی خاں اگر یہ افواہ بھی نہ اڑاتے تو کیا کرتے۔ بے چارے اکبر علی خاں کو ایک پیر نہ ملا حضرت ثار احمد فاروقی تو پھر بہت اچھے رہے۔ حواشی لکھنے کے پانچ ہزار نقد وصول کئے۔ پچاس نسخے بھی نقوش کے اپنے لئے لئے اور تین سو نسخے جو مختلف اداروں اور اشخاص کو دیئے تھے انہیں ہضم کر لیا۔ توفیق احمد اور مالک رام صاحب کے لئے جو رقم طفیل صاحب نے دی تھی اسے ہضم کر لیا۔ اکبر علی خاں اگر دیوان غالب بھڑ غالب کو غالب نہ کر دیتے تو کیا کرتے۔ ایک روایت یہ ہے کہ توفیق احمد چند لوگوں کو ساتھ لے کر مرحوم امتیاز علی خاں مرثی صاحب کے پاس گیا روایہ گزرا یا کہ اکبر علی خاں سے دیوان غالب بھڑ غالب کا مسودہ دلوادیں مرثی صاحب شریف انسان تھے۔ انہوں نے بیٹے سے درخواست کی (حکم وہ اکبر علی خاں کو نہیں دے سکتے تھے) کہ ”دیوان غالب دے دو“ اکبر علی خاں اس شرط پر آمادہ ہوئے کہ انہیں تحریری رسید مل جائے تو وہ دیوان غالب لوٹا دیں گے۔ غریب توفیق احمد نے رسید لکھ دی اور اکبر علی خاں نے جوتے مار کر نکال دیا اس کے ایک ہی معنی ہیں کہ اگر توفیق احمد قانون کا دروازہ کھٹکتا کہیں تو اکبر علی خاں رسید پیش کریں۔ حالاں کہ توفیق نے جب دیوان غالب اکبر علی خاں کے سپرد کیا تھا تو کوئی رسید نہ لی تھی۔ آخر میں یہ عرض کرنا ہے کہ اکبر علی خاں اور حضرت ثار احمد فاروقی کے بارے میں چند باتیں اشارۃً طفیل صاحب کے خاکہ میں لکھی تھیں۔ یہ خاکہ سب سے پہلے اپریل

۱۹۸۲ء میں ”اہل قلم ملتان“ میں شائع ہوا۔ اس کا عنوان محمد نقوش تھا۔ یہی خاکہ ڈاکٹر محمد حسن نے عصری ادب دہلی میں شائع کیا اور دونوں ہاکمالوں کے نام اور اشارات کو کسی حد تک کاٹ دیئے اور مجھے لکھا ”دونوں اودم بچاتے“ تیسری مرتبہ یہ خاکہ ”محمد نقوش“ مرتبہ ڈاکٹر معین الرحمن میں شائع ہوا۔ معین صاحب کو دوسروں کے کام پر ہاتھ صاف کرنے کا جو سلیقہ آتا ہے وہ کیا کسی کو آئے گا۔ یہ الگ باب ہے۔ پہلی بات تو یہ کہ محمد نقوش میں نے مرتب کی ہے معین صاحب نے نہیں۔ محمود عالم قریشی اور ڈاکٹر اختر کو سب حال معلوم ہے۔ میرے پاس کئی حضرات کے خطوط ہیں جنہوں نے یا تو مضمون لکھنے کا وعدہ کیا یا سفوری ظاہر کی۔ ایک بیگم صاحب کا نام بحیثیت مرتب کے چھپنا قرار پایا۔ میں نے طفیل بھائی سے کہا ”بسم اللہ کوئی حرج نہیں“ پھر خدا جانے کیا بیچ پڑا کہ معین صاحب کے نام سے یہ کتاب شائع ہوئی اور جب مسودہ ان کے پاس پہنچا تو حسب عادت اور حسب معمول انہوں نے قیمتی سنبھالی انہوں نے نہ صرف یہ کہ میرے خاکہ کا عنوان بدل دیا بلکہ اکبر علی خاں اور غار احمد فاروقی سے متعلق باتوں میں سے بیشتر کو قلم زد کر دیا۔ کیوں کہ انہیں ”تھوڑے ثقت“ ملنے میں دشواری ہوتی۔ محمد نقوش کو میں نے ہی محمد عمر خاں مالک و مجتہم کاروان ادب ملتان سے شائع کرایا تھا۔ ان چند سطور کے لئے صرف یہ عرض کرنا ہے کہ جو تفصیل اب میں نے لکھی ہے وہ اشارۃ طفیل صاحب کی زندگی میں لکھ چکا ہوں۔

بیگم طفیلؒ پروفیسر عزیز احمدؒ مسعود اشعرؒ سلطان صدیقیؒ ڈاکٹر سید شاہد باقر ریسویؒ ڈاکٹر فرمان فتح پوریؒ صادق حسین اور کئی دیگر حضرات حیات ہیں۔ جو کچھ میں نے عرض کیا ہے اس کی تصدیق کی جاسکتی ہے۔ عزیزی جاوید طفیل مصر رہے ڈاکٹر عبادت بریلوی صاحب اور ڈاکٹر فرمان فتح پوری نے وعدہ لیا کہ میں دیوان غالب بخط غالبؒ کی اشاعت کی روداد لکھوں میں ان حضرات کا شکر گزار ہوں جنہوں نے یہ روداد لکھوائی ورنہ نہ جانے کب تک یہ کام ملتای رہتا۔ [ماہنامہ ”طلوع افکار“ کراچی مارچ اپریل ۱۹۸۹ء]

O

اگر آپ نے زیر نظر شمارے میں شائع شدہ تمام نگارشات براہ راست حاصل کی ہیں تو اس کی قدر و قیمت اور بڑھ جاتی ہے کیوں کہ کبھی نام جانے پہچانے اور مستتر ہیں خصوصاً لطیف الزماں خاں کا مضمون تو بہت ہی دلچسپ ہے۔

[قبصر حکیم (کندل) ماہ نامہ طلوع انکار کراچی جولائی ۱۹۸۹ء]

”دیوان غالب بخط غالب“ کے حوالے سے لطیف الزماں خاں نے جن پردوں کو سر کاٹا ہے انہیں مزید اٹھنے کی ابھی ضرورت باقی ہے کیسے مفاد پرست ادب کے نام پر دجے لگا رہے ہیں۔ (المرکب) (کوہنیکن اڈلارک) ماہ نامہ طلوع انکار کراچی جولائی ۱۹۸۹ء

”۱۹ جون کے کرم نامے کے لئے شکر گزار ہوں یہ جان کر مطمئن ہوا کہ آپ کو میرے دونوں خطوط جو مختلف جہوں پر لکھے گئے تھے مل گئے۔ مگر جواب آپ نے صرف تیسرے خط کا دیا۔ شکریہ۔ نہ میں نے یہ لکھا اور نہ چاہتا ہوں کہ میرے مضمون کے حوالے سے ”تقریبی خطوط آئیں تو آپ انہیں شائع فرمائیں۔ ضروری نہیں کہ تو صلیبی خطوط ہی آئیں اختلافی خط بھی آئیں تو انہیں پہلے جگہ دیجئے گا۔“

آپ تقدیم اور تاخیر کے قائل نہ ہوں مگر ادب میں تو یہ قصہ ہے۔ محمد حسن عمر میں تو مجھ سے چھوٹے ہیں ہاں علم کے اعتبار سے بڑے۔ آج بہادر گوڑ صاحب کو میں نہیں جانتا۔ پھر عرض کرتا ہوں کہ میری کوئی حیثیت نہیں ہے اصل بات غالب کی تھی۔ میں نے کبھی کسی رسالہ میں نہیں پڑھا کہ غالب پر مضمون ہو اور اسے اذیت نہ دی جائے۔ آپ کو یاد ہو گا گزشتہ سال فروری میں ”غالب کا سطر کلکتہ“ شائع ہوا جسے پڑھ کر آپ نے مجھے خط لکھا تھا۔ اس شمارے میں دیکھئے کئی ”عمر رسیدہ لوگ ہیں“ لیکن غالب کی وجہ سے کشور ناہید نے اسے اہمیت اور اذیت دی۔

خیراب قصہ کو ختم کیجئے۔ آپ نے شائع کر دیا بھی قیمت ہے۔ ورنہ دو سال قبل اس مضمون کو لکھا تھا اور کسی سے کیا شکوہ وہ ہمارے مسجد بھائی محمد علی صدیقی اور حسن عابد نے ارتقا میں شائع کرنا پسند نہ کیا اور آپ کو دے دیا تھا صرف اس لئے کہ وہ طلوع انکار کو اپنا پرچہ سمجھتے ہیں۔

ڈاکٹر شارب رودلوئی کا خط دقتی سے آیا ہے۔ رسالہ آپ نے رجسٹری سے بھیجا۔ میرا مضمون پڑھا تو مات بھر غینہ نہیں آئی۔ شارب بہت ہی شریف انسان ہیں اسنے شریف کردتی میں رہ کر انسان کو اتنا شریف نہیں ہونا چاہئے۔ ڈاکٹر ثار احمد فاروقی نہ ہوں نہ سہی ڈاکٹر محمد حسن تو ہوں۔ معلوم نہیں آپ نے کن کن حضرات کو پرچہ بھیجا۔ ہمدستان میں دو اصحاب کو پرچہ جاتا تو اچھا تھا مالک رام صاحب اور رشید حسن خاں صاحب کو مضمون میں جن حضرات کے حوالے سے باتیں آئی ہیں انہیں کو پرچہ ضرور پہنچنا چاہئے۔ سید سجاد باقر رضوی، مسعود اشعر (پتہ وہی ہے جو مضمون میں آیا ہے) عبادت صاحب، جاوید ظفیر، ڈاکٹر سلیم اختر وغیرہ آپ صرف اتنا بتائیے کہ کن کن حضرات کو آپ نے رسالہ بھیجا ہے جو رہ گئے ہوں گے انہیں میں بھیج دوں گا۔

میں ایک کتاب شائع کرنا چاہتا ہوں۔ اردو کے تین دودغ گو۔ اس سلسلہ کی ایک کڑی تو حضرت ڈاکٹر ثار احمد فاروقی ہیں مضمون آپ نے شائع کر دیا۔ دوسرے صاحب ہیں ڈاکٹر یحییٰ الرحمن صدر شعبہ اردو گورنمنٹ کالج لاہور۔ ان کے سلسلہ میں تین مضامین لکھنے ہیں (۱) غالب کے حوالے سے۔ کہ موصوف نے مخلوق سعیدی کے دستِ بزرگو اپنے نام سے شائع کر دکھا ہے۔ (۲) دوسرا مضمون رشید احمد صدیقی صاحب کے حوالے سے کہ یحییٰ صاحب نے رشید صاحب کے انتقال کے بعد ان کی تحریروں کو اپنے نام سے شائع کیا ہے اور ان کے ساتھ جعلی تصویر بنائی اور چھاپی ہے۔ تیسرا مضمون ”محمد نقوش“ کے حوالے سے کہ یہ کتاب انہوں نے نہیں میں نے مرثیہ کی ہے۔ تیسرے دودغ گو آل

احمد سرور صاحب ہیں۔ [لطیف الزماں خاں (ملتان) نامہ نامہ طور، افکار کراچی جولائی ۱۹۸۹ء]

آپ کا ۱۲ جولائی کا کرم نامہ مل گیا۔ یاد فرمائی کے لئے شکر گزار ہوں۔ آپ کے کام کی نوعیت ہی ایسی ہے کہ آپ مصروف زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ مجھے تو خوشی اس بات کی ہے کہ دیر ہی سے کئی آپ خط کا جواب دیتے ہیں۔ اہل کراچی کم لاہور کے کتر اور ہندوستان کے احباب بالکل جواب دینے کے عادی نہیں ہیں۔ میری پریشانی یہ کہ ایک عجیب شہر میں رہتا ہوں نہ ہم زبان نہ ہم خیال۔ اس نامعلوم بستی میں ایک شخص ایسا نہیں جس سے ادب پر سلیقہ کی گفتگو ہو سکے۔ جب کسی کا خط آتا ہے تو تنہائی کا احساس کم ہوتا ہے۔ جواب لکھ کر پھر خط کا انتظار کرنے لگتا ہوں۔

اب آپ نے اجازت دے دی ہے تو مضامین لکھوں گا اور بھیجتا رہوں گا۔ وہ شمارہ جس میں دیوان غالب بخط غالب ردو لیا شامت شائع ہوا ہے آپ جتنے پرچے آسانی بھیج سکتے ہوں بھیج دیجئے میں ان تمام اصحاب کو جن کا اس میں ذکر آیا ہے بھیج دوں گا۔ اس نوازش کے لئے دلی شکر یہ قبول فرمائیے۔

[لطیف الزماں خاں (ملتان) نامہ نامہ طور، افکار کراچی نومبر ۱۹۸۹ء]

لطیف الزماں خاں کا مضمون ”دیوان غالب بخط غالب“ بہت سے نامعلوم گوشواروں پر روشنی ڈالتا ہے۔ ہندوستان میں عام طور پر یہ بات مشہور تھی کہ توفیق احمد قادری امرہوی کے حاصل کردہ مخطوطے کی فوٹو اسٹیٹ کاپی ڈاکٹر احمد فاروقی نے نقوش کو دی تھی۔ محمد طفیل صاحب مرحوم سے میرے مرام ۵۶ء سے تھے اور اس وقت سے نقوش میرے پاس باقاعدگی سے آتا تھا۔ غالب نمبر صدوم سے نور یافت پناہ غالب کا ایک نسخہ بھی میرے پاس براہ راست لاہور سے آیا تھا میں نے طفیل صاحب سے اس سلسلہ میں کبھی دریافت نہیں کیا، حالانکہ ۷۰ء میں توفیق احمد قادری اپنے مقدمے کے سلسلہ میں کسی وکیل سے مشورہ کرنے پٹنہ (بہار) آئے تو انہوں نے میرے یہاں قیام فرمایا ان دنوں

میں پنہ میں تھا دہلی میں کسی نے انہیں میرا پتہ دیا تھا وہ ٹار احمد غاروقی اور عرشی زاوہ اکبر علی خاں دونوں سے بہت برہم تھے اور ان کا خیال تھا کہ ان دونوں میں سے کسی نے ان کا مخطوطہ "نقوش" کو دے کر بڑی رقم حاصل کی ہے اور انہیں پھونکی کوڑی تک نہیں دی وہ مخطوطے کی بازیافت کے سلسلے میں قانونی چارہ جوئی کر رہے تھے پھر پتہ نہیں کیا ہوا۔ لطیف الزماں خاں کا یہ مضمون کوہسار حزل (بھاگل پور بہار) نے بھی آپ کے یہاں سے نقل کیا ہے اس مضمون کا ذکر دہلی میں بھی کئی دوستوں نے کیا۔

[مضمون ۴۸ (سری گربھارت) ماہنامہ "طلوع افکار" کراچی نومبر ۱۹۸۹ء]

"میرے محترم دوست پروفیسر لطیف الزماں خاں کا اصرار ہے کہ میں "طلوع افکار" کے کسی ساہتہ شمارے میں ان کا مقالہ "دیوان غالب بظن غالب" ضرور چھپوں اب اگر آپ وہ پتہ بھیج دیں تو بڑا کرم ہوگا۔" [ظہیر صدیقی ماہنامہ طلوع افکار کراچی دسمبر ۱۹۸۹ء]

"دیوان غالب بظن غالب" زوداد اشاعت کے بارے میں انفرادی طور پر ڈاکٹر جمیل جالبی ڈاکٹر فرمان فتح پوری ولی سے ڈاکٹر قمر رئیس ڈاکٹر شارب ڈاکٹر محمد حسن کے خطوط آئے ہیں محمد حسن صاحب نے لکھا ہے "آپ کے مضمون نے ہندوستان میں تھلکہ بچا دیا ہے" علی گڑھ سے بھی خط آیا ہے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ اس مضمون کو شان ہند دہلی نے آپ سے اجازت کے بغیر شائع کیا ہے۔" [لطیف الزماں خاں ماہنامہ طلوع افکار کراچی دسمبر ۱۹۸۹ء]

لطیف الزماں خاں صاحب کے مضمون کا تذکرہ بعض دوسرے احباب نے بھی کیا ہے میں نے وہ مضمون نہیں دیکھا نہ دیکھنا چاہتا ہوں میں نے اپنی طرف سے انہیں معاف کر دیا ہے اور دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی ان سے سواغفہ نہ کرے۔

ہر کہ مارا یار نیوڈ اجڑو اُور ا یار باد دان کہ مارا رنجہ دار زراحتش بسیار باد
ہر کہ آو خار سے نہد در داو ما از دشمنی ہر لکھے کز باغ عرش مشکلفہ ہے خار باد

اگر میری کوئی غلطی ہے تو میزانِ عدالت ایک دن نصب ہوئی ہے اور وہ دن زیادہ دور بھی نہیں ہو سکتا۔ [شاعرِ فاروقی عاصم سید انیس شاہ دیلائی ۱۵ افروری ۱۹۹۰ء]

”طلوعِ افکار کے کسی شمارے میں (اس پرندہ شاد ہے نہ مہینہ نہ سن) کینیڈا سے محترمہ حسیم سید نے میرے مضمون ”دیوانِ غالب بخظ غالب“ روادِ اشاعت کو سراہا۔ میں ان کا شکر گزار۔ وہ لکھتی ہیں:

”لیکن مضمون میں ایک ”کلرک“ کا حقاقت آمیز تذکرہ بہت کھلا۔“

میرے پاس محترمہ حسیم سید کا پتہ نہیں ہے ورنہ براہِ راست انہیں لکھتا۔ اب آپ کے توسط سے بعض باتوں کی تشریح ضروری ہے۔ میری سات پشت میں کوئی جاگیردار نہیں ہوا میری ذہنیت جاگیردارانہ کیوں کر ہو سکتی ہے۔ ساری عمر محنت مزدوری کی ہے اور سیلف میڈ انسان کی ذہنیت کچھ اور ہوتی ہو جاگیردارانہ نہیں ہوتی۔ جن صاحب کے لئے لفظ ”کلرک“ استعمال کیا گیا ہے وہ ایک مقامی حوالہ تھا۔ ان کی ذہنیت کے لئے یہ لفظ استعمال ہوا۔ یوں بھی کینیڈا میں رہ کر یہاں کے کلرک کی ذہنیت کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔ کلرک صاحب دایا بھٹنڈا بی۔ اے ہیں انگریزی میں ایم اے ہیں شاعرِ اعظم ہیں مہمانِ افسانہ نگار ہیں خدا بھلا کرے ایک صاحب کا جو کانشیل سے ڈاکٹر ہوئے پھر ایسی جماعت سے وابستہ ہوئے کہ اس کی آڑ لے کر جس کا بھی چاہا بگڑی اچھالتے رہے۔ اسی کانشیل ڈاکٹر نے کلرک بادشاہ کو ادبی انعام دلوا دیا۔ گیارہ سال تک جب لوگ کوڑے کھا رہے تھے خواتین تک ظلم و ستم کا شکار تھیں۔

وہ جس تھا کر لڑکی ڈالنا لکھتے تھے لوگ

ایسے عالم میں کلرک نے فوجی پٹنی جس پر لکھا تھا ”ساختہ جماعت“ اس نے نہ صرف کلرک کی اپنے لئے تعریفی کالمز لکھوائے اپنے نام کتابیں معنون کروائیں بلکہ دنیا کی سیر کر آیا اور جو جی۔ جیو دیت کی صبح نمودار ہوئی وہ ترقی پسند بن گیا۔ خاتون محترم بتائیں

۱۔ ایسے قائل کا کیا کرے کوئی؟

میں محترمہ نسیم سید کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے لکھا ”ادب کی منہی میں طرح طرح کی دھاندلیاں رواج پا رہی ہیں جن کی پردہ پوشی ایسے لوگوں کے ہاتھ مضبوط کرتی ہے“ میں نے مضمون میں یہی کچھ تو کیا ہے کہ غالب کے نام پر کیسے کیسے لوگ کیا کر رہے ہیں۔ نسوٰ امر وہ نسوٰ لاہور نسوٰ بھوپال ثانی یا بیاضی غالب بخدا غالب ایک جعلی نسوٰ ہے۔ سب سے پہلے ڈاکٹر انصار اللہ نظر (علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) نے اس کو جعلی قرار دیا پھر کمال احمد صدیقی نے پانچ سو صفحات کی کتاب ”بیاضی غالب“ تحقیقی جائزہ شائع کی۔ ڈاکٹر عکرم الدین احمد صاحب نے احوال غالب (نیا ایڈیشن دلی) کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ اس نسوٰ کی مخالفت میں بڑی تعداد میں مضامین لکھے گئے اور حق میں بھی۔ ان مضامین کو کتابی شکل میں شائع کیا جائے گا۔ میں بھی ایک کتاب کا ذول ذالوں کا اور بتاؤں گا کہ یہ نسوٰ جعلی ہے تو کیوں! محترمہ نسیم سید نے جس مضمون کو سراہا اسی سلسلہ کی چند باتیں ملاحظہ فرمائیں:

سال گزشتہ جولائی ۱۹۸۹ء کی سہ ماہی میں محمد طفیل مرحوم (مدبر نقوش) کے گھر بیگم طفیل کے پاس بیٹھا ہوا تھا ہم دونوں چائے پی رہے تھے انہوں نے بتایا کہ دلی سے ڈاکٹر فرید احمد فاروقی آئے ہیں اور انہی کے گھر قیام ہے۔ طفیل صاحب نے اس وقت سے چپ سا دھلی تھی جب ساڑھے چھ ہزار روپے کی کتابیں ڈکارنے کے بعد ثار احمد فاروقی نے رسول خیر کے لئے لکھنے کے دس ہزار روپے اور طلب کئے تھے۔ فاروقی صاحب دلی سے آتے قیام کہیں اور کرتے لیکن جب طفیل صاحب کا انتقال ہو گیا تو مہسوف سید حسن کے ڈرائنگ روم میں آتے۔

بیگم طفیل نے کہا ”میں تو ان سے ملی نہیں“ پھر ہم دونوں ان کے کارناموں پر باتیں کرتے رہے۔ بیگم طفیل علی الصبح نماز کے بعد سیر کرنے جاتی ہیں۔ فاروقی صاحب برآمدے میں بیٹھ کر سیر سے واپس آئیں تو یہ ہم کلام ہوں۔ بیگم طفیل بڑی وضعدار

اور خوددار خاتون ہیں جو سلوک ثار احمد فاروقی نے ان کے مرحوم شوہر سے کیا تھا وہ کیسے معاف کر سکتی تھیں انہوں نے ہات کر کے نہ دی۔

یک شنبہ ۱۹ مارچ ۱۹۸۹ء کو نقوش کے دفتر میں میرے علاوہ طفیل صاحب کے صاحبزادے جاوید (اب نقوش کے ایڈیٹر ڈاکٹر ثار احمد فاروقی اور ڈاکٹر مصین الرحمن صدر شعبہ اردو گورنمنٹ کالج لاہور) موجود تھے۔ طفیل صاحب کی باتیں ہو رہی تھیں فاروقی صاحب نے بتایا کہ جامع مسجد رتی کے قریب رشید نامی ایک جلد سازی دکان تھی وہ لاہور آیا اور فاروقی صاحب کا رقعہ لایا۔ جب وہ واپس جانے لگا تو مرحوم طفیل صاحب نے ”بیاض غالب بخلط غالب“ کے پچاس نسخے آسے دے دیے۔ دلی پہنچ کر کہنے لگا کہ کسٹم والے لٹوٹ پڑے اور آدھے نسخے لے لئے اور پانچ سو روپے بھی۔ ایک فہرست بھی بھیجی تھی طفیل صاحب نے۔ اس میں کئی نام ایسے تھے جو میں نے کٹ دیے۔ مثلاً عصمت چغتائی۔ بھلا عصمت کو غالب سے کیا تعلق۔ میں نے جاوید کو اور جاوید نے مجھے دیکھا تو انہی شبہ کرتا مشکل ہو گیا۔

نقوش کے دفتر میں چودہ بٹل کتابوں کے جمع تھے۔ میں نے اشارہ سے پوچھا اور عزیز بی جاوید طفیل نے اشارہ سے جواب دیا کہ فاروقی صاحب کے ہیں۔ ڈاکٹر ثار احمد فاروقی صاحب کا قاعدہ یہ ہے کہ کراچی جائیں تو انجمن ترقی اردو سے لاہور میں مجلس ترقی ادب لاہور شافقت اسلامیہ اقبال اکیڈمی اقبال اسلام آباد جائیں تو مقتدرہ کی مطبوعات مفت حاصل کرتے۔

۱۹ مارچ کی شب کو دس بجے کے قریب بیگم طفیل ان کی بہو زاہدہ بھرتی عاشری اور نئی دلہن۔ ہم سب قہقہے لگا رہے تھے۔ جاوید آئے اور شریک ہو گئے۔ نقوش کا تازہ شمارہ ان کے ہاتھ میں تھا۔ بکا ایک بیگم طفیل مجیدہ ہو گئیں ”کہہ دوں گی میں فاروقی سے یہاں نہ آیا کرے۔ آ جاتا ہے میرے بچوں کو لوٹنے کے لئے“ میں تجزی سے اٹھا اور میز پر ان کے

سامنے بیٹھ گیا۔ ”نہیں بھابی جان۔ آپ ایسا نہیں کریں گی یہ الفاظ نہیں کہیں گی“ وہ چپ تھیں اور افسردہ۔

ثار فاروقی آتے ہیں تو جاوید انہیں اپنا ہر کام چھوڑ کر کار میں لئے بھرتے ہیں۔ پاکستان میں وہ کہیں جائیں ان کے لئے ہوائی جہاز سے آمد و رفت کا ٹکٹ منگاتے ہیں اور بھران کی ہر فرمائش پوری کرنے میں کتا ہیں اب بھی ڈیجیٹل کے حساب سے جاوید ساتھ کر دیتے ہیں۔ تو جناب یہ ہیں ڈاکٹر ڈاکٹر احمد فاروقی۔

[لطیف الزماں خاں (لکھنؤ، ماہنامہ ”طلوع افکار“ کراچی مارچ ۱۹۹۰ء)
 ”دو یونان غالب بظلم غالب“ کے حوالے سے ایک خط روانہ کیا ہے اسے مضمون کا ضمیر خیال فرمائیے شائع کرو دیجئے۔

[لطیف الزماں خاں (لکھنؤ، ماہنامہ ”طلوع افکار“ کراچی مارچ ۱۹۹۰ء)
 ”طلوع افکار“ کے دو شمارے ملے ہیں۔ اس کرم فرمائی کے لیے شکر گزار ہوں۔
 ”کوہسار جرنل“ مل رہا ہوگا آپ ”طلوع افکار“ باقاعدگی سے بھجوائیں میں آپ کے لئے بھی براہ کھسوں گا۔ اس رسالہ کی ایک کاپی سب سے پہلے جو گوگرد پال صاحب نے مجھے بھیجی تھی۔ غالب جون کا شمار تھا۔ اس میں شامل لطیف الزماں خاں صاحب کا مضمون میں نے ”کوہسار جرنل“ میں ڈائجسٹ کیا تھا۔ اس مضمون کو چڑھ کر ڈاکٹر عیسیٰ چند صاحب نے جو خط لکھا تھا اسے نقل کر رہا ہوں تاکہ لطیف الزماں خاں اگر جواب دینا مناسب سمجھیں تو پہلے آپ چھاپ دیجئے پھر میں شائع کر لوں گا۔ میں نے دو خطوں میں یہ مضمون شائع کیا تھا۔

”لطیف الزماں خاں“ کا سلسلہ مضمون ”دو یونان غالب بظلم غالب“ معلومات افزا ہے۔ معلوم نہیں آپ نے یہ مضمون کہیں سے ڈائجسٹ کیا ہے یا پہلی بار آپ ہی کے پرستے میں چھپا ہے۔ ماہ جون کے پرستے میں صفحہ ۲ پر لکھا ہے کہ لطیف الزماں خاں کے عزیز

نے فوٹو گرافر سے محض ۶۳ صفحات کے عکس حاصل کئے اور طفیل صاحب کو دئے۔ اس کے بعد ان کا ڈرامہ فاروقی کے اس بیان کی تردید کہ جملہ فوٹو انہوں (فاروقی) نے فراہم کئے ہیں درست نہیں معلوم ہوتا۔ میرا تاثر یہ ہے کہ نقوش کو فوٹو اور مقدمہ ڈرامہ فاروقی صاحب ہی نے فراہم کیا۔

مضمون میں ڈرامہ فاروقی اور اکبر علی خاں صاحبان کے خلاف شدید اعتراضات ہیں۔ ہمارے سامنے تصویر کا ایک ہی رخ ہے۔ مناسب ہوگا کہ ان دونوں حضرات کے بیان بھی حاصل کر کے شائع کر دئے جائیں۔

[۱] اکبر خان غلامی برکات آبادی (بھنگل چور) بہار (مہنامہ "طلوع افکار" کراچی مارچ ۱۹۹۰ء)

ہم کہاں کے دانشور ہیں یہ اور بات کہ ہر جگہ داستانیں بکھری پڑی ہیں، مجھ میں سینے کا سلیقہ نہیں ہے۔ تاہم میں کچھ مواد آپ کے لئے مرتب کرنے کے ارادے باندھ رہا ہوں یہ دیکھ کر کہ آپ گلی لپٹی رکھے بغیر کہ سن بھی لیتے ہیں اور کسی قطع و برید کے بغیر چھاپ بھی دیتے ہیں۔ یہ کمال اردو دنیا میں کم ہی دیکھنے میں آیا ہے۔ "طلوع افکار" مارچ ۱۹۹۰ء کا بے حد شکریہ۔

(۲)

میں "طلوع افکار" کے لئے لطیف الزماں خاں کے دو درجن خطوں کی ترسیب کی دامن میں ہوں، میری مراسلت ڈرامہ فاروقی سے بھی ہے، کچھ باتیں بہر حال یک جا ہو جائیں گی مزے مزے کی۔ [سید انیس شاہ جیلانی، مہنامہ "طلوع افکار" کراچی مئی ۱۹۹۰ء]

آپ کا دوسرا خط بھی مل گیا تھا مگر مجھے آپ نے "جواب آں غزل" کے لئے دوڑا رکھا تھا، اس کمزور کام میں بارہ دن صرف ہو گئے، اب عذاب و ثواب سب آپ کی گردن پر۔ اسے چڑھئے اور اذروئے انصاف اپنی رائے لکھیے، منتظر رہوں گا، ایک زحمت اور دوں گا مجھے "طلوع افکار" کا پتا معلوم نہیں آپ اس مضمون کی xerox کاپی اپنے پاس رکھ

لیں اور یہ مسودہ بطور انکار کو بھیج دیں، خبر نہیں کہ وہ اسے چھاپیں گے یا نہیں، اگر چھاپ دیں تو ان سے کہئے کہ ایک کاپی مجھے بے چارے پر بھیج دیں۔

[نثار احمد فاروقی صاحب انیس ۱۳۳۱ جون ۱۹۹۰ء اس خط کے ساتھ فاروقی صاحب کا مضمون ”دیوان غالب بخت غالب“ (زوداد اشاعت) بھی وصول ہوا اس کی اطلاع میں نے حسین انجم صاحب کو دی لیکن کوئی رسید نہ آئی، یہ مضمون فاروقی صاحب نے ہندوستان میں اشاعت کے لئے دے دیا وہاں سے ”طلوع انکار“ میں نقل ہوا، انیس ۱۹۹۰ نومبر ۱۹۹۰ء محمد آباد]

نثار احمد فاروقی

دیوان غالب بخت غالب

زوداد اشاعت

”طلوع انکار“ کے مارچ اپریل ۱۹۷۰ء کے شمارہ میں جناب لطیف اثر ماں خاں کا مضمون ”دیوان غالب بخت غالب“ (زوداد اشاعت) کیا شائع ہوا کہ قارئین کے خطوط کا تاحاً بندھ گیا اور یہ سلسلہ عرصے تک جاری رہا۔ اور ہندوستان میں یہ مضمون شان ہند (دہلی) اور کوہسار (بھاگل پور) نے نقل کیا۔ اس طرح عرصے تک اس کی گونج سنائی دیتی رہی۔ اب تقریباً سوا سال کے سکوت کے بعد اس مضمون کے حوالہ سے نثار احمد فاروقی صاحب کا جواب مضمون کتاب نما (دہلی) کے اگست ۱۹۰ء کے شمارہ میں شائع ہوا ہے اور کیونکہ

”کنکل مبدا الیہ و جہان“

اس لئے ہم اسے کتاب نما کے شکریہ کے ساتھ اپنے قارئین کے لئے نقل کر رہے ہیں۔ یہ

یہ صفحات پر محیط پہلی قسط ہے ج

بستہ ام در علم گیسوئے تو امید دراز

ہمارے نزدیک یہ دونوں صاحبان بہت محترم ہیں اور ہم سمجھتے ہیں کہ ۔

نکتہ ہارفت و شکایت کس ندید

جانب حرمت فرو نہ گزاشتم

(حسین انجم)

الجمعا ہے پاؤ یار کا زلف دراز میں

لو آپ اپنے دام میں سیاد آ گیا

مارچ اپریل ۱۹۸۹ء کے رسالہ ”طلوع افکار“ (کراچی) میں محترم لطیف الزماں خاں

صاحب کا مضمون ”دیوان غالب بنظر غالب“ دروداد اشاعت“ شائع ہوا۔ اسے دہلی کے

ایک رسالے ”شان ہند“ کے علاوہ ”کوساز“ (بھاگل پور) نے بھی وہاں سے نقل کیا۔

اسے پڑھ کر کچھ حاسدوں کے من میں تولد و پھولے اور دوستوں نے شرما حضوری میں مجھ

سے تذکرہ تک نہیں کیا۔ بعض اسباب نے کہا بھی تو میں نے اسے نہ پڑھنا ہی مناسب

سمجھا۔ دراصل میرے دوستوں کو جو مجھے جانتے ہیں میرے بیان مقامی کی ضرورت ہی

نہیں۔ اور دشمنوں کو میری بات پر یقین کیوں آنے کا شاس لئے میں نے ”کھنڈہ کھنڈہ

بودہ“ پر عمل کرنا چاہا۔ اور یہ نیت کر لی کہ شاس مضمون کو کھوج کر پڑھوں کا شاس پر کچھ کھوں

گا۔ اس کا سبب یہ کہ لطیف الزماں صاحب سے کئی برس تک دوستانہ مراسلت رہی ہے اور

جس زمانے میں دیوان غالب بنظر غالب در یافت ہوا ہے اس وقت تو شاید ہر ماہ ۸-۱۰

خطوں کا تبادلہ ہوتا تھا۔ جس شخص کو دس بارہ برس تک دوست سمجھا ہو اس کے خلاف دشمنی

یا تو ہیں و تحقیر کے الفاظ میرے قلم سے نہیں نکل سکتے۔ اسی دیوان غالب کے سلسلے میں

جناب اکبر علی خاں عرشی زادہ نے میرے خلاف یہاں محاذ بنایا تھا۔ سچے ماہ یک اوردو انگریزی اخباروں میں فرضی ناموں سے مضامین، مراسلات اور خبریں شائع کراتے رہے اور حکومت ہند کے مختلف محکموں کو (جو جرائم کی تحقیق کرتے ہیں) میرے خلاف متعدد درخواستیں بھجوائیں۔ تین بار پارلیمنٹ میں سوال کرائے۔ رام پور کے اخبار ”قومی جنگ“ کا تین چار صفحات کا ضمیمہ میرے خلاف لکھوا دیا جس میں یہ تھا کہ میں اسمگلر ہوں، پاکستان کا جاسوس ہوں، وہاں میری لاکھوں کی جائیداد بن گئی ہے وغیرہ۔ وہ زمانہ بنگلہ دیش کی تحریک کے شباب کا تھا، دونوں ملکوں کے تعلقات خست کشیدہ تھے اس لئے مجھے مجبور ہو کر ”قومی جنگ“ پر مقدمہ دائر کرنا پڑا جو دوڑا حائی سال تک چلتا رہا۔ اس دور میں (۱۹۷۰ء۔ ۱۹۷۱ء) ان حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے مجھے جس دہشتی کرب اور افسوس سے گزرنا پڑا اس کیفیت کو اب میں زندہ کر کے نہیں دکھا سکتا۔ مجھے یقین ہے کہ میرے سوا کوئی اور ہوتا تو وہ ان تابزداد توڑخلوں کی تاب نہیں لاسکتا تھا۔ مگر میں نے کبھی اکبر علی خاں کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں چھپوایا نہ کہیں ان کی شکایت لکھ کر بھیجی۔ (نئی خلوں میں کسی کو کچھ لکھا ہو تو اور بات ہے) میں آج بھی قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ ان کے طرز عمل کا مجھے افسوس ضرور رہے گا مگر ان سے نفرت یا کینہ میرے دل میں نہیں ہے (اس پر میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں)۔

اسی طرح اب میرے کرم فرما لطف الزماں خاں صاحب نے محاذ بنایا تو مجھے بہت رنج ہوا مگر الحمد للہ نفرت یا کینہ ان سے بھی نہیں ہے۔

شہد است سید ظہوری پڑ از محبت یار

برائے کینہ اخبار و دلم جاہلیست

دو ماہ قبل محترم سید انیس شاہ جیلانی (محمد آباد پاکستان) نے اپنے خط میں اس مضمون کا ذکر کیا تو میں نے انہیں لکھا کہ میں نے وہ مضمون نہیں پڑھا اور پڑھتا بھی نہیں جانتا۔ میں نے لطف الزماں خاں صاحب کو معاف کیا اور میری دعا ہے کہ اللہ بھی ان سے

مواخذہ نہ کرے:

ہر کہ مارا یار بھڑو ایڑو آو مارا یار باو وانگہ مارا رنجہ داہو راجھس ہسار باو
ہر کہ آو خارے نہد در داو مارا و دشمنی ہر کچے کن باغ عمرش بھگتد بے خار باو
(ترجمہ: جو ہمارا دوست نہیں! اللہ اس کا دلی ہو جو ہمیں رنج دے اُسے بہت سی راجھس
نصیب ہوں۔ جو دشمنی سے ہمارے راستے میں کانٹے بچائے اُس کے باغ زندگی میں ایسے پھول نکلیں
جن میں کاغذ ہو)

انہیں صاحب نے لکھا کہ ”مجھے یہ سادھو سنتوں کی سی باتیں ایک آنکھ نہیں بھاتیں
اور حقائق کے اظہار میں کوئی دشواری بھی نہیں ہونی چاہئے میں آپ کو اُس مضمون کا عکس
بھیجوں گا“ پھر انہوں نے اپنے ۱۲۳۰ اپریل ۱۹۹۰ء کے خط کے ساتھ ”مطلوبہ افکار“ میں چھپے
مضمون کی زیر کس کا پی ڈاک سے بھیج دی۔ میں نے وہ لحاظ رکھ لے بغیر میری دراز میں رکھ
دیا اور اپنے دوسرے کاموں میں مشغول ہو گیا۔ ۱۸ جون ۱۹۹۰ء کو یہ خیال آیا کہ ممکن ہے
اس لحاظ میں انہیں صاحب کا خط بھی ہو اور انہوں نے کوئی جواب طلب بات لکھی ہو۔
چنانچہ اسے کھولا تو لامحالہ مضمون بھی پڑھا اور مجھے ایسا محسوس ہوا کہ جن لطیف الزماں خاں
صاحب سے میں واقف تھا وہ کوئی اور صاحب تھے یہ کسی دوسری ہی شخصیت کا لکھا ہوا ہے۔
اس میں اتنی اور ایسی غلط بیانیوں کی گئی ہیں کہ میں مستحضر رہ گیا آخر کس بات کی تردید
کروں؟

”دیوان غالب“ کے بارے میں سب سے زیادہ مفصل اور مستحق مطلوب بات خود
لطیف صاحب ہی کو ہونی چاہئے تھیں مگر یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ انہوں نے تعصب، نفرت
اور جذبہ کد راجھی سے مجبور ہو کر ان حقائق کا چہرہ بھی منہ نہ کر دیا ہے جن میں وہ خود ایک اہم
کردار ہے ہیں۔ دیوان غالب بخظ غالب میری نگاہ افکار کا طرہ نہیں ہے میرے پاس کام
کرنے کے لئے دنیا کے بہت سے اہم موضوعات ہیں جن پر ایک طائرانہ نگاہ بھی ڈالنا

ہوں تو عمر گریز اس کی فرصت چٹک برق سے زیادہ نظر نہیں آتی۔ میں نے لطیف صاحب کو لکھا تھا کہ یہ دیوان غالب آپ اپنے نام سے شائع کر لیں مجھے خوشی ہوگی (اس کا حوالہ انہوں نے اپنے مضمون میں بھی دیا ہے مگر اس وقت انہوں نے کسر نفی کا مظاہرہ کیا اگر وہ از راہ دوستی مجھے یہ لکھتے کہ اسے طفیل صاحب کو دینے کا کریڈٹ وہ اپنے لئے رکھنا چاہتے ہیں تو دلوں کے عہد جاسنے والا گواہ ہے کہ میں اس کا کریڈٹ ان کے لئے چھوڑ دیتا۔ انہیں حقائق کو توڑ مروڑ کر اسے مضامین لکھنے اور اپنے دل کو نفرت و کدورت کا حزیلہ بنانے کی ضرورت ہی پیش نہ آتی۔ کراچی میں بعض احباب نے مجھ سے ملنے کے لیے جلسہ کیا تو وہاں یہ خواہش بھی کی کہ میں دیوان غالب بظہر غالب کی کہانی بیان کروں۔ اس سارے قضیے میں میری کامیابی کے دو اہم نکتے ہیں: ایک تو یہ کہ میں نے اس سے مالی منفعت حاصل کرنے کا لالچ نہیں کیا میں نے اس دیوان کے معاوضے یا رملتی کے نام پر محمد طفیل مرحوم سے ایک پیسہ بھی نہیں لیا اور ان سے یہ کہا تھا کہ جب کبھی توفیق احمد راہ راست پر آ جائیں اور ان کا لاہور آنا ہو تو آپ جو مناسب سمجھیں انہیں دے دیجئے گا۔ اور مارچ ۱۹۹۰ء کو توفیق احمد پہلی بار لاہور گئے۔ میں نے عزیزم جاوید طفیل کو لکھا کہ میری طفیل صاحب سے یہ گفتگو ہوئی تھی اب آپ جس طرح سوچیں وہ کریں۔ جاوید میں خدا کے فضل سے محمد طفیل مرحوم کی ساری خوبیاں موجود ہیں بلکہ ایک دو صفات زائد بھی ہیں انہوں نے توفیق احمد سے ایسا سلوک کیا کہ وہ خوش ہو کر واپس آئے اور جاوید کی تعریف کرتے ہیں۔ مگر لطیف صاحب انہیں اب تک یہی گھر رہے ہیں کہ تمہیں سب سے پہلے ثار احمد فاروقی نے دھوکا دیا اور لوٹ لیا۔ توفیق احمد مجھ سے ہی نہیں میرے خاندان سے بھی واقف ہیں وہ ان کی باتوں کا کیسے یقین کرتے؟

دوسرا نکتہ یہ کہ میں نے اس قضیے میں نہ کبھی جھوٹ بولا نہ بناوٹ ہے کام لیا اور تحقیق کرنے والے سرکاری اداروں سے بھی وہی بات بیان کی جو سچی تھی۔ مجھے تحقیق کا

ایک افسر تو مجھ سے یہ کہہ کر گیا کہ ”فلاں شخص کتنا بھونڈا آدمی ہے میں ایسی رپورٹ لکھوں گا کہ یہ فائل ہمیشہ کے لئے بند ہو جائے۔“

مجھے کبھی یہ وہم بھی نہ ہوا کہ ان سیدھی سچی باتوں کا کسی شخص پر کوئی منفی اثر ہو رہا ہے۔ کراچی کے جلسوں میں بھی حسبِ عادت میں نے سیدھی سادی کہانی بغیر تنک مرچ لگائے بیان کر دی، لطیف صاحب کو اس کی اطلاع اخباروں سے یا کسی اور ذریعہ سے ملی تو انہوں نے کسی سے اپنے غم و غصے کا اظہار کیا مگر مجھے کچھ نہیں لکھا جو میں آئندہ احتیاط کرتا۔ صرف ایک بار اتنا لکھا تھا کہ ”مجھے کوئی بھونڈا ثابت نہیں کر سکتا“ اب جب کہ اس کہانی کے بعض اہم حصے طاق نسیاں کا گلدستہ بن چکے اور کئی اہم کردار (خصوصاً میرے دوست محمد ظفیر ایڈیٹر نقوش) اس دنیا میں نہیں رہے تو لطیف صاحب نے ایک نئی داستان گمز کر اسے روٹق اور احمد کے ساتھ سنائی ہے کہ قلعہ نیانی کے لئے اس سے زیادہ بڑا احمد اور مضبوط موقف اختیار نہیں کیا جاسکتا۔ وہ یہ سمجھ رہے ہیں کہ:

دہرائی جا سکے گی نہ اب داستان عشق

کچھ وہ کہیں سے بھول چکے ہیں کہیں سے ہم

میں نے ابھی عرض کیا کہ دیوان غالب میرے لئے کوئی طرزِ فاعلمار نہیں ہے ورنہ میں لطیف صاحب کو ان کے نام سے چھاپ لینے کی پیشکش کیوں کرتا؟ وہ تو اس وقت ”مقطع میں سخن مسترانہ بات“ آپڑی تھی اور وقار کا مسئلہ بن گیا تھا اس لئے میں نے اتنی دلچسپی لی تھی۔ مگر اکبر علی صاحب کا رویہ دوستانہ رہتا۔ تو شاید یہ دیوان وہی شائع کرتے مگر انہوں نے بھی مجھ پر اصرار نہ کیا اور اپنی روشنی ملیج پر ضرورت سے زیادہ مجھوسا کر کے اپنا کام بگاڑ لیا۔ اس ساری زور و لو کا میں نے کوئی ریکارڈ بھی محفوظ نہیں رکھا۔ کچھ تھا تو وہ بعض ایسے دوستوں کو دے دیا جنہوں نے اس دیوان کی کہانی کا ارادہ ظاہر کیا۔ مجھ سے ایک آدمی ہار لوگوں نے کچھ تفصیل معلوم کی تو میں اب بہت سی باتیں فراموش کر چکا تھا اور یہ بھی یاد نہ رہا

تھا کہ وہ دیوان کیسے سمجھا گیا تھا لطیف صاحب کا بہت ممنون ہوں کہ انہوں نے مجھے پھر کھوجنے پر لگا دیا اور میرا نقطہ تازہ کر دیا۔

لطیف صاحب کے مضمون میں اگر صرف اتنا ہی دعویٰ ہوتا کہ محمد طفیل مرحوم کو ”دیوان غالب بنظر غالب“ کا عکس انہوں نے فراہم کر کے دیا تھا تو میں اب بھی ان کی تردید میں قلم نہ اٹھاتا۔ میں ان کی افتاد طبع سے کسی حد تک واقف ہوں اور جانتا ہوں کہ میں اگر خلاف کعبہ اوڑھ کر اور عرش و کرسی کے سامنے کھڑے ہو کر قسم کھاؤں کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ صحیح ہے تو وہ ہرگز تسلیم نہ کریں گے اور مزید جھگڑے وار شروع کر دیں گے۔ انہوں نے میری کردار کشی کے لئے اتنا صریح اور سفید جھوٹ بولا کہ میں ماضی کے کہاڑے خانہ کو کھنگالنے پر مجبور ہو گیا۔ اس میں ابھی بہت کچھ دفن پڑا ہے مگر جتنا سواد ہاتھ آیا وہ ایسا تھا کہ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے میں اپنے قلم سے ان کے خلاف کچھ لکھنے کے تکلیف دہ اور کمزور کام سے بچ گیا۔ انہوں نے خود ہی اپنی تردید ایسی کر دی کہ میں ایڑی چوٹی کا زور لگا کر بھی ذکر پاتا اور ان کے طفیل میں ”دیوان غالب بنظر غالب“ کی صحیح زوداد اشاعت بھی سامنے آگئی جس کے لئے وہ ہم سب کے شکر ہے کے مستحق ہیں۔ اب یہاں جو کچھ لکھا جائے گا وہ سب لطیف اثر ماں خاں صاحب ہی کے الفاظ ہیں مجھے کچھ عرض کرنا ہوگا تو چاہئے میں لکھوں گا۔

مناسب ہوگا کہ میری جگہ خود لطیف صاحب کی یہ تحریریں پڑھنے سے پہلے ان کا وہ طویل مضمون ایک بار پھر پڑھ لیا جائے جو پہلے ”طلوع افکار“ (کراچی) میں پھر شان بہند (دہلی) اور کو سار (بھانگل پور) میں چھپا تھا میں سارا مضمون یہاں نہیں دہرا سکتا چنانچہ ہم نکتے انتخاب کر کے ابتداء میں درج کرتا ہوں جس سے ظاہر ہو جائے کہ انہوں نے مجھ پر کیسے الزام تراشی ہیں جو کسی ایسے شخص کو ذریعہ نہیں دیتے جس کا تعلق ایک تعلیم و تربیت کے ادارے سے رہا ہو۔ اگر یہ الزامات خود ان کی تحریروں سے ہی غلط ثابت ہو جائیں تو جو

باتیں رہ جائیں گی ان کی صحت بھی خود بخود مشکوک ہو جاتی ہے۔ اگر لطیف صاحب نے کوئی نیا لطیفہ چھوڑا تو ابھی فقیر کی ذخیل خالی نہیں ہوئی ہے۔

لطیف الزماں صاحب کے مضمون سے چند اہم تحقیقات

(۱) میں نے خط پڑھ کر کہا ”یار طفیل صاحب — بتائیے اس خط کو میں آپ کو یہ دیوان فراہم کروں گا۔ میں نے طفیل صاحب سے پوچھا: آپ نے غار احمد فاروقی کو کیوں نہیں لکھا، وہ تو آپ کے زیادہ قریب ہیں؟“ کہنے لگے: وہ صرف روپے کے قریب ہے۔ اُسے صرف روپے سے پیار ہے نہ کسی انسان سے نہ کسی اور چیز سے یہ طالب علم تھا کسی لائبریری میں کلرک تھا میں نے غریب جان کر اس کی مالی مدد کی، لیکن مجھے بہت بعد میں اعزازہ ہوا کہ وہ انتہائی حریص انسان ہے۔“^(۱)

(۲) میں نے اپنے ایک عزیز کو جو علی گڑھ میں مقیم تھے لکھا کہ وہ میرے لئے دیوان

۱۔ محمد طفیل مرحوم سے لطیف صاحب کا تعارف میں نے کر لیا تھا اور یہ پہلی بار ۱۱۶ اکتوبر ۱۹۶۷ء کو ان سے ملے تھے۔ لطیف صاحب نے ”کلرک“ حقیر کے لئے کہا ہے میرے نزدیک یہ کوئی شک و غار والی بات نہیں۔ میں نے ۱۹۶۶ء میں اپنی ملازمت سے استعفا دے کر ایم اے (عربی) میں داخلہ لیا تو محمد طفیل نے میری طلب کے بغیر دو سال تک مجھے سو روپے ماہانہ بھجوائے۔ میں ان کا ممنون کرم تھا اسی لئے کبھی کسی مضمون یا کسی خدمت کے لئے ان سے معاوضہ طلب کرنے کا مجھے خیال بھی نہیں آیا۔ بس اتنا ہوا کہ دو ہاتھ کے سوا میں پاکستان میں ان کا سہارا ہوتا تھا اور وہ مرحوم میرا بانی کا حق ادا کر دیتے تھے۔ طفیل صاحب کے سوا اور کسی سے ایسی رائے کبھی ظاہر نہیں کی وہ مجھے ”انتہائی حریص انسان“ سمجھتے ہیں۔ اور میں یہ بھی کہوں گا کہ اس مرحوم نے میری کسی لڑائی کو نہ دیکھی نہیں کیا خواہ وہ کسی دوسرے کے لئے ہو۔ اس کی متعدد مثالیں دے سکتا ہوں ان کی اس محبت کا پانڈا تھا کہ لوگ سمجھتے تھے ”غوث“ میرا ہی رسالہ ہے۔ اور اس میں تو شک نہیں کہ ادبی دنیا میں سب سے پہلے مجھے ”غوث“ نے روشناس کیا۔

غالب بخط غالب خرید لیں۔ میرے تاجر پیشہ عزیز نے سوچا کہ غالب کا دیوان تو مجھے آنے میں ملتا ہے مجھے ہزار میں کیوں خریدا جائے؟ انہوں نے نہ خریدا اور وقت گزرتا رہا۔ مجھے جب یہ معلوم ہوا کہ میرے عزیز نے ”دیوان غالب بخط غالب“ نہیں خریدا تو میں نے انہیں سخت اور دُشست لہجے میں خط لکھا۔ وہ دقتی گئے تین دن کی تلاش و جستجو کے بعد وہ اس شخص کے پاس پہنچ گئے جس سے اکبر علی خاں نے وہ دیوان غالب کے فوٹو اسٹیٹ بنوائے تھے اور اسے ایک پیسہ نہیں دیا تھا۔ فوٹو گرافر کو اخبارات سے یہ علم ہو گیا تھا کہ یہ قیمتی چیز ہے اس نے تربیٹھ (۶۳) صفحات کے فوٹو اسٹیٹ رکھ لئے ان صفحات کو میرے عزیز نے منہ ماتھے داسوں خریدا اور ایک بڑی ہلکی کے ہمراہ مجھے بھیج دیا۔

(۳) جب فوٹو اسٹیٹ مجھے ملے تو میں انہیں لے کر لاہور پہنچا لیکن طفیل صاحب کسی کام سے اسلام آباد آگئے ہوئے تھے۔ میں یونیورسٹی اور نیشنل کالج لاہور سید سجاد ہاؤس قراقرظ رضوی صاحب سے ملنے چلا گیا وہاں ڈاکٹر فرمان فتح پوری بھی تشریف فرما تھے۔ میں نے ”دیوان غالب بخط غالب“ کی فوٹو اسٹیٹ کا بیاں دکھلائیں۔ ان سے کہا کہ میں نے طفیل صاحب سے وعدہ کیا ہے کہ میں یہ دیوان فراہم کروں گا، وہی اسے شائع کریں گے۔

(۴) میں نے دوسرے دن طفیل صاحب کو ٹیلیفون کیا ”اور اطلاع دی کہ جس چیز کی آپ کو تلاش تھی وہ آگئی ہے۔ طفیل صاحب تشریف لے آئے۔ میں نے بعض احباب کو مدعو کیا۔ چاروں حضرات کی موجودگی میں وہ لغافو ان کے سامنے رکھ دیا۔ جس میں فوٹو اسٹیٹ تھے۔ تھوڑی دیر جب بنو روکیہ چکے تو بولے: ”آپ دس ہزار روپے لے لیجئے۔“ میں نے کہا: طفیل صاحب آپ نے میرا دل دکھایا ہے اگر دس ہزار روپے خرچ کرنا چاہتے ہیں تو پھر دلی سے منگائیے۔ اور اگر یاری ہے تو لے جائیے۔“

(۵) خط شکست پڑھے گا کون؟ طفیل صاحب نے پوچھا۔ میں نے کہا: اس کو میں غرض خط لکھ دوں گا آپ لاہور پہنچ کر اس کی اشاعت کا انتظام کیجئے۔

(۶) ایک دن طفیل صاحب کا ٹیلیفون آیا کہ وہ ”علاش غالب“ میں شامل ”دیوان غالب بظہر غالب“ کی دریافت کی کہانی نقوش کے اس شمارے میں چھاپنا چاہتے ہیں۔ ظاہر ہے نثار احمد فاروقی نے یہ مشورہ انہیں دیا ہوگا ورنہ طفیل صاحب کے علم میں یہ بات نہ تھی کہ ”علاش غالب“ میں چھپا رہا تھا اور یہ کہ دریافت کی کہانی فاروقی بھیج چکے ہیں۔ معلوم ہو کہ فاروقی نے یہ درخواست کی ہے کہ ان کا مضمون نقوش میں ضرور شامل کیا جائے۔ نیز یہ کہ وہ پورے دیوان کے حواشی لکھ چکے ہیں وہ بھی شامل اشاعت ہوں۔

(۷) نثار احمد فاروقی بڑے باکمال انسان ہیں۔ جب انہیں معلوم ہو گیا کہ دیوان کے فوٹو اسٹیٹ طفیل صاحب کو مل گئے ہیں تو ایک جاب انہوں نے اپنا مضمون ”دیوان غالب بظہر غالب“ نقوش امروہہ اور حوالے و حواشی کی نقوش میں اشاعت کے لئے طفیل صاحب کو آمادہ کر لیا دوسری جانب مجھ پر بھی کرم فرمایا۔

(۸) میرا خیال ہے کہ جو بھی سرمایہ کسی بھی شکل میں طفیل صاحب کے پاس اس زمانے میں موجود تھا اگر وہ سب کا سب اکبر علی خاں کو دیدے تب بھی شرائط پوری نہیں کر سکتے تھے۔ میں نے کہا آپ دیوان غالب بظہر غالب شائع کیجئے۔ تمام تر ذمے داری میری ہے؟

(۹) طفیل صاحب نقوش غالب نمبر حصہ دوم نو دریافت ”یا خاں غالب بظہر غالب“ شمارہ نمبر ۱۱۳ اکتوبر ۱۹۶۹ء میں شائع کر چکے تھے۔ ایک روز نثار احمد فاروقی کے چچا ابراہیم احمد فاروقی صاحب کا خط پہنچا کہ لاہور آؤ۔ یہ اکتوبر ۱۹۶۹ء کا آخری ہفتہ تھا۔ ابراہیم احمد فاروقی صاحب نے۔۔۔ دیوان غالب بظہر غالب کے فوٹو اسٹیٹ اور ایک فلاسک میرے سپرد کیے۔ نثار احمد فاروقی نے لکھا تھا: ”اے آپ اپنے نام سے شائع کیجئے مجھے خوشی ہوگی۔“ جو جال وہ بچہ ہے تھے میں اس سے بے خبر تھا۔

(۱۰) ۱۵ جون ۱۹۷۰ء کو زندگی میں پہلی بار نثار احمد فاروقی سے طفیل صاحب کے گھر، لاہور، حضرت فاروقی ثابت کر رہے تھے کہ اکبر علی خاں ایک سازشی انسان ہے اور یہ کہ انہوں

نے توفیق احمد کو دھوکا دیا۔ انہوں نے یہ نہیں بتایا کہ غردانہوں نے جو فوٹو اسٹیٹ حاصل کئے کیا توفیق احمد کی اجازت تھی؟ نتیجہً ڈرامہ قاروتی نے توفیق احمد کو پہلے دھوکا دیا پھر اکبر علی خاں نے۔

(۱۱) ۱۲۲ جولائی ۱۹۹۷ء کو طفیل صاحب نے تین سو شعراء لوہاء اور اداروں کی ایک فہرست بنائی تب مجھے معلوم ہوا کہ نقوش کا شمار نمبر ۱۱۳ جس میں بیاض غالب بخط غالب شائع ہوئی ہندوستان بھیج رہے ہیں۔ طفیل صاحب نے فہرست حوالے کرتے ہوئے کہا: پچاس نئے تمہارے ہیں اس فہرست میں جن دوستوں اور اداروں کے نام ہیں ایک ایک نسخہ انہیں پہنچا دینا۔

(۱۲) طفیل صاحب نے کہا: تم نے حواشی لکھے یہ پانچ ہزار تمہاری محنت اور مضمون کا معاوضہ ہے۔ توفیق احمد ایک غریب آدمی ہے اس نے ابتداء میں دیوان غالب کی قیمت مجھے ہزار طلب کی تھی یہ مجھے اسے دے دینا۔ مجھے ایک قرض بھی ادا کرنا ہے جب میں خطوط نمبر شائع کروں گا تو مالک رام صاحب نے مجھے خطوط پیسے تجھے انہیں کچھ رقم دینی ہے^۱ مگر انہوں نے طلب نہیں کی پھر بھی یہ آٹھ ہزار روپے مالک رام صاحب کو دے دینا۔ اسی ہزار روپے طفیل مرحوم نے میری اور بھائی جان کی موجودگی میں دیے۔^(۱)

۱۔ لطیف صاحب نے جو بزم اپنے طفیل میں سہائی ہے اس میں بلاشبہ بھائی جان کو شریک کر لیا ان کے سامنے بھی ۱۹ پیسے کا بھی لین دین نہیں ہوا اور طفیل صاحب بھی کیسی ادانگی کر رہے تھے کہ کسی دوسرے ذریعے سے توفیق احمد کو کھانا نہ مالک رام صاحب کو اطلاع دی۔ اب میں برس کے بعد لطیف صاحب کو اطلاع دی۔ اب میں برس کے بعد لطیف صاحب اس کے بھتی شاہد بن رہے ہیں۔ اس کے باوجود کہ لطیف صاحب نے دہلی میں انہیں یہ اطلاع دی کہ مالک رام صاحب نے کھانا خانا تو کھا بھی نہ مجھ سے بچا نہ کسی سے اس بھائی کی ملازمت کی اسی سے ظاہر ہے کہ انہوں نے لطیف صاحب کی جیہٹا شہرہ لگے سولہ

(۱۳) جمہوریہ ۱۳ جولائی ۱۹۷۵ء (کذا) کو میں طفیل صاحب اور غلام احمد فاروقی گنڈا سنگھ

گزشتہ سے پچھتہ عاصیہ

ہاتوں کو پٹیل سے زیادہ نہیں سمجھا اور نہ آٹھ ہزار ایسی معمولی رقم نہ جی کہ اس پر خاموشی سے صبر کر لیا جائے۔ ۱۹۷۰ء کے آٹھ ہزار تو آج کے اسی ہزار سے زیادہ تھے۔ "عاشی غالب" میں نے اشاعت کے لئے لطیف صاحب کو دی تھی مگر یہ اتنی برا ملاطفتی کہ میرا سے دیکھنے کو بھی جی نہیں چاہتا نہ کسی کو دکھائی اس کے تین سو کیا تھیں نئے بھی تھے نہیں ملے۔ کتاب کو پریس کے پنگل سے جو طفیل مرحوم نے نقد اور انگلی کر کے چھڑایا "لطیف صاحب نے پوری کتاب بچھڑائی اور ایک سیرہ مجھے رائلٹی کا نہیں دیا نہ میں نے طلب کیا۔ اب میری اطلاع کے مطابق اسی سال رمضان میں اس کا دسر لائیویشن چھپا ہے۔ ۱۹۷۰ء میں کچھ کتابیں لاہور کے اداروں میں فروخت ملی تھیں، کچھ میں نے دفتر "نقوش" کے ادارہ میں سے نکالی تھیں اور بہت سی تھوڑی خریدی تھیں ان کے چار کویت ہے تھے اور میں دوسرے بارے صرف ایک کویت ساتھ لایا تھا۔ تقریباً تین سو کتابوں پر مشتمل تین کرینٹ اردو بازار انارکلی لاہور کے ایک پرانے سے مکان کی بالائی منزل پر لطیف صاحب کی تحویل میں چھوڑ آیا تھا۔ پھر ان میں سے ایک کتاب بھی مجھ تک نہ پہنچی تھی۔ وہاں کہ میں نے تین سو نقوش تین سو روپے کی جلد کے حساب سے بچھ کھائے تو لطیف صاحب نقوش کے دفتر سے وہ تین سو روپے فراہم کر دیں جنہیں نقوش بیجا گیا تھا اور میں نے نہیں پہنچایا۔ ان کے بندو بستی مزاج اسے مستعد ہیں کہ صرف تین دن کی تک دو سے ۸۵ لاکھ کی آبادی دلی میں اس فنو گرافر کا پچہ نکال سکے ہیں جس نے اکبر علی خاں کے لئے فنو اسٹیٹ چار سکے تھے۔ میری گزارش ہے کہ انہیں کے ذریعہ تین سو افراد اور اداروں میں سے صرف تین کا سراغ لگوالیں جن کے ہاتھ میں نے "نقوش" غالب نمبر ۲ تین سو روپے میں لیا ہو۔ یہ اطلاع بھی ملتا ہے کہ میں نے "رسول نمبر ۲" کے لئے دس ہزار طلب کئے تھے۔ کتابیں میں اپنے ساتھ لایا تھا۔ دس ہزار سے زیادہ کی تھیں۔ رسول نمبر ۱ میں میری تین کتابیں اور وہ مطابقت میں شامل ہیں۔ ایک بار حکومت پاکستان کا مہمان تھا اور لاہور ہٹل میں میں ٹھہرایا گیا تھا یہ تمام چند کھینے سے زیادہ ڈرہا۔ طفیل صاحب میں نے کے لئے آئے دس ہزار دے کھینے لاؤنج میں بیٹھے چائے پیتے رہے گپ کرتے رہے۔ پچھتہ انہوں نے بڑے مصوم لہجے میں کہا: "میں اب گھر چلنے" میں نے اس وقت ہوٹل کی چابیوں کا دفتر کے حوالے کر دی اور ان کے ساتھ آ گیا تھا۔

والا پہنچے۔ بڑے بڑے کریش جن میں نقوش غالب نمبر ۲ کتابیں اور حلاش غالب کے تین سو نئے ٹار احمد فاروقی نے اتنی آسانی سے سرحد کے اس پار بھجوا دیئے کہ میں اور طفیل صاحب دیکھتے رہ گئے۔ طفیل صاحب نے بڑی معنی خیز ہنسی کے ساتھ کہا: اگر دس ٹکنا کتابیں ہوتیں اور تین کروڑ روپے ہوں تب بھی ٹار احمد فاروقی بلا کھٹکے لے جائے گا۔ تم اسے نہیں جانتے۔“

(۱۳) ٹار احمد فاروقی نے ہندوستان پہنچ کر ایک نسخہ بھی کسی شخص یا ادارے کو نہیں دیا۔ تمام نئے تین سو روپے فی نسخہ کے حساب سے فروخت کر دیئے مجھے نہیں معلوم توفیق احمد صاحب کو مجھے ہزار روپے دیئے یا نہیں البتہ مالک رام صاحب کو ایک پیسہ نہیں دیا۔ اگست ۱۹۸۳ء کو میں نے مالک رام سے پوچھا: کیا آٹھ ہزار روپے ٹار احمد فاروقی نے آپ کو ادا کر دیئے؟ مالک رام صاحب نے کہا نہیں مجھے تو انہوں نے ایک پیسہ نہیں دیا۔

(۱۵) میں نے ایک دن طفیل صاحب سے پوچھا: آپ نے بیاض غالب کے فوٹو اسٹیٹ ٹار احمد فاروقی سے کیوں نہیں طلب کئے؟ کہنے لگے: ”اکبر علی خاں کا شرائط نامہ تو تم حکیم صاحب کے گھر چڑھ چکے ہو، اگر میں فاروقی کو لکھتا تو وہ اس سے سو گنا زیادہ قیمت طلب کرتا، میں تو اکبر علی خاں کی شرائط پوری نہیں کر سکتا تھا، ٹار احمد فاروقی کی شرائط کہاں سے پوری کرتا؟ تمہارے سامنے پچاس نئے نقوش کے اور پانچ ہزار نقد دیئے، مکروہ اس سے خوش نہیں ہوا، وہاں کسی کی اور وقت کام دکھائے گا۔“

(۱۶) جب طفیل صاحب ”رسول نمبر“ شائع کر رہے تھے تو انہوں نے ساڑھے چھ ہزار روپے کی کتابیں خرید کر ہوائی جہاز کے ذریعے سے دلی بھجوائیں کہ ایہ بھی خود ادا کیا، جب کتابیں دلی پہنچ گئیں۔ تو ٹار احمد فاروقی نے انہیں لکھا: دس ہزار روپے اور بھیجو تو مضمون بھیجوں گا اور کھواؤں گا، طفیل صاحب نے اس مطالبے کے بعد کبھی فاروقی سے بات کرنا

بھی پسند نہ کیا، مرحوم کو آخری لئے تک یہ لمبوس رہا کہ نقوش افکاح میں اور اداروں کو نہیں پہنچا۔
 ڈار احمد فاروقی لاہور آئے ضرور مگر قیام ہوٹل میں کیا۔

(۱۷) گیلانی صاحب اگلے وقتوں کے محقق ہیں انہوں نے سنی سنائی باتوں پر اعتبار کر لیا۔ تحقیق کرنا مناسب نہ سمجھا ایک طویل لمبرست دی ہے کہ ڈار احمد فاروقی نے وقار عظیم حمید احمد خاں شیخ محمد اکرام سلیم اختر وغیرہ سے ملاقاتوں میں اس کا ذکر نہیں کیا کہ فوٹو اسٹیٹ انہوں نے فراہم کئے ہیں۔ یہ عجیب دلیل ہے اور اس میں تو دنیا کی آبادی کے پانچ ارب انسانوں کا نام اضافہ کیا جاسکتا ہے جن سے میں نے اس کا تذکرہ نہیں کیا۔ گیلانی صاحب اگلے وقتوں کے ہوں گے مگر آپ تو ملازمین محقق ہیں آپ سے بھی کسی نے کہا ہوگا کہ رضا لاہوری میں بڑے بڑے تالے پڑے ہیں اور وہاں سے کتنے ہی مخطوطات غائب ہیں۔
 آپ نے سنی سنائی بات پر اعتبار کر لیا؟

(۱۸) کراچی میں حضرت کا قیام ایک بہت بڑے چور روکریت کے ہاں ہوتا ہے اہل غرض کو کسی نے سمجھا دیا کہ چور روکریت صاحب کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے حضرت ڈار احمد فاروقی کی دعوت کی جائے۔ اہل غرض حضرت صاحب کی آڑ میں چور روکریت صاحب کو رام کرنے لئے دھتوروں کا انتظام کرتے رہے۔

(یہ معلومات بھی ناقص ہیں۔ میں کراچی میں اپنے بھائی کا مہمان ہوتا ہوں۔ یہ اہل غرض کون ہیں؟ جہان کو رام کرنے کے لئے میری دھتوروں کا انتظام کیا کرتے ہیں: ڈاکٹر جمیل جالبی، شان الحق حقی، ڈاکٹر اسلم قرنی، جناب مشفق خواجہ، جناب حمید الدین شاہد وغیرہ۔
 لطیف صاحب نے ان حضرات کی اچھی عزت افزائی فرمائی)

(۱۹) جب انہیں یہ علم ہو گیا کہ طفیل صاحب کو فوٹو اسٹیٹ مل چکے ہیں تو اکبر علی خاں ہی کی طرح ڈار احمد فاروقی کو مایوسی ہوئی۔

(مایوسی کیوں ہوئی؟ بھول آپ کے ۱۹ ہزار تو نقد مارے گا بڑے ہزار کے تین سو

نقوش پہنچے پچاس نئے غالب نمبر ۲ کے الگ سے 'ساڑھے پچھے ہزار کی کتابیں منگوائیں۔ ایک لاکھ ساڑھے پندرہ ہزار تو بچی ہو گئے (وہ بھی ۱۹۷۰ء میں جب روپے کی قیمت آج سے دس گنی تھی) اور کیا کوہنور اور تخت طاؤس طلب کرتا یا لاہور کا پتہ کھواتا؟)

اس مضمون کی اشاعت کے بعد جولائی 'نومبر اور دسمبر ۱۹۸۹ء کے "طلوع افکار" میں لطیف صاحب اور بعض دوسرے حضرات کے خطوط بھی چھپے ہیں ان سے چند اقتباسات۔

(۲۰) میں ایک کتاب شائع کرنا چاہتا ہوں "اردو کے تین دروغ گو" اس سلسلے کی ایک کڑی تو حضرت ڈاکٹر ثار احمد فاروقی ہیں دوسرے صاحب ہیں ڈاکٹر سید مصین الرحمن تیسرے دروغ گو آل احمد سرور صاحب ہیں۔" (اکتوبر ۱۹۸۹ء)

(اس مضمون کے چھپنے کے بعد تو شاید اس تعداد میں کچھ اضافہ ناگزیر ہوگا آثار) "رشید نامی جلد ساڑھے دہائیوں کے گناہگاروں کے گناہوں کا تو مرحوم طفیل صاحب نے بھاری غالب بخار غالب کے پچاس نئے اسے دیے۔ ایک فہرست بھی بھیجی تھی طفیل صاحب نے۔ اس میں کئی نام ایسے تھے جو کات دیے مثلاً عصمت چغتائی، بھلا عصمت کو غالب سے کیا تعلق؟"

ثار احمد فاروقی آتے ہیں تو۔ پاکستان میں وہ کہیں جائیں ان کے لئے ہوائی جہاز سے آمد و رفت کا ٹکٹ منگاتے ہیں اور پھر ان کی ہر فرمائش پوری کرتے ہیں۔ کتابیں تو اب بھی ڈمیروں کے حساب سے جا دیے ساتھ کر دیتے ہیں۔

(رشید والے قصبے کی وضاحت آگے نمبر (۷۲) پر آئے گی۔ نئے (۵۰) نہیں (۲۹) جیسے تھے۔ یہ میں نے نہیں کہا کہ عصمت کو غالب سے کیا تعلق؟ یہ کہا تھا کہ جتنے نئے اس نے لاکر دیے فہرست میں سے اتنے ہی لوگوں کو منتخب کر کے میں نے بھیج دیے تھے۔ پاکستان میں صرف ایک بار جاوید نے لاہور سے کراچی کا آمد و رفت کا نہیں صرف "رفت"

کا ٹکٹ منگا کر دیا ہے۔ ایک بار میں حکومت پاکستان کا مہمان ہو کر گیا تھا ایک اور بار سارے ٹکٹ ہندوستان سے خرید کر لے گیا تھا تین بار ریل سے گیا ہوں اور وہی کے ٹکٹ محمد طفیل صاحب نے فراہم کئے ہیں۔ کتابیں تو جاوید آپ کو تکلیف پہنچانے کے لئے ساتھ کر دیئے ہیں ورنہ میرا کتاب سے کیا علاقہ؟ ہندوستان لا کر میں وہ کتابیں بیچ کھاتا ہوں۔ واقعی انسان آخرت کی زندگی سے بے نیاز ہو جائے تو کچھ بھی کہہ سکتا ہے۔

یہ لطیف الزماں خاں صاحب کے مطلوبہ مضمون اور اس سے متعلق ان کے خطوط کا ”مسطر مجموعہ“ تھا کئی باتیں طوالت کے خوف سے چھوڑ دی ہیں اگر لطیف صاحب کی تسلی نہیں ہوگی تو اسی مضمون کو ”پنچنگ کلاں“ بھی لکھا جاسکتا ہے۔

کیا لطف جو غیر پردہ کھولے ہا وہ جو سر چڑھ کر بولے
اب مندرجہ بالا الزامات کی تردید غور و لطیف الزماں صاحب کے ”خدا، حقیقت
نکار“ سے ملاحظہ فرمائیے میری حیثیت صرف ناقل کی ہے۔ اقتباسات کے آخر میں تو سین
کے اعداد عبارت میری ہے۔ تو:

جل سرے خاے ہم اللہ

(۲۱) ”وید و دریافت“ کو میں نے ابھی ختم نہیں کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ ابھی کتاب اگر
جلد ختم ہو جائے تو پھر اس کے لطف سے محروم ہونا پڑتا ہے۔ ایک بات اور پوچھنا چاہتا ہوں
امید ہے کہ آپ برائے نامیں کے کتاب کو کسی شخص کے نام معنون کرنے کا میعار (کذا) کیا
ہونا چاہیے؟ اس کا علم اس کی خدمات؟ ذاتی لگاؤ دوستی ذاتی رفاقت۔“

[مکتوب ۱۲۵ (۱۹۶۸ء)]

(”وید و دریافت“ میرے مضامین کا مجموعہ ہے، جو ۱۹۶۳ء میں دہلی سے شائع

ہوا تھا اس کا اقتساب محمد طفیل (ایلے پرنٹرز) کے نام تھا۔)

(۲۲) ڈاکٹر سید عبداللہ نے تو یہ غضب اُٹھایا کہ ایک جانب مرزا ادیب۔ جیسے کٹر

انسان سے مقدمہ لکھوایا حلالاں کر انہیں اس کی ضرورت نہ تھی۔ پھر جو باتیں وہ خود برعائے مصلحت صاف صاف نہیں کہنا چاہتے تھے اس کے لئے ڈاکٹر وحید قریشی کو منتخب کیا وحید قریشی صاحب کی تنقید کا مرکزی نقطہ پیدائش اور موت ہے لیکن اس تحقیق کے بعد دوسرا کام وہ صرف یہ کرتے ہیں کہ اپنی انتہا پسند طبیعت سے مجبور ہو کر باپ و دادا کو گالی دیتے ہیں۔ اگر ڈاکٹر صاحب سے پوچھا جائے تو وہ یہی کہیں گے کہ انہوں نے اپنی بات بڑے ہی اعتماد سے کہی ہے۔ لیکن اگر ایک شخص بڑے ہی بڑا اعتماد لے لے میں دروغ گوئی کرے تو کیا اس دروغ گوئی کا اعتراف ممکن ہے؟ بعض حضرات بڑے ہی (Confidence) کے ساتھ جھوٹ بولتے ہیں۔“ [مکتوب ۱۴۳ مارچ ۱۹۶۸ء]

ڈاکٹر سید عبداللہ مرحوم کی کس کتاب پر تبصرہ ہو رہا ہے سر دست بتانے سے قاصر ہوں۔ مگر یہ عرض کرنا ہے کہ دروغ گوئی کا اعتراف شخصیت کو مذہب نظر رکھ کر ہوگا۔ اگر وہ دروغ وحید قریشی کا ہوگا تو ہرگز نہ مانا جائے گا مگر لطیف الزماں خاں کا ہو تو اللہ تعالیٰ کو بھی اعلان کر دینا چاہئے کہ جھوٹ بولنا حلال ہے۔ ایک چیز جس سے مجھے ہمیشہ نفرت رہی وہ ناموسہ کی نمائش ہے۔ اس لئے میں نہیں چاہتا کہ کہیں میرا نام آئے۔

[مکتوب ۱۱۸ اپریل ۱۹۶۹ء]

(۲۳) آپ کا وہ خط جس میں آپ نے ”دیوانہ غالب“ کے اس نسخے کے بارے میں تحریر فرمایا تھا جو خود غالب کے قلم سے لکھا ہوا ہے مجھے نہیں ملا البتہ یہاں اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی کہ یہ نسخہ امرودہ میں دریافت ہوا ہے۔ امید ہے آپ دوبارہ اس کی تحصیل تحریر فرمائیں گے۔ [مکتوب ۱۳۹ اپریل ۱۹۶۹ء]

(۲۵) اللہ نے یہ کام آپ کے لئے رکھا تھا کہ غالب کا دیوان اور مکمل دیوان غالب کے قلم سے لکھا ہوا ملے اور آپ اسے ترتیب دیں۔ آپ کے ہم وطن جنہیں یہ نسخہ ملا ہے خوش قسمت ترین انسان ہیں بلکہ یوں کہئے کہ اس صدی کے وہ سب سے خوش نصیب انسان

ہیں کہ غالب کا دیوان انہیں ملا۔ یہ تو صحیح ہے کہ ان خطوط کی جتنی بھی قیمت ملے وہ کم ہے مگر معلوم تو ہو کہ آپ کے ہم وطن کو اب تک کیا پیش کیا گیا ہے؟ آپ نے لکھا ہے ”میں آپ کے لئے اس کا عکس فراہم کر کے رکھ لوں گا“۔ عکس مجھ تک پہنچے گا یا نہیں؟ لیکن آپ نے یہ جملہ لکھ کر دل خوش کر دیا۔ اگر آپ واقعی یہ احسان عظیم کر سکیں تو دیر نہ کیجئے گا۔

[مکتوب ۱۲ مئی ۱۹۶۹]

(۲۶) آپ کا آخری مضمون دیوان غالب نسخہ امرودہ اب تک نہیں پہنچا ہے۔ اس مضمون کا شدید انتظار ہے آپ نے مقدمہ کے آخر میں میرا ذکر جس محبت اور خلوص سے کیا ہے اس کے لئے شکر گزار ہوں۔ لیکن خدا کو اہ میں اس مرحلہ تک اہل نہیں ہوں جہاں آپ نے مجھے لے جا کر بخا دیا یہ تو سوچنے کی اتنی بلندی سے گر پڑا تو میری ایک ہڈی بھی سلامت نہ رہے گی۔ (ظہیر صاحب) فقرہ (کا غالب نمبر حصہ دوم) شائع کرنے والے ہیں اس میں صرف غالب کی تحریریں ہوں گی۔ آپ نے جو خط انہیں لکھا تھا اس کے حوالے سے انہوں نے یہ کہا ہے کہ اگر نسخہ امرودہ کا مکمل عکس آپ انہیں بھیج دیں تو وہ اسے اپنے غالب نمبر حصہ دوم میں شامل کر لیں گے۔ نیز وہ الگ سے بھی کمال دیوان خوب صورت اور شاندار چھاپیں گے اب یہ آپ کا اور ان کا معاملہ ہے۔ میں کچھ نہیں کہتا جو آپ مناسب سمجھیں وہی کیجئے میں نے آپ کو ایک کتاب بھیجی تھی (داستان مظیلہ) اس کتاب پر جہاں ناشر کو طباعت کا انعام ملا ہے اگر آپ پسند کریں گے تو میں دیوان غالب کو آرٹ جیپر پر انتہائی شاندار اس ادارے سے چھپواؤں گا اور ایسا کہ وہ برسوں یادگار رہے اور پھر یہ کہ ان سے راضی بھی اتنی حساب سے طے کروں گا مگر اجازت تو آپ کی دیکھ رہا ہے اگر ظہیر صاحب کو بھی آپ اجازت دے دیں گے تو کوئی حرج نہیں وہاں دوستی بھائی یہاں نہیں تھوڑا سا وقت نکال کر میں نے آج رکارڈ آفس کا بھی پتھر لگایا جمعہ کی وجہ سے زیادہ وقت نہ مل سکا چاہتا تھا کہ غالب کی عرضیاں — کچھ معلوم کروں مگر معلوم یہ ہوا کہ ظہیر اعلیٰ خود اپنے نام

سے انہیں شائع کریں گے۔ انہیں ابھی ٹھکانہ اجازت نہیں ملی لیکن میں سرنمرد کا مخطوطہ
میں نے معلوم کیا تو قدرت نقوی صاحب نے وہ سہرا اپنے سر باندھ لیا۔ چاہتا تھا کہ یہاں
قسمت آزمائی کروں سو وہ امیر صاحب نے دریائی کے فرائض چھوڑ کر ملکیت کا اعلان کر
دیا۔ ادھر آپ نے تلاش غالب کے مقدمہ میں خود مجھے بھی کچھ کرنے کا حکم دیا ہے بتائیے
اب کیا کروں؟

حقیق صاحب نے نقوش غالب نمبر کا ایک جلد کر لیا میرا نام لئے بغیر اپنے
مضمون میں میرا ذکر کر ڈالا کیونکہ میں نے انہیں سختی سے منع کیا تھا کہ میرا نام نہ آئے۔
میں نے اس لئے منع کیا تھا کہ نقوش میں میرا ذکر نہ کر ڈالیں مگر انہوں نے مضمون میں ذکر
اس طرح کیا کہ لوگوں نے بھاپ لیا۔

[۱۷-۱۶ مئی ۱۹۶۹ء کی درمیانی شب: لاہور]

اس سے ظاہر ہے کہ میں نے مئی ۱۹۶۹ء کے پہلے پتے میں یعنی دریائی غالب کی
دریافت سے ۱۵ دن کے اندر محمد حقیق کو اشارہ دے دیا تھا کہ نکس نقوش کو مل جائیں گے۔
لعیف اسے ادارہ نگارشات کتابی صورت میں چھپوانا چاہتے تھے یہ ادارہ میاں افتخار الدین
مرحوم کے صاحبزادے سکیل افتخار صاحب کا تھا۔ (۱۸)

(۲۷) دوح الہا غالب نسخہ امروہہ کے سلسلے میں اب تک جو محافت مجھ سے ہوئی ہے وہ یہ
ہے کہ ایک دو حضرات سے میں یہ کہہ چکا ہوں کہ اس کے نکس مجھے ضرور مل جائیں گے لیکن
یہ حضرات ایسے ہیں جنہیں غالب سے اتنا ہی تعلق ہے جتنا اردو کے کسی عام شاعر سے۔
میں اپنی اس غلطی کے لئے آپ سے معافی خواہ ہوں آئندہ سخت احتیاط برتوں گا۔ آپ
نے میرے لئے نسخہ امروہہ کے نکس بھیجنے کا وعدہ فرمایا ہے اس کے لئے بدلہ سے ممنون
ہوں۔ یقیناً آپ اس نادر چیز کو ڈاک سے نہ بھیجنے بلکہ کسی صاحب کے توسط سے بھیجنے۔
آپ نے مجھ پر اہتمام کیا کہ آپ نسخہ امروہہ میری نگرانی میں شائع کرانا چاہتے ہیں یقین

رکھئے کہ میں زندگی کے آخری سانس تک آپ کے اعتماد کو نہیں نہ پہنچاؤں گا۔ آپ جس قدر جلد ممکن ہو مسو وہ اور عکس خواہی مقدمہ فہرست اور اشارہ یہ فرض ہر چیز مکمل بھیجئے۔

[مکتوب ۱۲۳ مئی ۱۹۶۹]

طفیل صاحب نے مجھ سے یہ فرمایا تھا کہ آپ نے انہیں نسخہ امر وہہ کے عکس دینے پر آمادگی ظاہر کی تھی بلکہ وہ اس کو حاصل کرنے کے لئے ممکن ہے دہلی کا سفر بھی کریں۔ اگر چند قہاحتوں کی وجہ سے آپ عکس انہیں نہیں دے سکتے تو میں کچھ نہیں کہہ سکتا کہ یہ آپ کا اور طفیل صاحب کا معاملہ ہے۔ جب آپ کی کتاب "علاش غالب" شائع ہوگی اور نسخہ امر وہہ تو انہیں یہ ضرور معلوم ہو جائے گا کہ ان دونوں کی عبادت میں میرا ہاتھ ہے تو وہ یقیناً آپ سے اور مجھ سے بھی ناراض ہوں گے۔ میں تو خیر کہہ سکوں گا کہ آپ کا حکم تھا — آپ انہیں لکھ سکتے ہیں کہ یہ دیوانہ غالب چھپنے سے پہلے کہیں اور چھپ گیا تو پھر اس کی اہمیت وہ ذرہ ہے گی۔ آپ اولین فرصت میں "دیوانہ غالب بخط غالب" مضمون بھیجئے۔

[مکتوب ۱۲۳ مئی ۱۹۶۹]

(۲۸) میں نے اب تک طفیل صاحب سے اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا کہ ہاں میرے پاس بھی شاید اس نسخہ کے عکس آجائیں گے، لیکن ان کی گفتگو سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ انہیں یقین ہے کہ آپ اس نسخے کے عکس انہیں یقیناً فراہم کر دیں گے۔ اور یہاں اس کی اولیت نقوش کو حاصل ہوگی۔ میں اس سلسلے میں کچھ نہیں کہہ سکتا لیکن یہ ضرور کہوں گا کہ صاف گوئی ابھی چیز ہے۔ آپ طفیل صاحب کو لکھ سکتے ہیں کہ اس نسخے کی اہمیت کیا ہوگی اگر اسے الگ شائع کیا جائے اور اس کی حیثیت کیا رہ جائے گی اگر یہ صرف ان کے

تری نازکی سے جانا کہ بندھا تھا عہد بودا

تو اُسے نہ توڑ سکتا اگر استوار ہوتا

نمبر میں شامل کر دیا گیا۔ [مکتوب ۱۲۳ مئی ۱۹۶۹]

(۲۹) دیوان غالب بخیر غالب کے سلسلہ میں — آپ کے احکامات کی سختی سے تعمیل ہوئی آپ اطمینان رکھی رکھئے کہ کسی کو یہ نہ معلوم ہو سکے گا کہ میرے توسط سے یہ دیوان چھپ رہا ہے۔ یہ جان کر خوشی ہوئی کہ آپ نے اس کا سزاوارتہ کر لیا۔

ادارہ ”گلبرسات“ کے مالکان سے میرے ذاتی تعلقات ہیں وہ عرصہ سے مجھ سے تقاضا کرتے ہیں کہ غالب پر کوئی کتاب انہیں شائع ہونے کو دوں۔ اب خدا نے یہ موقع دیا ہے کہ ”دیوان غالب بخیر غالب“ چھپا سکوں گا۔ میں خود چاہتا ہوں کہ اس کی اشاعت میں دیر نہ ہو اور اذیت کا سہرا آپ ہی کے سر رہے۔ آپ نے بار بار تاکید کی ہے مگر میں ایک ہی بار یہ عرض کر دوں کہ میرا سبب بہت بڑا قبرستان ہے اس میں سے کوئی بات کسی کو معلوم ہو یہ کیونکر ممکن ہے؟ جب آپ کا یہ حکم ہے کہ دیوان غالب نکلے امر وہ کی طاعت صیغہ راز میں رہے تو پھر ایسا ہی ہوگا آپ کی ہدایات پر حرف بحرف عمل ہوگا۔ نکس آپ جون کے پہلے ہفتے میں بھیج رہے ہیں؟“

— میں نے طفیل صاحب سے کچھ نہیں کہا سوائے اس کے کہ شاید نکس مجھے بھی مل جائیں البتہ طفیل صاحب نے نہایت بڑے جوش انداز میں یہ فرمایا تھا کہ آپ نے انہیں انکس فراہم کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ یہی نہیں بلکہ وہ اسے حاصل کرنے کے لئے شاید دلی پہنچیں۔ یہ بات تو ان کے علم میں ہے کہ آپ کی اور میری خط و کتابت ہے البتہ انہیں نہیں معلوم کہ غالب کے دیوان کے سلسلہ میں بھی کوئی خط و کتابت ہے۔ آپ خود یہ فیصلہ کیجئے کہ آپ طفیل صاحب کو انکس فراہم کریں گے یا نہیں۔ حالانکہ طفیل صاحب کی تحریر غالب کا ایک شعر یاد دلاتی ہے:

نکالا چاہتا ہے کام کیا طعنوں سے تو غالب

تسے بے ہوش کہنے سے وہ چہ پر مہربان کیوں ہو

— مالک نکلنے جتنی بھی رعایت آپ کو دی ہے وہ کچھ کم نہیں۔ ہم یہ بھی نہیں چاہتے کہ

ان کا نقصان ہوا اصل سوز فروخت سے پہلے ہم دیوان چھپوا لینا چاہتے ہیں لیکن اسے بازار میں اس وقت پیش کیا جائے گا جب اصل سوز فروخت ہو جائے گا۔ طفیل صاحب کو یا کسی شخص کو یہ علم نہیں کہ نسخہ امرودہ یہاں میرے توسط سے پہچے گا۔ [۱۳۰ مئی ۱۹۶۹]

(۳۰) دیوان کے عکس کا شدید انتظار ہے۔ آپ طفیل صاحب کو یا ترقی مجلس (کذا) کو کیا جواب دیں گے یہ آپ جانیں میں اتنی ہی بات جانتا ہوں کہ مجھ پر جو احقاد آپ نے کیا ہے اس کو کسی قیمت پر نہیں نہ پہنچے گی۔ آپ یہ پورا مہینہ کوئی اور کام نہ کیجئے بس کسی طرح اس کے حواشی اور مقدمہ وغیرہ تحریر کر لیجئے اور جولائی کے پہلے ہفتہ تک ہر چیز مکمل مجھے بھیج دیجئے۔ [۱۳ جون ۱۹۶۹]

(۳۱) تلاشی غالب کے لئے جو دریافت فرمائیں آپ نے بھیج دی ہیں انہیں کتاب میں شامل رہنے دیجئے۔ میں آپ سے جھوٹ نہ بلوں گا میں نے واقعی کچھ لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ نو دریافت دیوان کے عکس بھی مل جائیں گے جب آپ نے یہ خوش خبری دی تھی ورنہ میری کیا مجال کہ آپ منع کریں اور میں قہقہہ نکالوں اب تو جو حواشی ہو گئی ہے اس سے دور گزر کیجئے آنکھ کے لئے دعوہ ہے۔ [۱۷ جون ۱۹۶۹]

(۳۲) فاروقی صاحب یقین کیجئے میں دوستی کے نام پر اپنی جان پر کھیلنے کو تیار ہوں بڑے بڑے الزام اپنے سر لینے کو تیار ہوں۔ مجھے اپنا جاویے۔ الفاظ نہیں میرا عمل ہی یہ بات طے کر سکے گا کہ جو اعتبار آپ نے مجھ پر کیا ہے اسے اپنی زندگی کے آخری سانس تک نہیں نہ پہنچاؤں گا۔ [۱۱ جون ۱۹۶۹]

(۳۳) ”دیوان غالب نسخہ امرودہ کے عکس“ حواشی مقدمہ وغیرہ ہر چیز مکمل صورت میں بچا جان کے ہمراہ بھیج دیجئے۔ ڈاک سے ہرگز نہ بھیجئے۔ دیوان غالب کی اشاعت یقیناً عمدہ طریقہ پر ہوگی۔ میں کوشش کروں گا کہ اب تک جتنی شرائط آپ نے مختلف خطوط میں لکھی ہیں ان کی پابندی ہو۔“ [مکتوب ۱۱ جون ۱۹۶۹]

(۳۳) آپ مجھ پر کتنا کرم کرتے ہیں عجیب بات تو یہ ہے کہ دنیا والوں نے ہمیشہ مجھے حقارت سے ٹھکرایا۔ میں نے ہمیشہ خلوص برتا، لیکن جواب میں ہمیشہ نفرت ہی ملی۔ میری زندگی میں آپ سے نصف ملاقات اپنی نوعیت کا عجیب و غریب واقعہ ہے۔ خداوند کریم آپ کو اس کا اجر دے گا۔ دیوان غالب کا ٹکس بچا جان کے ہمراہ بیچنے کا اور انہیں سختی سے ہدایت کر دیجئے کہ جب وہ لاہور پہنچ جائیں تو مجھے مطلع کر دیں میں خود جا کر ان سے سب چیزیں لے لوں گا۔ خدا سے ہمہ وقت دعا مانگتا ہوں کہ دیوان کی طاعت کا کام بخیر و خوبی ہو جائے۔ آپ نے اتنا بڑا ہمارے سر پر رکھ دیا ہے کہ میں جس کا اہل نہیں تھا۔

[مکتوب ۱۲ جن ۱۹۶۹ء]

(۳۵) میں اکثر سوچتا ہوں کہ آپ مجھ جیسے نامستقل ناکارہ اور فضول شخص کو کس قدر محبت اور خلوص سے یاد کرتے ہیں اپنی نارسائی، حماقت اور جہالت کا خیال آتا ہے تو کانپ اٹھتا ہوں۔ سوائے اس کے کیا کہوں کہ خداوند کریم ہی آپ کو اس خلوص اور محبت کا اجر دے گا۔ میں تو آپ کے لئے خواہش کے باوجود کچھ نہیں کر سکا ہوں۔

— حلاش غالب کے آخری مضمون میں جو نو دریافت کلام موجود ہے اس کی اہمیت کا مجھے بخوبی اندازہ ہے نیز یہ بھی سمجھتا ہوں کہ مالک نسو سے آپ کا جو معاہدہ ہے اسے بہر قیمت قائم رہنا چاہئے۔ اگست کے آخر اور ستمبر کے اوائل میں مخطوط فروخت ہو جائے تو بہت اچھا ہے کیونکہ انہیں ایام میں دونوں چیزیں یعنی حلاش غالب اور ”دیوان غالب“ چھپ کر تیار ہو جائے گا بشرطیکہ جولائی کے آخر تک عکس اور حواشی مع مقدمہ بھجول جائیں۔ آپ اطمینان رکھئے آپ نے مالک نسو سے جو وعدہ کیا ہے اس کا پاس ہر حال میں رکھا جائے گا۔“ [مکتوب ۱۳ جن ۱۹۶۹ء]

(۳۶) — دیوان غالب کا ٹکس ڈاک سے ہرگز نہ بھیجنے اگر کوئی صاحب اکتوبر سے پہلے تشریف لائیں تو ٹھیک ہے ورنہ بچا جان کے ہمراہ ہی بیچنے کوئی حرج نہیں۔ میں دیوان

غالب کی طباعت کا انتظام کسی نہ کسی طرح کر لی لوں گا۔ [مکتوب ۱۲ جولائی ۱۹۶۹ء]

(۳۷) تلاش غالب کی طباعت میرے اعزازے کے مطابق اکتوبر سے قبل نہیں ہو سکے گی۔ یقین ہے کہ اس وقت تک مالک نسخہ نسخہ فروخت کر چکے ہوں گے اور آپ پر جو پابندی ہے اس سے آپ آزاد ہو جائیں گے۔ میں پنجاب یونیورسٹی سے اردو میں ڈاکٹریٹ کرنا چاہتا ہوں کام بھی غالب پر کرنا چاہتا ہوں۔ سکری و قار عظیم صاحب غالب جیئر سنبالے ہوئے ہیں۔ ان سے گفتگو ہوئی تھی ازل تو وہ غالب پر ڈاکٹریٹ کے قائل نہیں میرے ساتھ پریشانی یہ کہ سوائے غالب کے کسی اور پر کام کرنا نہیں چاہتا (طرف دار جو ہوا) وقار صاحب اس پر آمادہ ہیں کہ موضوع اچھوتا نیا ہو اور معنی خیز ہو تو اجازت دیں گے۔ اب آپ ہی بتلائیے کیا کروں؟ [مکتوب ۱۸ جولائی ۱۹۶۹ء]

(۳۸) طفیل صاحب سے بھی ملاقات ہوئی انہوں نے بتایا کہ جمال الدین صاحب نے ایک بڑا سا چوڑا مضمون ”دیوان غالب نسخہ امر وہ“ کے حعلق لکھا ہے اور وہ اُسے غالب نمبر حصہ دوم میں شائع کر رہے ہیں۔ وزیر الحسن عابدی صاحب بھی وہاں تھے انہوں نے اور طفیل صاحب نے بتایا کہ مخطوط اب مرثی صاحب کے پاس پہنچ گیا ہے اور عابدی صاحب نے یہ رائے ظاہر کی کہ پہلا کام مرثی صاحب نے یہ کیا ہوگا کہ اُسے حرف بحرف نقل کر لیا ہوگا۔ یہ بات عابدی صاحب نے تحریر کی بنا پر کہی ہے۔ اٹکا فرمانا تھا کہ ”بارغ دو در“ جب عابدی صاحب نے مرثی صاحب کو دکھائی تو انہوں نے اُسے نقل کر لیا تھا۔ مگر بات اکبر علی خاں کی ہوتی تو میں ایک لمحہ کے توقف کے بغیر یقین کر لیتا لیکن مرثی صاحب؟ لیکن وزیر الحسن عابدی صاحب نے جس انداز سے کہا اس پر سوائے یقین کر لینے کے کوئی چارہ نہ تھا۔ میں نے میاں سمیل صاحب سے ”دیوان غالب نسخہ امر وہ“ کی طباعت کی بات کر لی ہے وہ یہ فرماتے تھے عجب میں نہیں بلکہ صرف اس طرح شائع کر سکیں گے جیسی ”داستان مظلیہ“ تھی۔ میں نے اس پر بھی رضامندی ظاہر کر دی ہے۔ دلی کے دوران قیام

پہ آپ سے ملیں گے۔ چچا جان جب تشریف لائیں تو جو کچھ وہ غالب پر لائیں اور آپ بھیج سکیں احسان ہوگا۔ اینگل کے فلاسک کا بھی منتظر ہوں گا۔“ (مکتوب ۱۲ اگست ۱۹۶۹ء)

(۳۹) اس دور میں جلال الدین صاحب اور اکبر علی خاں صاحب جیسے حضرات ہی کامیاب زندگی گزارتے ہیں۔ آپ نے توفیق صاحب سے وعدہ کر لیا تھا کہ جب تک نو دریافت مخطوط فروخت نہ ہو جائے گا آپ اپنی کتاب شائع نہ کریں گے مگر ہوا کیا؟ وہ آپ کے سامنے یہاں توفیق صاحب سے ہی کہتے کہ وہ صحیح صورت حال سے غالب کی پرستاروں پر (کذا) واضح کریں کہ نسخہ کس نے دریافت کیا؟ اور سب سے پہلے اسے کس نے دیکھا؟ جلال الدین صاحب نے اپنے مضمون میں توفیق صاحب کا دہلی جانا تحریر کیا ہے (جہاں آپ دیوان دیکھ چکے تھے) مگر دریافت کا سہرا انہوں نے اپنے ہی سر باندھا ہے۔

”نسخہ امرودہ“ کی دریافت کے بعد جب آپ کا مضمون آ گیا تھا تو بڑی زبردست خواہش تھی کہ ”مطالعہ غالب“ شائع ہو کر بازار میں آ جائے مگر پاسِ ادب اور آپ کے ایلانے وعدہ کے خیال نے مجھے اظہار خیال تک سے روکا۔ آج میں پیچھتا رہا ہوں کہ کیوں نہ میں نے خود یہ فیصلہ کر لیا کہ کتاب چھپ جائے۔ اکبر علی خاں سے میں اگرچہ آج تک نہیں ملا۔ مگر جو حرکات وہ کرتے رہے ان سے میں بخوبی واقف ہوں۔ پہلے اس ملک میں شاید ہی کوئی ایسا شخص ملے جو غالب کو پڑھتا ہو اور اس سے اکبر علی خاں صاحب نے یہاں کی مطبوعات دیکھا کر چپ نہ سادھ لی ہو۔ پھر بھلا یہ کیوں کر ممکن ہے کہ نسخہ امرودہ کا مخطوط ان کے ہاتھ میں جائے مگر اور وہ اس کا ٹکس نہ لے لیں؟

[۱۲ اگست ۱۹۶۹ء]

(۴۰) میں نے ہمیشہ یہی سمجھا کہ کھڑکی کو دوام حاصل ہوتا ہے لیکن پرووینٹنڈ اپنے اثرات چھوڑے بغیر پرووینٹنڈ اکیا ہوا؟ کیا یہ ممکن نہیں کہ توفیق صاحب صحیح صورت حال سے اس نسخے کے بارے میں کہیں؟

— ایک بڑے مزے کی خبر سنئے۔ سید قدرت نقوی صاحب نے ملتان میں اسکول کی ملازمت ترک کر دی وہاں انہیں ایک سو دس روپے ماہانہ ملتا تھا۔ مگر صاحب نے حق دیتی ہوں ادا کیا کہ جوش صاحب کو ترقی بورڈ سے نکالا اور ساڑھے چھ سو روپے ماہانہ پر قدرت صاحب کا تقرر کیا۔ جوش صاحب کا ختم البدل (کذا) کیا خوب تلاش کیا ہے۔ اب قدرت صاحب لغت نویسی پر معمور ہیں۔ ایک مثنوی فاضل پاس اور لغت نویس افسالو انا للہ وانا الیہ راجعون (کذا) — [مکتوب ۱۳ جنوری ۱۹۶۹ء]

(۴۱) مجھے یہ چاہ کر خوشی ہوئی کہ سکیل صاحب آپ سے ملنے پہنچے وہ بہت بڑے باپ کے بیٹے ہیں اور نہایت با اصول انسان ہیں۔ آپ سے چوک ہو گئی اگر آپ سکیل صاحب سے دیوان کی طہمت کا ذکر کر دیتے تو بہت اچھا ہوتا وہ اگر آپ سے وعدہ کر لیتے تو دنیا ادھر سے ادھر ہو جاتی وہ شائع کرتے اور جلد کرتے۔ مجھ سے انہوں نے اس نو دریافت کلام کو شائع کرنے کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔ سو وہ اور ٹکس اگر آپ ان کے حوالے کریں تو مجھے فوراً مطلع کیجئے گا تاکہ میں جا کر وصول کر لوں۔ بچا جان کے ہمراہ اگر آپ روانہ کریں تو زیادہ مناسب ہے۔ [مکتوب ۸ جنوری ۱۹۶۹ء]

(۴۲) پروفیسر احمد علی صاحب کی کتاب انگریزی میں اٹلی سے چھپ کر آئی ہے بارہ روپے قیمت ہے مگر وہ میں آپ کو نہیں بھیجوں گا اُسے دیکھ کر جی مل گیا انگریزی میں ترجمہ بعض جگہ بالکل (کذا) گھاس کوڑا ہے۔ نقلی ترجمہ بھی نہیں۔ یہ پروفیسر احمد علی (ہماری گلی) اور دہلی کی شام کے مصنف ہیں۔ بڑے مشہور و معروف مگر غالب کا ترجمہ کیا تو میں طبعیت ختم ہی کر ڈالی۔ [مکتوب ۱۸ جنوری ۱۹۶۹ء]

(۴۳) میں ۱۱ جنوری کو ملتان پہنچوں گا اور اولین فرصت میں لاہور جاؤں گا تاکہ "تلاش غالب" کے مکمل پروف حاصل کر لوں۔ نہ میں اس کا نام تبدیل کروں گا نہ مرتب کی حیثیت سے اپنا نام لکھوں گا۔ دوسرے کی محنت کو اپنی جھولی میں ڈال کر خیر کرنا سید قدرت نقوی

صاحب کو زب و جتا ہے پھر جلال الدین صاحب کو۔ میں ان کا ہم چلہ نہیں بننا چاہتا۔ یہاں کے رسائل میں تو ایک طرف مضامین شائع ہوئے ہیں اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ جلال الدین صاحب نے اقلیت کا تاج پہن لیا ہے اور یہ تاج ان کی نیابت کا باعث ہو گا۔ یہ بات تو میں بھی سمجھتا ہوں کہ مالک مخطوط نے انہیں نو دریافت کلام شائع کرنے کی اجازت نہ دی ہو گی۔ —

آپ نے اچھا کیا کہ توفیق صاحب کے (Interest) کو مد نظر رکھا اور مخطوط کی فروخت تک اپنی کتاب کو روک لیا۔ لیکن میں تو سمجھ رہا تھا کہ کہیں نہ کہیں گھپلا ہو جائے گا اور جب اکبر علی خان کا نام درمیان میں آیا تو میرا خیال یقین میں تبدیل ہو گیا کہ اب نو دریافت کلام سامنے آ جائے گا۔ معلوم ہوا کہ جلال الدین صاحب ان سے بھی بڑے کاری گر ہیں۔ مجھے غوشی ہے کہ آپ نے شرافت کے دامن کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ اگر آپ نے عکس کے ہمراہ حواشی روانہ نہ کئے تو میں صرف دیوان چھپوانے کی کوشش کروں گا۔ (مکتوب ۱۶ جنوری ۱۹۶۹ء)

(۳۳) کیا سخیل صاحب سے حیدرآباد میں ملاقات ہوئی؟ وہ ابھی سے قتل اگر وہ آپ کو دہلی میں مل جائیں تو دیوان غالب بخیر امر و بہ کی طباعت کے بارے میں ضرور ان سے مکمل کر بات کیجئے۔ میں اس نسخے کے عکس اور حواشی کا منتظر ہوں۔ (مکتوب ۱۱۹ جنوری ۱۹۶۹ء)

(۳۵) ۱۳ اکتوبر کو قبلہ چچا جان کا خط ملا کہ ۱۵ اکتوبر کو لاہور جا کر ان سے نیاز حاصل کروں چنانچہ حکم کی تعمیل کی اور وہاں گیا۔ صبح کو ناشتان کے ساتھ کیا۔ مندرجہ ذیل کتب و رسائل انہوں نے عنایت فرمائیں۔ ایک فلیپ بک جس پر غالب کے اشعار ہیں اور عکس۔ چچا جان کے ہاں سے وہ ابس آیا تو دن بھر نہ گھیں گیا اور نہ کوئی کام کیا بس اس دولت کو دیکھتا رہا کہ جس کے مقابلے میں قازدن کے خزانے کی بھی کوئی حیثیت نہیں۔ شکریہ کا لفظ کہتے ہوئے ڈرتا ہوں کہ وہ میرے جذبات کی ترجمانی نہ ہوگی۔ اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ہی

اس کا اجر آپ کو دے گا۔ (آپ نے تو اجر دے دیا، جزاک اللہ۔ غار)

— سکیل صاحب دیوان غالب شائع کرنا تو چاہتے ہیں لیکن قطعیت کے

ساتھ ابھی انہوں نے وعدہ نہیں کیا، ان کے اعزاز کے مطابق جس قسم کا دیوان میں شائع کرانا چاہتا ہوں اس پر کم از کم چالیس پینتالیس ہزار روپے کی لاگت آئے گی۔ میں طفیل صاحب سے بھی ملا۔ وہ نقوش کا ایک اور غالب نمبر شائع کر رہے ہیں، یہ مصوٰۃ رائے نشین ہوگا، اس نمبر میں غالب کی نایاب اور کیا ب تحریریں ہوں گی، ”نکل رہنا“ کا اصل نسخہ لاہور میں ایک صاحب کے پاس ہے اور بارہ ہزار روپے والے موجود ہیں، مگر وہ صاحب نہیں ہزار مانگتے ہیں، طفیل صاحب اس کا عکس حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اور امید ہے کہ عکس مل جائے گا، پھر وہ قلمی صفحات پر اسے شائع کریں گے۔

طفیل صاحب نے نسخہ امرودہ کے عکس حاصل کرنے کے لئے پاسپورٹ اور ویزا حاصل کر لیا تھا مگر چونکہ انہیں یقین نہ تھا کہ عکس مل سکیں گے، سفر ملتوی کیا اور ویزا کا وقت نکل گیا۔ دروغ مصلحت آمیز کے لئے پروردگار مجھے معاف کرے، میں ان سے کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ ہاں ایک بات یاد آئی کہ آپ نے میرے ٹکٹ پر میرے نام کے بعد ”معرفت طفیل صاحب“ کیوں لکھا؟ میرے بچنے میں اگر دیر ہو جاتی تو یقیناً بچا جان تمام چیزوں کے ساتھ عکس بھی طفیل صاحب کو دے آتے، وہ اُسے کھولتے دیکھتے، آپ کے بارے میں کیا خیال فرماتے اور میرے بارے میں کیا سوچتے؟

بہر کیف۔ اب آپ سے ایک بات اُرتے اُرتے عرض کرتا ہوں کہ اگر آپ اجازت دیں تو عکس طفیل صاحب کو دوں تا کہ وہ نقوش کے غالب نمبر میں شامل کر لیں۔
— مجھے آپ صاف صاف لکھنے کہ کیا آپ اجازت دیں گے؟ اگر آپ نے اجازت نہ دی تو پھر یہ اس وقت تک میرے پاس محفوظ ہیں جب تک غالب کا دیوان شائع کرنے کے لئے کوئی تیار نہیں ہو جاتا۔ [مکتوب ۱۸ اکتوبر ۱۹۶۹ء]

(۳۶) میں نے تو آپ کو پہلے ہی لکھا تھا کہ جلال الدین صاحب نے نسخہٴ امروہہ کی دریافت کا سہرا خود باندھ لیا ہے مجھے یہ پڑھ کر خوشی ہے کہ آپ نے اس سطح پر آنا پسند نہ کیا۔ یہ زمانہ تو پروپیگنڈے کا ہے اور جلال الدین صاحب اس سے واقف معلوم ہوتے ہیں۔ آپ کم از کم یہ تو کر ہی سکتے ہیں کہ وہاں کے اخبار اور رسائل میں صحیح حالات سے لوگوں کو آگاہ کریں۔ اگر آپ توفیق صاحب اور اپنا مضمون نقل کر کے (چھپا ہوا تو آئے گا نہیں) بھیج دیں تو پھر یہاں کے اخبارات و رسائل میں ان کو (Reproduce) کرایا جاسکتا ہے۔

یہاں آج اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی ہے کہ اکبر علی خاں نے وہی کیا جس کا انڈیشہ ریزبرٹن عابدی صاحب نے ظاہر کیا تھا یعنی نسخے کا عکس شائع کر دیا ہے۔ یہاں ابھی اور کسی کے پاس عکس نہیں پہنچے ہیں۔ میں ۷ اکتوبر کی شام کو لاہور سے روانہ ہوا۔ طفیل صاحب کو اس وقت تک آپ کا خط نہیں ملا تھا۔ آپ کا خط ملتے ہی پہلا کام میں نے یہ کیا کہ طفیل صاحب کو ڈنک کال پر بتلایا کہ عکس پہنچ چکے ہیں۔ اب وہ پرسوں یعنی ۱۱۲ اکتوبر کو تقریف لائیں گے اور آپ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے عکس انہیں دے دوں گا۔ لیکن ساتھ یہ بھی عرض کروں گا کہ آپ جلد از جلد اس نسخے کے بارے میں مضمون لکھ کر بھیجئے۔

بات کچھ یوں ہوگی کہ عکس بھیجنے کی ذمہ داری اب بھی آپ پر نہیں آنی چاہئے تاکہ توفیق صاحب کو کچھ کہنے کا موقع نہ ملے۔ ہاں یہ جہہ حد ضروری ہے کہ یہاں کے قاری کو صحیح صورت حال معلوم ہو جائے۔ آپ مضمون قسط وار مجھے یا طفیل صاحب کو بھیج دیجئے یعنی اگر مکمل مضمون ایک بار کی ذمہ داری ہے تو خطوط کی شکل میں بھیجئے۔ ”نقوش“ ذمہ میں شائع ہوگا اگر کوئی صاحب آنے والے ہوں تو مضمون آسانی سے لائیں گے۔ نقوش کے لئے مضمون جو عکس کے ساتھ شائع ہو سکے ضرور بھیجئے۔ آپ کا مضمون نہ آیا تو ————— ”تلاش غالب“ میں نسخہٴ امروہہ سے متعلق جو مضمون ہے اسے شامل کراؤں گا لیکن ضروری ہے کہ آپ توفیق صاحب کے حوالے سے دوسرا مضمون لکھیں تاکہ اصلیت معلوم ہو سکے۔ جلال الدین اور

اکبر علی خان اگر جھوٹ بول سکتے ہیں تو کیا آپ جی نہیں بول سکتے؟

[مکتوب ۱۲۸ اکتوبر ۱۹۶۹ء]

(۳۷) جب ۱۹ اکتوبر کو مجھے آپ کا خط ملا تو میں نے طفیل صاحب کو ٹیلیفون کیا اور وہ آج لاہور سے تشریف لے آئے۔ آپ کے حکم کی تعمیل کی اور عکس انہیں دے دیے۔ طفیل صاحب کو آپ کا خط چکا ہے، خیال ان کا یہ تھا کہ نقوش غالب نمبر حصہ دوم و نمبر میں شائع کریں گے۔ لیکن اب وہ نمبر ہی میں شائع کریں گے۔ اگر آپ نے نیا مضمون بھیج دیا تو ٹھیک، ورنہ پھر تلاش غالب والا مضمون ہی شامل کر لیا جائے گا۔ طفیل صاحب چاہتے ہیں کہ میرا ذکر بھی آئے مگر مجھے نام و لمبہ سے نفرت ہے میں نے انہیں سختی سے منع کیا ہے۔ طفیل صاحب نے بھی یہی فرمایا کہ عکس کی ذمہ داری آپ نہ لیجئے، بس مضمون آپ کا اور عکس کی ذمہ داری میری یا کسی اور کی۔ اس سے یہ ہوگا کہ آپ کو تو قتل ہو کہ نہ پائیں گے نیز آپ یہ کہہ سکیں گے کہ آپ نے صرف اپنی کتاب کے لئے مضمون لکھا تھا وہ شامل کر لیا گیا ہے یا اگر نیا مضمون بھی ہوگا تو آپ کہہ سکتے ہیں کہ طفیل صاحب کی فرمائش پر لکھا ہے۔ آج طفیل صاحب آئے بھی اور واپس بھی چلے گئے۔ میں نے دو پہر کو کچھ اور لوگوں کو مدعو کیا تھا۔ ایک نہایت ضروری کام یہ ہے کہ اگر آپ نے نئے نسخے کی کتابت کرائی ہے تو اس کی ایک نقل فوراً طفیل صاحب کو بھیج دیجئے کیونکہ ممکن ہے غالب کا لکھا ہوا کاتب صحیح نہ پڑھ سکے کیونکہ پروگرام تو یہی ہے کہ ایک جانب غالب کا عکس اور دوسری جانب کتابت شدہ غزل ہو گا۔ آپ نے اسے صحیح پڑھ لیا ہوگا اس لئے کتابت شدہ کاپی میں غلطی کا (کذا) امکان نہ رہے گا۔ اور طفیل صاحب کو آسانی ہو جائے گی۔ [مکتوب ۱۲۸ اکتوبر ۱۹۶۹ء]

(۳۸) بچا جان نے مجھے ایک خط امر وہہ سے لکھا تھا اور حکم یہ تھا کہ ۱۵ اکتوبر کو لاہور پہنچوں چنانچہ ان کے حکم کی تعمیل کی۔ ۱۵ اکتوبر کو صبح ناشتا انہیں کے ساتھ کیا۔ اگر آپ کا خط میری روانگی سے قبل مل جاتا تو میں یقیناً عکس طفیل صاحب کو دے آتا لیکن آپ

کا تعارف جب مجھے لاہور سے واپسی پر ملا تو میں نے طفیل صاحب کو ٹیلیفون کیا وہ گزشتہ اتوار یعنی ۱۱/۱۲ اکتوبر کو تشریف لائے اور میں نے ان کے سپرد کر دیے۔ حق بنی دار رسید۔ طفیل صاحب فرماتے تھے کہ آپ کا خط انہیں مل چکا ہے۔ — خطوط کی (Discovery) جنہیں بلکہ اس کا تعارف زیادہ اہمیت کا حامل تھا اور یہ تعارف سب سے پہلے آپ نے کرایا "نبوت تو موجود ہے کہ" "سلاش" غالب ۱۱ میں یہ مضمون "دیوانہ غالب" امر دہ "موجود ہے اور اس میں مکمل رد واد ہے" میں نے ٹائپ شدہ جتنا مضمون میرے پاس تھا طفیل صاحب کو دے دیا تھا۔ اگر آپ کا نیا مضمون نہ آ سکا تو یہی مضمون شامل کر دیا جائے گا۔ میرا خیال اب یہ ہے کہ اسی مضمون کو "نقوش" غالب نمبر حصہ دوم" میں شامل ہونا چاہئے اس سے کئی فائدے ہیں۔ اول تو اس مضمون سے یہ ظاہر ہو جائے گا کہ تعارف سب سے پہلے آپ نے کرایا، لیکن چونکہ مالک خطوط کو مالی نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا آپ نے کتاب کی اشاعت کو اتوار میں ڈالا۔ دوسرے یہ کہ کتاب کو اس سے شہرت ملے گی۔ تیسری بات یہ کہ لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے گا اور بالخصوص توفیق صاحب کو کہ ان کے ساتھ زیادتی کس نے کی ہے!

ہاں ایک بات یاد رکھئے "نقوش" غالب نمبر حصہ دوم شائع ہونے کے بعد پھر یہ "الزام" آپ پر نہیں آنا چاہئے کہ عکس آپ نے بھیجے ہیں۔ اس میں بھی جھجیدگیاں ہیں جن کا اظہار اس وقت درست نہیں! یہ یقین ممکن ہے کہ اکبر علی خان صاحب توفیق صاحب کو بھڑکا دیں کہ آپ نے عکس حاصل ہی اس لئے کیے تھے کہ "نقوش" کو بھیج دیں اور میں نہیں چاہتا کہ یہ یاد کوئی الزام آپ پر آئے۔ — طفیل صاحب سے جو آپ کے حرام ہیں اور میرے بھی۔ ان کے پیش نظر ان سے یہ کہنا کہ صاحب عکس کے بدلے چار نسخے دے دیجئے (یعنی عکس کی اجرت چار سو روپے۔ ڈار) معیوب معلوم ہوتا ہے حساب

دوستان و دردل والا معاملہ ہی ٹھیک ہے۔ [مکتوب ۱۱ اکتوبر ۱۹۶۹ء]

(۳۹) — ولید صاحب نے بہت پریشان کیا ہے۔ نقوش امر دہ والا مضمون اب تک

فراہم نہیں ہو سکا ہے۔ میں نے ٹیلیفون پر طفیل صاحب کو مطلع کیا کہ اگر ہفتہ ۲۵ اکتوبر تک مضمون نہ ملا تو میں خود لاہور پہنچوں گا۔ چنانچہ میں ۲۵ اکتوبر کی شام کو طفیل صاحب کے پاس پہنچا — گھر لے گئے رات کو سو گیا وہ بجے ان کے ہاں سے آیا اور ولید میر کے گھر جا کر بیٹھ گیا وہ حضرت ظم دیکھنے گئے تھے۔ تین بجے صبح آئے جاگتا رہا جب تین بجے وہ آئے تو مضمون کے بارے میں بتلایا کہ ۲۶ کو تو اتوار ہے اور پریس بند ہے مضمون نہیں مل سکتا۔ ۲۷ یا ۲۸ اکتوبر تک انہوں نے مضمون دینے کا وعدہ کیا ہے — طفیل صاحب اور میں نے یہ طے کیا ہے کہ ”نقوش“ قالب نمبر حصہ دوم بھی دو حصوں پر مشتمل ہوگا۔ پہلے حصے میں عکس اور دیوان اور صرف آپ کا مضمون ”دیوان غالب نسخہ امر دہ“ ہوگا۔ دیوان پر ”نسخہ امر دہ“ ہی لکھا جائے گا — آپ دو کام فوراً کیجئے (۱) مسودہ جس قدر جلد ہو طفیل صاحب کو بھیج دیجئے کیونکہ بعض جگہ الفاظ کا پڑھنا کاتب کے لئے ممکن نہیں ہے اور عکس دوسروں کو دکھائے نہیں جاسکتے (۲) دیوان غالب نسخہ امر دہ کا آخری صفحہ یعنی جہاں سے غزلیات کے پہلے مصرعے نمبر وار آپ نے درج کئے ہیں یہ حصہ اگر آپ کے پاس ہو تو نقل کر کے مسودے کے ہمراہ بھیج دیجئے کیونکہ خدا خواستہ کسی وجہ سے ولید صاحب مضمون نہ دے سکے تو مضمون مکمل صورت میں تو شائع ہو سکے۔ مضمون کا پہلا حصہ تو کیپوز ہو چکا تھا وہ میں نے طفیل صاحب کو دے دیا ہے — [مکتوب ۲۷ اکتوبر ۱۹۶۹]

(۵۰) میں نے آپ کو ۱۱۲ اکتوبر کو جو خط لکھا تھا اس میں یہ عرض کیا تھا کہ طفیل صاحب حسب وعدہ آئے اور میں نے دیوان غالب ان کو دے دیا کیونکہ اس کے متعلق آپ کی ہدایت ۱۹ اکتوبر کو مل چکی تھی — اچھا اب ایک بات سنئے میں آج مسعودا شعر صاحب کے پاس گیا تھا اکبر علی خاں کا خط لے آیا ہوں اقتباس ملاحظہ فرمائیے:

”ایک اعلان حکیم جی احمد خاں صاحب کے صاحبزادے ڈاکٹر صغیر احمد خاں کی طرف سے۔
امروز میں شائع کرادیجئے کہ:

”مخطوط دیوان غالب مخطوط غالب مکتوب۔ سر شہباز ۱۱۴/رجب (سن ندارد) کو پاکستان میں شائع کرنے کے جملہ حقوق میرے نام محفوظ ہیں بطور تحریری اجازت کوئی صاحب اس نو دریافت کلام یا اختلافات اور اصطلاحات اور اصلاحات اس سے پتا چلنے والی نئی معلومات کو مضمون یا کتاب کی صورت میں شائع کرنے کے مجاز نہ ہوں گے۔ خلاف ورزی کرنے والے کے خلاف عدالت میں چارہ جوئی کی جائے گی۔ ڈاکٹر صفیر احمد خاں ایم بی بی ایس سن آہ دلا ہو۔“

اس اعلان پر جو خرچ آئے وہ حکیم صاحب قبلہ سے لے لیجئے مگر اس اعلان کی اشاعت بہت ضروری ہے۔ (اکبر علی خاں)۔

انگریزی میں جو تحریر ہے اس کے حاشیے پر اکبر علی خاں نے لکھا ہے: ”اسے کسی بڑی بخور ابھنی کو ریلیز کرنے کے لئے دے دیجئے تاکہ آپ کے یہاں تمام انگریزی اخبارات میں آجائے اور رام پور کا نام اونچا ہو۔“

آئیے اب اس تحریر کا جائزہ لیں: سب سے پہلی بات تو یہ کہ اکبر علی خاں کو یہ یقین نہیں ہے کہ صفیر احمد خاں خود اشتہار دیں گے اس لئے مسعود اشعر کو لکھا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اکبر علی خاں کو شاید یہ معلوم ہی نہیں ہے کہ جلال الدین صاحب اپنے سر اس کی دریافت کا سہرا باندھتے باندھتے تمام نو دریافت کلام اپنے مضامین میں درج کر چکے ہیں۔ ”نقوش“ کے گزشتہ شمارے میں جلال الدین صاحب کا مضمون دیکھا جاسکتا ہے یہی نہیں۔ — بلکہ ”اختلافات اور اصلاحات اور اس سے پتا چلنے والی نئی معلومات“ کا ذکر کر چکے ہیں اس کے علاوہ ”انکار“ میں مضمون شائع ہو چکا ہے۔ — آپ کا مضمون بھی ”آج کل“ میں شائع ہو چکا ہے بلکہ ”انکار“ میں وہ (Reproduce) بھی ہو چکا ہے۔ اصل چیز کو اکبر علی خاں چھوڑ ہی گئے ہیں یعنی نکس کی اشاعت و طباعت — یہاں اب تک اس قسم کا

اشتہار کسی اخبار میں نہیں آیا — خط پر کوئی تاریخ نہیں ہے البتہ اردو کا جواشتہارا مہوں نے بھیجا ہے اس پر یکم اکتوبر لکھا ہے — میری سمجھ میں یہ نہیں آیا کہ یہ اعلان یہاں شائع ہو بھی جائے تو اس کا ہم پر کیا اثر ہو سکتا ہے؟ غالب کے کسی شعر پر یا اس کی تحریر پر حق ملکیت اکبر علی خاں کو کیسے مل گیا؟ کہ خود جو چاہیں کر لیں اور دوسرا مضمون یا کتاب میں اسے نہیں لکھ سکتا۔ یہ خیال بے وقوفی کی انتہا ہے۔ جب غالب کا دیوان شائع ہو ہی گیا تو ہر شخص اُسے پڑھے گا بھی اور لکھے گا بھی — کیا یہ نسخہ 'عرشی زادہ' واقعی چھپ گیا ہے؟ اور کیا یہ بازار میں فروخت ہو رہا ہے؟ — یہاں یہ دیوان "نقوش" کے حصہ دوم کے پہلے حصے میں ہانکل الگ شائع ہوگا اس میں آپ کا مضمون بھی شامل ہوگا — آج ہی ظلیل صاحب کا خط بھی آیا ہے انہوں نے "ہماری زبان" کے وہ تمام شمارے پڑھ لئے ہیں جن میں توفیق صاحب جلال الدین صاحب اکبر علی خاں اور آپ کے خطوط شائع ہوئے ہیں ان کا یہ جملہ پڑھ لیجئے:

"ظاہر ہے ہمیں دلچسپی فاروقی صاحب سے ہے۔ کئی بات یہ کہ دوستی ہے (دوسری بات نہیں لکھتا) تیسری بات یہ کہ اس قصے میں فاروقی صاحب کا کردار زیادہ معقول رہا چوتھے یہ کہ فاروقی صاحب ہی توفیق صاحب کے سپورٹر ہیں — "میں تو فاروقی صاحب کے لئے بہت کچھ کرتا مگر وہ خود ہی بھاگ رہے ہیں کہ سوائے مضمون کی اشاعت کے میرا نام ظاہر نہ کیا جائے"۔ (محمد ظلیل)

میں آج ہی میرا مطلب ہے اس خط کے بعد انہیں کو خط لکھوں گا اور جلاؤں گا کہ آپ نے ایسا فیصلہ کیوں کیا؟ میں دیوان پر اپنا نام کیوں کروے سکتا ہوں؟ دوسرے کی محنت اپنی بھولی میں نہیں ڈال سکتا میرے لئے یہی اعزاز کچھ کم نہیں کہ آپ نے ایسا لکھا اور ظلیل صاحب نے ایسا سوچا — دیوان کا مسودہ (تا کہ کتابت میں غلطی نہ رہ جائے) حواشی (تا کہ

دیوان کو آرتھ جیجے پر سکیل صاحب شائع کر سکیں) اور ”دیوان غالب نسخہ امرودہ“ والے مضمون کی نقل (کہ اگر ولید صاحب نامتواریت برت لیں تو نقوش کی اشاعت میں دیر نہ ہو) یہ سب چیزیں جلد بھیجئے۔ [مکتوب ۱۲۸ اکتوبر ۱۹۶۹ء]

(۵۱) ازراہ کرام کسی بھی صورت حواشی فوراً بجھوائے، نیز دیوان کے مسودے کی کاپی بھی اگر ضرورت پڑی تو دیوان کے دیباچے میں اس کا ذکر کر دیا جائے گا کہ دیباچہ اور حواشی کھسوائے گئے ہیں۔ فراہمی دیوان سے آپ کا کوئی تعلق نہیں ہے حواشی اور مقدمہ کا آنا یوں بھی ضروری ہے کہ مضمون ”نسخہ امرودہ“، ”علاش غالب“ کے علاوہ اب ”نقوش“ میں شامل ہوگا اس لئے اُسے دیوان کے ساتھ شائع کرنا مناسب نہیں ہوگا۔

[مکتوب ۱۲۹ اکتوبر ۱۹۶۹ء]

(۵۲) آج اکبر علی خاں کا خط میرے پاس آیا ہے ذیل میں اُسے نقل کرتا ہوں:

”جی ہاں نو در یافت دیوان غالب ”نسخہ عرشی زادہ“ کے نام سے چھپ گیا ہے مگر ابھی تک دہلی ہی میں پڑا ہے پریس میں۔ پریس کی ادائیگی بعض مجبوریوں سے دہلی ہوئی ہے دو تین جلدیں آیا تھا وہ تبصرہ وغیرہ پر تقسیم ہو گئیں آپ سے پہلے ہی کی مذاکرات کافی ہیں اُسے دور کر لوں تو آئندہ کسی کتاب کی فرمائش کروں وہاں جن جن اخبارات میں اس کتاب کے چھپنے کی خبر آئی ہے مطلع کیجئے۔ انگریزی اردو دونوں اگر تراشے لیں تو کیا کہنا؟ سنا ہے ایک دو اخباروں میں پروفسر آل احمد سرور کا تعارف بھی اس کتاب کے بارے میں چھپا ہے ان کے نام بھی لکھئے اور ممکن ہو تو آئندہ تراشے بھی بھیجئے یہ کتاب ڈی گیس ایلیٹین برٹش ہے اور ۱۲۵۱ روپے قیمت ہے۔ آپ کو چند سے انتھار کرنا پڑے گا یوں بھی صرف سوکایاں چھاپی گئی ہیں۔“

طفیل صاحب کو جو خط اکبر علی خاں صاحب نے لکھا تھا وہ میں نے پڑھا ہے اس میں تو یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ کتاب ہاتھوں ہاتھ نکل گئی اور مجھے دکھ رہے ہیں کہ پریس کی ادائیگی کی وجہ سے یہ کتاب رکی ہوئی ہے دو تین جلدوں کا تمبرہ کے لئے بھیجا جانا قطعی غلط ہے اکبر علی خاں تو کبھی کسی کو روپے دو روپے کی کتاب نہیں بھیج سکے ۱۲۵ روپے کی کتاب کیا بھیجی ہوگی؟ میرا اندازہ ہے کہ یا تو ابھی یہ دیوان شائع ہی نہیں ہوا۔ یہ خبر اس لئے مشتہر کی گئی ہے کہ کوئی اور شخص نہ شائع کر سکے مگر خطوط تو ان کی ملکیت نہیں ہے اور اگر وہ ان کی ملکیت بھی ہوتا تو غالب کے شعر پر اکبر علی خاں یا عرشی صاحب کا حق کیوں کر ہو گیا؟ یہ سب انہو باتیں ہیں۔ حیرت ہے کہ توفیق صاحب کیسے شخص کے پسندے میں آئے ہیں؟ یہ تو اکبر علی خاں کا کرم ہے جو انہیں یہ یاد ہے کہ ”آپ سے پہلے ہی کی مذاات کافی ہیں“ مجھ ہی پر موقوف نہیں اس ملک میں غالب سے محبت کرنے والے ہر شخص کی جیب پر اکبر علی خاں کی نظر رہی ہے اور میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ وہ قیامت تک مجھے یہ دیوان نہیں بھیجیں گے۔ یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ وہ یہ سوچ رہے ہیں کہ یہاں کے رسائل و اخبارات میں مضامین اور خبریں اس اشاعت کے بارے میں ہر روز شائع ہو رہی ہیں۔ واضح رہے کہ خبر اس دیوان کے شائع ہونے کی تو ضرور چھپی ہے لیکن اور کوئی چیز نہیں چھپی ہے۔

[مکتوب ۲۹ اکتوبر ۱۹۶۹ء]

(۵۳) طفیل صاحب نے اب تک اطلاع نہیں دی ہے کہ انہیں مضمون ”دیوان غالب نثر امرودہ“ مل گیا یا نہیں؟ کیا آپ اپنا ایک فونوگراف ان صاحب کے ساتھ نہ بھیج دیں گے جو معترب آئیں گے۔ غالب کے دیوان کا مسودہ لائیں گے حواشی لگائیں گے۔ یہ تصور اس لئے بھی ضروری ہے کہ ممکن ہے طفیل صاحب مضمون سے قبل تصور شائع کریں۔ ورنہ دیوان جب چھپے گا اس میں تو لازماً شائع کراؤں گا۔ مضمون کی نقل آپ کے پاس ہوتی ضرور طفیل صاحب کو فوراً بھجوا دیجئے۔ [مکتوب ۱۳ اکتوبر ۱۹۶۹ء]

(۵۳) یکم نومبر کو طفیل صاحب نے مجھے ٹیلیفون کیا اور حکم دیا کہ فوراً پہنچو۔ جو پہلی ٹرین ملی اس سے میں لاہور چلا گیا اور چھ گھنٹے کے سفر کی ٹھکان کا نور ہو گئی جب طفیل صاحب کو ہمدردی دکھائی دیا۔ بعد مغرب ہم دونوں جناب حکیم صاحب کے پاس سن آباد پہنچے، حکیم صاحب عرشی صاحب کے ہم جماعت اور دوست ہیں اور اکبر صاحب نے انہی کے صاحبزادے ڈاکٹر صفیر کو یہاں کے لئے مختار رکھ دیا ہے۔ انہوں نے ایک رقتہ اکبر صاحب کا طفیل صاحب کو بھی دے دیا جو معلوم نہیں کیا تھا۔ بہر کیف میری نظر اس خط پر تھی جو حکیم صاحب کو لکھا گیا ہے۔ شرائط یہ تھیں کہ مرتب کو پچیس فی صد رائلٹی ملے۔ پچاس فی صد منافع ملے اور نسخہ کم از کم پانچ ہزار شائع ہو۔ بمشکل ایسی ضبط کر سکا۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی بھوکا بھکاری ہو اور بھٹے پلاؤ کی قلاب مل گئی ہو جسے وہ ایک ساتھ گل جانا چاہتا ہو، ہم دونوں وہاں سے چلے آئے۔ البتہ انہیں یہ بتلایا گیا کہ وہاں تو ”اٹنی ہو گئیں سب تدبیریں“ والا معاملہ پیش آ چکا ہے اور ابھی یہ ملے ہونا باقی ہے کہ مالک کون ہے؟ اس لئے حکیم صاحب کا اعلان بے معنی ہو گا۔ میں شب کو گیارہ بجے اس تمام کام کو دیکھ کر آیا جواب تک ہو چکا ہے اور آپ کو ایک تاریخ بھی دیا کہ ولید صاحب سے مضمون نہیں مل پاتا اس لئے فوراً مضمون بھیجئے۔ صبح کو پانچ بجے ولید صاحب کے گھر جا پہنچا انہوں نے بہانے تو بہت کئے مگر میں کسی طرح آمادہ نہ ہوا اور نو بجے پر ایس جا کر مضمون لے آیا۔ اس کے شروع کے دو صفحات نہ ملے۔ اس کا ختم نہیں کیا کیونکہ وہ چھپے ہوئے میرے پاس موجود تھے اور جو میں پہلے ہی طفیل صاحب کو دے چکا تھا۔ رات کو آپ کو دوسرا تار دیا کہ مضمون مل گیا ہے۔ ”تلاش غالب“ تو معنی میں تیار ہو چکی تھی لیکن آپ نے پابند کر دیا تھا کہ جب تک آپ کا تار نہ ملے کتاب (Release) نہ کی جائے۔ مئی ۱۹۶۹ء میں اگر آپ نے اجازت دے دی ہوتی تو کتاب اب تک ختم ہو چکی ہوتی اور دوسرا ایڈیشن آچکا ہوتا۔

(۵۵) میں نے تو خود حالات کے پیش نظر آپ سے استدعا کی تھی اس سلسلے میں آپ کا نام نہیں آتا چاہئے اور آپ کا نام نہیں آئے گا۔ حصول کی بات کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ اگر آئندہ کبھی ضرورت پڑی تو میں خود اس ذمہ داری کو قبول کر لوں گا۔ آپ کو اپنے احباب پر مکمل اعتماد ہونا چاہئے۔ آپ کی کوئی تحریر آپ کا کوئی کارڈ یا رقعہ تو بڑی بات ہے کوئی شخص اگر صرف وہ لغافہ بھی لینا چاہے جس پر آپ کے کلم سے پتا لکھا ہے تو وہ میری لاش پر سے گزرو کر ہی اسے حاصل کر سکتا ہے۔ امید کرنا چاہئے کہ طفیل صاحب بھی آپ کے جذبات کا پورا پورا خیال کریں گے۔ کام اشاعت کا نہایت تیزی سے ہو رہا ہے۔ ۱۲۶ نومبر ۱۹۶۹ء کو رسم اجراء ہو گی ممکن ہے دو تین یوم قبل ہی ہو جائے۔ اصل میں جن صاحب کو اس اجتماع کی صدارت کے لئے منتخب کیا گیا ہے وہ غالب ہی کے خاندان سے ہیں۔ بہت بڑے آدمی ہیں ان کی مصروفیت کے پیش نظر ۲۴ نومبر سے ۲۶ نومبر تک کسی دن یہ رسم اجراء ہو سکے گی۔ اس نسخے کے سلسلے میں مکمل روداد آپ کے اس خط سے معلوم ہو گئی تھی جو طفیل صاحب نے پڑھنے کو دیا تھا لیکن ہم لوگوں نے ویڈیو دانستہ اس خبر کو کچھ وقت کے لئے التوا میں ڈال دیا ہے۔ ۲۶ نومبر کے بعد وہ خبر بھی اخبارات کی زینت بنے گی ابھی اس کا وقت نہیں آیا۔ اکبر صاحب دروغ گوئی میں باکمال انسان ہیں۔ حکیم صاحب کو لکھا کہ ایک نسخہ پریس سے لایا ہوں مجھے تعداد تین لکھی اور طفیل صاحب کو لکھا کہ کتاب ہاتھوں ہاتھ تک گئی۔ قیمت مجھے ایک سو پچیس روپے بتلائی ہے۔ آپ کہتے ہیں کہ تین سو روپے ہے عجیب معاملہ ہے۔ اگر وہ قیمت جو مجھے لکھی ہے وہ بھی صحیح ہو جب بھی اتنی منگی کتاب کوں خرید سکتا ہے۔ اور اگر یہ حقاقت بھی کی گئی ہے کہ دوسرے نسخے پر غزلیات کی کتابت نہیں کرائی گئی تو غلط فہمیت اس زمانے میں کتنے لوگ جانتے ہیں؟ — (توفیق احمد) نے آپ سے ایک معاہدہ کیا اور اسے جمع کر دیا ظاہر ہے کہ آپ کو نقصان پہنچایا آپ کو واقعی انصاف کا درد لازم نہ لگ سکا چاہئے۔ سبیل صاحب نے آمادگی ظاہر کر دی ہے کہ وہ

دیوان چھاپیں گے اور اسی فیلچ پر — [مکتوب ۱۶ نومبر ۱۹۶۹ء]

(۵۶) آپ نے جو یہ لکھا کہ اس دیوان کو آپ کے نام سے کیوں نہ چھپوایا جائے؟ کہاں چھپوایا جائے۔ یہاں یا وہاں؟ پہلی بات تو یہ کہ میں کسی کی محنت کو اپنی جھولی میں نہیں ڈال سکتا۔ دوسری بات یہ کہ ابھی آپ ایسا کیوں سوچیں؟ اگر حالات و معاملات کی نزاکت ایسی رہی کہ اسے میرے نام سے شائع ہونا چاہئے تو میں یہ ذمہ داری قبول کر لوں گا لیکن ابھی ایسا سوچنا قبل از وقت ہے۔ اچھا ہوا کہ اکبر صاحب سے آپ کی گفتگو ہو گئی اور (توفیق) سے بھی بہتر تو یہ ہوتا کہ اس گفتگو کا ٹیپ رکارڈ کر لیا جاتا — آپ نے اچھا کام کیا جو اتمامِ محنت بھی کر دی یہ تو درست ہے کہ آپ کو اس چیز کے استعمال کرنے کا حق حاصل ہے مگر جب تک قانونی صورت نہ ہو کیا ہو سکتا ہے؟ — یہ بات ہمیشہ ہمیشہ کے لئے طے سمجھئے کہ آپ نے جو اعتماد مجھ پر کیا ہے اس اعتماد کو زبردستی کے آخری سانس تک نہیں نہیں پہنچے گی — [مکتوب ۱۱۲ نومبر ۱۹۶۹ء]

(۵۷) جو الزام اور جس نوعیت کا الزام وہ (اکبر علی خاں) کسی شریف انسان پر عائد کر سکتے تھے وہ خود اب اُن پر عائد ہو رہا ہے۔ انہوں نے نسخہٴ عرشِ زادہ کے پروف تھفل صاحب کو بھیجے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ان کی شرائط جو مسد حکیم فی احمد خاں صاحب طے کر لیں یعنی وہ چاہتے ہیں کہ کھنڈ یہ پروف دے کر دے پڑیں مقدمہ بازی کریں اور توفیق احمد صاحب کو کچھ نہ دیں — میں یہ سب باتیں تھفل صاحب سے کہہ تو سکتا ہوں مگر میرے اور ان کے درمیان اچھی بے تکلفی کی وہ فضا پیدا نہیں ہو سکی ہے جہاں انسان ہر مصلحت کو بالائے طاق رکھ کر دیتی جھالنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ آپ ان سے کہہ سکتے ہیں — انگریزی میں کہاوت ہے کہ محبت اور جنگ میں ہر چیز جائز ہوتی ہے۔ یہاں تو دونوں چیزیں یک جا ہیں غالب سے محبت بھی اور بد معاہدہ لوگوں سے جنگ بھی۔ پھر آپ کیوں ڈریں؟ یا یہ کہ وہ (توفیق احمد) کیوں ڈرے کہ جسے اتنی عقل نہیں ہے کہ معاہدہ

کیا ہوتا چاہئے۔“ [مکتوب ۱۶ نومبر ۱۹۶۹ء]

(۵۸) آج اکبر علی خاں کا خط میرے نام بھی آیا ہے جتنی باتیں میں نے پوچھی تھیں وہ تو گول کر گئے۔ لکھا ہے کہ:

”۔۔۔ نسخہ سرکاری زادہ کے لئے آپ کا اشتیاق بہا ہے اور ہر آپ سے شرمندہ ہوں کہ تا حال کوئی خاص فرمائش پوری نہیں کر سکا۔ میں چاہتا تھا کہ اس کی قیمت سو سو روپے رکھی جائے اگرچہ یہ بھی بہت تھی مگر چونکہ Super Deluxe کے طور پر بڑے اجتماع سے طباعت ہوئی اور لاگت اعدادیہ بہت زیادہ ہو گئی۔ اس لئے اور بھی کہ مالک مخطوطہ سو کا پیوں سے زیادہ طبع کرانے پر آمادہ نہیں ہوئے اس لئے تین سو روپے فی کاپی قیمت قرار پائی اور اس کی لاٹ کی الاٹ دہلی کے ایک بک سٹور نے خرید لی ان کا پتا یہ ہے:

پاپلر بکس۔ ۹۹۳ بازار چٹلی قبر زلی۔ ۶۔

معلوم ہوا کہ ہاتھوں ہاتھ نکل گئی ان کے پاس سے آپ کا اشتیاق بہت ہے اس لئے پروف کا ایک ورژن پڑا ہوا تھا میرے پاس وہ تلفوف کرتا ہوں۔ زیر نظر لیٹر پیڈ کی زمین پر دیباچہ اور حواشی چھاپ دیئے ہیں۔“

۔۔۔ میں رہ رہ کر ہاتھ ملتا اور پچھتا تا ہوں کہ مئی ۱۹۶۹ء میں جب کتاب کی پوز ہو گئی تھی تو اسے اسی وقت بازار میں آ جانا چاہئے تھا۔۔۔ بعض اوقات مئی چاہا کہ بغیر آپ کی اجازت لئے قدم اٹھاؤں مگر آپ سے ڈرتا ہوں۔ آپ کی تحریروں سے جو میں نے آپ کے حواج کی کیفیت تلاش کی ہے وہ یہ کہ آپ یقیناً زور درج ہوں گے اور میں کسی قیمت پر آگینوں کو نہیں نہیں پہنچا سکتا۔۔۔ آپ کی کسی بات کو مان لے ہوئے یا حکم کے بغیر خود کوئی فیصلہ کرتے

ہوئے مجھے ہمیشہ خوف آیا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو یقین کیجئے یہ کتاب کب کی فروخت ہو چکی ہوتی اور آج جن مصائب کا سامنا ہے ان سے ہم لوگ بچ جاتے۔۔۔

[مکتوب ۷/ نومبر ۱۹۶۹ء]

(۵۹) طفیل صاحب گفتگو میں بھی اور تحریر میں بھی بہت محتاط انسان ہیں۔ میرا معاملہ دوسرا ہے۔ میرا دوستی کے معاملے میں خیال ہی دوسرا ہے۔ جب دوستی ہے تو پھر تادم مرگ بہر قیمت اُسے نبھانا ہے اور اس ماننے میں بڑے سے بڑا الزام بھی آتا ہے تو اُس کا غم بیکار ہے۔۔۔ [مکتوب ۱۲/ نومبر ۱۹۶۹ء]

(۶۰) آپ جس قدر جلد ممکن ہو بھوپالی صاحب سے مضمون حاصل کیجئے کیونکہ طفیل بھائی کا تقاضا سخت ہے اور یہ بھی واضح رہے کہ تحریر ایسی ہو کہ اُس میں ستم باقی نہ رہے۔ مضمون سے مطابعت و اشاعت کے حقوق خواہ آپ کے نام ہوں یا کسی اور کے جو طفیل صاحب یا میرے نام منتقل ہو جائیں یہ اس لئے ضروری ہے کہ اگر اکبر صاحب یہاں کوئی کڑ بڑ چائیں تو ہم لوگ اپنا دفاع تو کر سکیں گے کیونکہ یہ تو قطعی حقیقی امر ہے کہ ”نفوش“ کی اشاعت کے بعد جو دھماکا ہوگا اس کی گرج چمک سے سب سے زیادہ تکلیف تو اکبر علی خاں ایڈیٹر کو ہوگی۔ اس لئے ضروری ہے کہ جلد از جلد مضمون ہاتھ آ جائے یہ بھی خیال رہے کہ انہیں یہ گریہ ہوگی کہ ”نفوش“ کا ذریعہ حصول کیا ہے؟ یہ ہمارا اخلاقی فریضہ بھی ہے کہ طفیل صاحب پر آج نہ آئے۔۔۔ (نفوش احمد) سے کہلو ایسے کہ جو شخص جو ادارہ اس مخطوطہ کو خریدے گا تو کیا اُسے وہ شہد کا کر جانے گا؟ جب تک اس کو شائع کرنے کے حقوق نہ ہوں گے اس لئے اُس کا معاہدہ جب تک باقی ہے اسے خریدے گا کون؟ ضروری ہوا کہ اُس معاہدہ کی تصحیح ہوتا کہ اس کا مخطوطہ فروخت ہو سکے۔

طفیل صاحب نے تقابلاً کہ ”نفوش“ تیار ہو چکا جلد بندی ہو رہی ہے آج کل روزانہ پچارے رات کو بارہ بجے تک بیٹھے رہتے ہیں اور کام کی تکمیل کر رہے ہیں۔ انہوں

کہ آپ کا فونو دیر سے پہنچا اور نہ ضرور شامل ہوتا — مجھ سے یہاں اُن احباب نے جو دعوت پر جمع تھے (جب طفیل بھائی آئے تھے) پوچھا تو میں نے کہا کہ جس فونو گرافر نے فونو تیار کیا اُسے معقول معاوضہ ملا اُس نے ٹیکس روک لیا اور فروخت کرنا رہا۔ میرے بھی ایک عزیز کو معلوم تھا کہ مجھے کس قدر دلچسپی ہے انہوں نے فونو گرافر سے خرید کر بیچا ہے۔ (یعنی نسخہ امرہ بہ کا ٹیکس خرید کر بیچا ہے۔) ۱۸ نومبر ۱۹۹۷ء۔ [۱۳ نومبر ۱۹۹۷]

(۶۱) اکبر صاحب نے Off Prints کے ساتھ جو شرائط لکھی ہیں اُن پر کوئی ذی ہوش انسان عمل نہیں کر سکتا۔ طفیل صاحب اگر اپنا مکان اور پرنس سب ہی کچھ فروخت کر دیں تب بھی اکبر صاحب کے مطالبات پورے نہیں کر سکتے۔ طفیل صاحب نے میری معلومات کی حد تک اکبر صاحب کو جواب ہی نہیں دیا۔

اب جو آپ یہ لکھ رہے ہیں کہ میں طفیل بھائی کو مطمئن کروں تو صاحب میں انہیں کچھ نہیں لکھنا چاہتا آپ کے ہر حکم کی تعمیل بسر و چشم کروں گا مگر طفیل بھائی سے کچھ نہیں کہوں گا۔ آپ اس سلسلے میں جو کچھ کہنا چاہتے ہیں براہ راست انہیں کو لکھئے مجھے اپنی کم عقلی اور حماقت کا پہلے بھی اعتراف تھا اب بھی ہے انہوں نے جو کچھ گزشتہ خط میں مجھے لکھا ہے میرا دل دکھانے کے لئے وہی کافی تھا جو کسر (کذا) مرہ گئی تھی وہ آج ان کے پرچے کو دیکھ کر پوری ہو گئی۔ انہوں نے جو کچھ لکھا وہ میں نہ آپ کو تلاؤں گا اور نہ آپ مجھ سے پوچھیں گے — آپ نے تو ان سے پرچے کی بجائے کاپیوں کے لئے لکھا لیکن میں اُن سے ایک بھی نسخہ نہیں لینا چاہتا —

نقوش غالب نمبر ۲ حسن طباعت کا اعلیٰ نمونہ ہے اس کا گروپش اس قدر خوب صورت ہے کہ میں نے کسی کتاب کا اتنا عمدہ ڈسٹ کوڈ نہیں دیکھا۔ مجھے جس چیز سے دکھ پہنچا ہے وہ یہ کہ سب سے پہلے تو انہوں نے آپ کے مضمون کا عنوان ہی بدل دیا۔ اُس مضمون کا عنوان اب ”نیا ض غالب“ ہے اور اس کی جگہ میری جگہ میں یہ آتی ہے وہ یہ ظاہر نہیں کرنا

چاہتے کہ یہ مضمون پہلے ”علاش غالب“ میں چھپ چکا ہے۔ دوسری بات یہ کہ میں نے ان سے بار بار درخواست کی تھی کہ ایک پورے صفحے پر صرف یہ الفاظ ہوں: ”دیوان غالب نسخہ امروہہ“ انہوں نے لکھا ہے ”نور یافت بیاض غالب بخاطر غالب“ پھر انہوں نے اپنے ”طلوع“ میں لکھا ہے: ”چونکہ یہ بیاض سب سے پہلے لاہور میں چھپی ہے اس لئے میری خواہش ہے کہ اسے ”نسخہ کاہور“ کے نام سے یاد کیا جائے۔“ غالباً یہ آنکھوں کے لئے وصیت ہے اگر طفیل صاحب پہلے سے یہ سب باتیں تلاوت دیتے تو دل نہ گھومتا انہوں نے تو مجھے یہ بھی کہا تھا کہ سوائے نسخہ امروہہ کے وہ اس میں کچھ شامل نہیں کریں گے۔ لیکن آپ کے مضمون ”بیاض غالب“ کے علاوہ مندرجہ ذیل مضامین اور ہیں — سفید کاغذ نہایت عمدہ استعمال کیا گیا ہے بیاض غالب کی زمین ہلکے بزرنگ کی ہے، حاشیے پر الٹی جانب دو رنگ میں خوش نما نقل ہے۔ قیمت اس کی تیس روپے ہے۔ صفحہ ۳۷۲ جو اس نمبر کا آخری صفحہ ہے اس پر آپ کی کتاب ”علاش غالب“ کا اشتہار ہے، میں شاید دو چار دن میں طفیل بھائی کو خط مبارک ہاؤس لکھوں گا۔ خط آج ہی لکھتا لیکن کیا کروں دل ہے جو اس ہے —

[یکم دسمبر ۱۹۶۹ء]

(۶۲) میں آپ کو لکھ چکا ہوں کہ نقوش دوم ”نقوش“ کا جو شائع ہوا ہے اس کی رسم اجرا پڑی میں ہوئی۔ ۱۵ دسمبر کو لاہور میں بھی شاعرانہ تقریب ہوئی۔ تمام اخبارات میں طفیل صاحب کا اور آپ کا نام آ رہا ہے۔ نقوش غالب نمبر ۲ کی اشاعت سے عجیب قسم کا Sensation یہاں پھیلنا ہوا ہے اور ساتھ ہی اخبارات میں یہ خبر بھی آئی ہے کہ آپ کے دل میں ملکیت کا حق ثابت ہونے کے لئے مقدمہ دائر ہوا ہے اور یہ کہ مدعا حصول ایک سرستہ راز ہے لیکن طفیل صاحب کی اس سے بڑی شہرت ہوئی ہے —

[کتوب ۱۸ دسمبر ۱۹۶۹ء]

(۶۳) طفیل بھائی نے اگرچہ آپ کے مضمون کا عنوان بدل دیا ہے مگر مضمون میں

تہدیلی نہیں کی اگر انہوں نے ”نسخہ لاہور“ اس کا نام تجویز کیا تو شاید اس دوستی کی بناء پر جو آپ دونوں کے درمیان ہے۔ لہذا اگر کوئی بات اس موضوع پر ہو سکتی ہے تو آپ دونوں حضرات ہی کسی فیصلے پر پہنچ سکتے ہیں میں نے انہیں ایک نہایت طویل خط لکھا ہے اور انہیں یہ تسلی دی ہے کہ شفیق صاحب کا مضمون بہر حال انہیں مل جائے گا ذمہ داری میری ہے۔ چنانچہ اب آپ سے یہ درخواست ہے کہ بلا تاخیر ان سے مضمون حاصل کیجئے اور کسی طرح بھیج دیجئے تاکہ غفلت بھائی کے تمام خدشات دور ہو جائیں۔ اکبر علی خاں کا ایک خط کل آیا ہے اس کا ایک طویل اقتباس یہ ہے:

”مالک مخطوط ایک جاہل محض ہے اسے یہ وار تھا کہ اگر زیادہ تعداد میں کتاب طبع ہوگی تو اس کی قیمت فروخت پر اثر پڑے گا۔ چونکہ میں اسے بہر صورت و بہر قیمت مرتب اور شائع کرنا چاہتا تھا اس لئے مالک کی ہر جائز و ناجائز بات ماننی پڑی۔ اگر اس کتاب کی قیمت کم ہوتی یعنی سوا سو بھی ہوتی تو یقیناً اس کی مقبولیت اور بھی بڑھ جاتی۔ ادارہ یادگار غالب نے اسے شائع کیا اور پاپر بلی کیشنز ۹۹۳ بازار چٹلی قبر وادی نے خرید لیا۔ شاید (یقین سے نہیں کہہ سکتا) غالب اکیڑھی نظام الدین نئی دہلی میں کے پاس بھی برائے فروخت کچھ جلدیں دو چار موجود ہیں۔ ایک صاحب نے وہیں سے خرید کر بھیجی ہے اپنے ایک دوست کو۔ ارادہ یہ ہے کہ اسے آپ کے ہاں میں بھی طبع کرایا جائے وہاں ان شاء اللہ تاثر سے درخواست کروں گا کہ قیمت کم رکھی جائے۔ اس ایڈیشن میں تو برابر ادارے کو نقصان رہا ہے صرف لاگت واپس آئی ہے اور وہ بھی کھینچ جان سے۔ آئندہ ایڈیشن کی نویت اب مخطوطے کی فروخت کے بعد ہی آسکے گی۔

شروع میں ایک صاحب کے (ساتھ) چار جلدیں پروفیسر حمید احمد خاں محمد طفیل صاحب اور مولانا مہر کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے سپرد کی تھیں مگر انہوں نے ابھی تک ان حضرات کو نہیں پہنچائیں ان صاحب کا وہاں کا چتا معلوم نہیں کہ تھا خاں کروں رسم اجرا کا ارادہ تھا پھر سوچا کہ سرکشے شمار رسوم وقوعہ ہونا کیا ضروری ہے اس لئے اس خیال کو ترک کر دیا۔۔۔" [مکتوب ۱۲ دسمبر ۱۹۶۹ء]

[اگر یہ ۱۲ دسمبر کے خط سے اقتباس ہے تو یہ اس خط یعنی بے ترتیب نقل ہوا ہے یہ چار نہیں ۱۲ دسمبر کے خط کا حصہ ہوا گا۔ انیس ۸ نومبر ۱۹۶۹ء]

(۶۴) آپ کا خیال درست ہے کہ میری اور ان (محمد طفیل صاحب) کی ملاقات کو زیادہ عرصہ نہیں گزرا میں چونکہ نام و نمود کا قائل نہیں ہوں اور چھپنا چھپانا بھی کبھی پسند نہیں کیا اس لئے میرے اور ان کے خیالات کا ٹکراؤ کبھی نہیں ہوا۔ لیکن میرا تھا اس روز فہم کا تھا (یہ بات نومبر ۱۹۶۹ء کی ہے) جب آپ کی ہدایت کے بموجب میں نے وہ خط جو آپ نے انہیں لکھا تھا اپنے پاس محفوظ کرنے کو طلب کیا اور انہوں نے نہیں دیا گویا نصرت اور نرمی ان کے لہجے میں تھی تاہم جب آپ کی واضح ہدایت موجود تھی کہ وہ خط میرے پاس رہے میرے حوالے کیا جائے تو انہیں دے دینا چاہئے تھا۔ بہر کیف اب جس طرح بھی ہو اس سلسلے کو چلنے دیجئے اس وقت ایسا مرحلہ ہے کہ خاموشی ہی زیادہ مناسب ہے۔۔۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ چچا جان نے ۱۵ اکتوبر ۱۹۶۹ء کی صبح کو مجھے عکس دیئے تھے میں ۷ اکتوبر کی شب کو واپس آیا اور جس وقت لاہور سے روانہ ہوا تو طفیل صاحب کے دفتر سے میری انپٹی میں عکس موجود تھے مگر میں نے ان سے ذکر تک نہیں کیا صرف اس لئے کہ آپ کی اجازت نہ تھی بلکہ میں نے ۸ اکتوبر کو جو خط آپ کو لکھا اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ آپ نے امانت کو ان کی معرفت کیوں بھیجا؟ اگر چچا جان ان کو دے آتے اور وہ دیکھتے تو

بدگمان ہونے کے آپ نے مجھے بھیجے براہ راست انہیں کیوں نہ بھیجے ۱۹۹ اکتوبر کو آپ کا خط ملا تھا اور آپ کا حکم تھا آپ کی اجازت تھی کہ انہیں یہ امانت دے دوں۔ چنانچہ اسی روز میں نے انہیں ٹیلیفون کیا اور وہ ۱۲ اکتوبر کو آئے اور امانت لے گئے۔ اس میں شک نہیں کہ میری خواہش تھی کہ وہ شائع ہو لیکن میں نے اس وقت تک ان سے ذکر نہیں کیا جب تک آپ کی اجازت نہ آگئی۔

میں جس چیز سے کبیدہ خاطر ہوا وہ اُن کی ۲۲۳ نمبر کی تحریر تھی۔ اس کا مضمون کچھ یوں تھا کہ جب وہ اتنی طویل کتاب دے رہے ہیں جس کے صفحات دو ہزار ہیں تو اس لئے کہ انہیں جملہ پریشانوں سے نجات ملے اور وہ اُسے آئندہ بھی دھڑلے کے ساتھ شائع کر سکیں۔ اگر یہ بات پوری نہیں ہوتا ہے تو پھر مزید صفحات کو لکھنے کی کیا ضرورت ہے؟ صرف درازی زلف چاٹناں والی قسط ہی کافی ہے۔ مجھے یہ بھی ہدایت تھی کہ یہ باتیں آپ پر واضح کر دوں ایک جملہ اور پڑھایا کہ پہلی قسط کتاب کی جس مقصد کے لئے دی ہے وہ بہر حال پورا ہونا چاہئے۔ براہ راست وہ اس لئے نہیں لکھ رہے تھے کہ آپ نے براہ راست ان سے کوئی مطالبہ نہیں کیا تھا۔ آخر میں پھر ایک چمکاکا کہ میں آپ کو لکھوں کہ کتاب کا پہلا باب اس لئے کہ معاملہ لگے اور مزید صفحات اس لئے دیں گے کہ انہیں حقوق اشاعت والیں ملیں اسی تحریر کا جب آخری جملہ پڑھا تو دل پر یوں لگا جیسے کسی نے منوں وزنی برف کی بسل رکھ دی ہے: ”آپ جس حد تک دلچسپی لے رہے ہیں وہ مرعوب کن ہے“ میری اس دلچسپی کا قصہ بھی سن لیجئے: میں انہیں مسلسل یہ لکھتا رہا تھا کہ صفحہ اؤٹ لے لیا یاں طور پر درج ہونا چاہئے ”وہ یوں غالب ہو“ ”امروہ“ جتنی مرچ لکھا انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر میں نے لکھا کہ اس پر تحریر ہو کہ اس کے حقوق اشاعت محفوظ ہیں انہوں نے ایک سطر لکھی تو ضرور ہے مگر وہ الفاظ نہیں لکھے جو میں چاہتا تھا اُن کی ۲۲۳ نمبر کی تحریر سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ جیسے میں نے خود ان سے یہ کتاب طلب کر لی تھی حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ

آپ نے لکھنا میں نے کہا۔ انہوں نے خود ہی کہا تھا کہ وہ ایک طویل کتاب لکھ دیں گے۔
 قسط اول کے لئے آپ کا حکم تھا سو ان سے کہہ دیا تھا۔ پھر مجھے یہ بھی رنج تھا اور ہے کہ
 دوستوں میں ایسی معمولی معمولی باتوں کے لئے شرارتیں لگائی جاتی ہیں^(۱)

میں نے ان کے تین خطوں کا جواب نہیں دیا چونکہ خط جو ۳۰ نومبر کا لکھا ہوا تھا اس
 میں لکھا: ”کیا میری کسی بات سے ناراض ہو گئے؟ اگر یہ بات ہے تو پھر میں یہ کہوں گا“
 پہلے مجھے پڑھ لیجئے ”جب تک یہ نہ ہو گا میرے خطوں کا مفہوم آپ کی سمجھ میں نہ آئے
 گا۔“ ۱۲ نومبر کو میں نے انہیں چار صفحات کا طویل خط لکھا اب وہ یہ لکھ رہے ہیں کہ میرا
 خط ہی انہیں نہیں ملا حالانکہ یہ خط اس لحاظ سے اہم ہے کہ اس میں بعض باتیں ایسی ہیں جو
 کسی اور کو نہ جانتی چاہئیں۔۔۔ آج بھی ان کا خط آیا ہے لکھا ہے کہ ”اس نمبر کے بکتے کی
 رفتار بالاس کن ہے اب کے اتنی دی پی واپس آئی ہیں کہ زندگی میں اور کسی نمبر کی نہیں آئی“
 تمہیں ”ابھی کچھ عرصہ ہوا ایک کتاب شائع ہوئی تھی ”دہستان غالب“ اس کی قیمت پچیس
 روپے ہے اور وہ فروخت ہو رہی ہے لیکن ”فتوش“ کا غالب نمبر ۲ جس کی قیمت صرف تیس
 روپے ہے اور جس میں غالب کا مکمل دیوان خود اس کے قلم سے اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا موجود ہو
 فروخت نہیں ہو رہا کیا کہا جاسکتا ہے! فتوش غالب نمبر ۱ آپ دیکھ ہی چکے ہیں اس کی
 اول اشاعت ختم ہو گئی تھی اور اسے دوبارہ شائع کرنا پڑا تھا۔ میں نے انہیں لکھ دیا ہے کہ وہ

۱۔ اس خط میں کچھ باتیں درج یہ انداز میں کی گئی ہیں ان کی وضاحت ضروری ہے۔ مختل
 صاحب چاہتے تھے کہ جس شخص نے نسخہ نقلی احمد کے ہاتھ کیا وہ روپے میں فروخت کیا تھا اسے دو ہزار
 روپے دے دیں بشرطیکہ وہ یہ تحریر لکھ کر دے کہ اس نے نسخہ فروخت کرنے سے پہلے غلامی شخص کو نکس لینے
 اور چھاپنے کی اجازت دے دی تھی۔ دو ہزار صفحات کی کتاب سے مراد دو ہزار روپے ہیں اس کی تکلیف قسط
 پانچ سو روپے انہوں نے کسی مقصد سے سمجھی تھی جو پورا کیا گیا مگر اس کا سب سے زیادہ نقصان اعراب
 قریب احمد کو ہوا جس کے کئی ہزار روپے مقدمہ بازی میں خرچ ہوئے اور نتیجہ حاکم کے تین پاتہ۔

جس مضمون کے طلب گار ہیں وہ انہیں مل جائے گا اور اس کا ہم پہنچانا میری ذمہ داری ہے۔
 اقول تو انہیں ذمہ حصول کے بارے میں اب کشائی کی ضرورت ہی نہیں ہے لیکن بالفرض
 کوئی ایسی پریشانی لاحق ہوئی جاتی ہے تو وہ میرا نام لے دیں۔ جس طرح بن پڑے ان
 کا مطلوبہ مضمون کسی کے ہمراہ بھیج دیجئے جب سب سے قیمتی متاع ہی سپرد کردی تو اب اس
 ذرا سی چیز کے لئے کیوں کوئی الزام آئے۔ [مکتوب ۱۱۳ دسمبر ۱۹۶۹ء]

(۶۵) یہاں اخبارات میں ”نقوۂ امروہہ“ کی دھوم مچی ہوئی ہے ایک بھی اخبار نے
 ”نقوۂ لاہور“ نہیں لکھا۔ ”نقوۂ امروہہ“ ہی لکھا ہے اور ہر شخص آپ کو جانتا چاہتا ہے۔ مجھ
 سے بھی بعض لوگوں نے استفسار کیا مگر میں نے چپ سادہ لی۔ [۱۹ دسمبر ۱۹۶۹ء]

(۶۶) سکیل صاحب لندن نہیں گئے مگر جس طرح وہ پچھتائے ہیں وہ دیکھنے والی چیز تھی
 میں نے تو ان سے کہا کہ ان کی تسلی کا نتیجہ ہے کہ بازی کوئی اور مار لے گیا۔ خیر اب سکی
 آپ بلا تامل حاشی لکھیں اور جو کچھ کام اس کے متعلق ہو لکھ کر بھیج دیجئے وہ جب ملتے ہیں یہی
 کہتے ہیں کہ ”صاحب آپ ذہانی حق خرچ کرتے ہیں تحریر آپ کے پاس نہیں ہے بات کیا
 ملے کریں“ آپ حاشی اور مقدمہ لکھ دیجئے ان کی یہ شکایت بھی دور ہو جائے گی۔^(۱)

[مکتوب ۱۱۴ جنوری ۱۹۷۰ء]

(۶۷) بھائی میرے ان (اکبر علی خاں) کے مختار کار حکیم صاحب جو لاہور میں ہیں وہ
 سخت پریشان کر رہے ہیں۔ قانونی حیثیت اگرچہ کچھ نہیں ہے لیکن وہ اخلاقی و بااؤ بہت سخت

۱۔ ابتدا میں میرا اور لطیف صاحب کا یہی ارادہ تھا کہ اسے کسی اچھے ناشر سے کتابی صورت میں
 اعلیٰ بنانے پر شائع کرایا جائے۔ لطیف صاحب نے اشاعت کے لئے سکیل مختار صاحب کو آمادہ کر لیا تھا
 عمر ظیل مرحوم سے میرے تعلقات کی ذمہ داری تھی کہ ان کے حوالے کرنے کے بعد میں نے یہ خیال
 دل سے نکال دیا تھا۔ مگر لطیف صاحب نقوش میں پھنسنے کے بعد بھی دوسرے اور سے اس کی اشاعت
 کے لئے کوشاں رہے۔

ڈال رہے ہیں۔ وقار عظیم صاحب وغیرہ کو درمیان میں ڈالا ہے، طفیل صاحب کے پاس جزوی و کلی حقوق موجود ہیں۔ یہی انہوں نے پرچے پر چھاپا ہے۔ حکیم صاحب یہ چاہتے ہیں کہ وہ حقوق سے دست بردار ہو جائیں۔ یہی نہیں بلکہ اکبر علی خاں کی روانہ کردہ تمام شرائط کو تسلیم کر لیں۔ [مکتوب ۱۱۶ جنوری ۱۹۶۹ء]

(۶۸) سمیل صاحب بہت نفیس اور نازل مزاج انسان ہیں وہ ان معنوں میں پبلشر نہیں ہیں جیسا کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے۔ کتابوں کی طباعت ان کے لئے پیش نہیں شوق کا درجہ رکھتی ہے۔ کتابوں کی طباعت پر وہ اس لئے خرچ نہیں کرتے کہ کہانیں انہیں اللہ نے بہت دے رکھا ہے انہیں بے حد ملال ہے کہ جو کام ان کی معرفت ہونا تھا وہ نہ ہو سکا۔

[مکتوب ۱۲۰ جنوری ۱۹۷۰ء]

(۶۹) آج آپ کے خط سے جب معلوم ہوا کہ پرچہ مل گیا تو دل کو خوشی ہوئی ہے اعداد و اس میں شک نہیں کہ نقوش کا ایسا شمارہ کوئی اور نہ چھپا ہے اور نہ آئندہ امکان ہے۔ اگرچہ کہ ”نقوش“ غالب نمبر ۳ کتابت شدہ پڑا ہے مگر مولوی مدن کی سی بات کہاں؟ آپ کا خیال درست ہے کہ نکس اور زیادہ صاف ہو سکتے تھے لیکن طفیل صاحب کو غالباً پریشانی یہ لاحق تھی کہ مرثی زادہ چال نہ چل جائیں اور کوئی دوسرا بازی نہ لے جائے۔ متن میں جو غلطیاں ہوئی ہیں ان کے بارے میں کبھی زبانی ہی عرض کروں گا کتنا مناسب نہیں ہے۔ اس میں تو شک نہیں کہ کام ہوا اور زور و زور ہوا۔ مگر بھائی جب آپ ملیں گے تو باتیں ہوں گی کہ دل کس قدر خون کرنا پڑا ہے میری طبیعت کچھ ضرورت سے زیادہ ہی حساس ہے میرے سوتے بچنے کی قوت ہی نہیں میرا سارا وجود صرف ایک نقطے پر مرکوز ہو جاتا ہے اور میں محض معطل ہو جاتا ہوں۔ اس کیفیت سے گزشتہ مہینوں میں کئی بار گزرنا پڑا ہے۔

[مکتوب ۱۲۳ جنوری ۱۹۷۰ء]

(۷۰) میں نے طفیل صاحب کو ٹیلیفون کر کے معلوم کر لیا کہ انہیں توفیق صاحب کا ذرا دل

گیا ہے لیکن ان کا کہنا یہ ہے کہ اس سے کام کب چلے گا۔ اب اگر کوئی پبلشر سے شائع کر لے تو قانونی طور پر وہ اسے کیوں کر روک سکتے ہیں؟ حکیم صاحب بھی اس نقطہ (کذا) کو سمجھ گئے تھے کہ قانونی طور پر وہ کچھ نہیں کر سکتے لیکن انہوں نے دوسرا راستہ اختیار کیا۔ تمام بڑے ادیبوں سے اخلاقی اپیل کر رہے ہیں اور یہ اخلاقی دہانہ بہت سخت ہے۔ اب لوگوں کو تو اصل حالات کا علم نہیں ہے اب تو صورت حال یہ ہے کہ اس پر ایک کتاب شائع ہو تو لوگوں کو اصلیت کا علم ہو۔ آپ تو جانتے ہی ہیں کہ میں نام و نمود سے گھبراتا ہوں۔ مصین الرحمن صاحب نے ”اشارہ غالب“ میں میرا شکریہ ادا کیا حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ میں اُن سے صرف ایک بار ملا ہوں اور غالب کے سلسلے میں ان کی کوئی مدد نہیں کر سکا۔ اب جو کتاب آئی اور میں نے نام دیکھا تو پریشان ہوا انہیں خط لکھا وہ شاید ناراض ہی ہو گئے ہیں۔ اس لئے آپ انہیں لکھ دیجئے کہ میں ہر خدمت کو حاضر ہوں مگر ضروری نہیں کہ میرا نام بھی آئے۔

”سلاطین غالب“ پر آپ نے لطیف حارف چھپوایا ہے مجھے آپ کی محبت اور غلوں کا پاس نہ ہوتا تو میں ہرگز اس کی اجازت نہ دیتا کیونکہ میں اس کا اہل نہیں ہوں۔ میں سوچتا ہوں ایک بار اور لاہور ہو آؤں۔ شیخ مبارک علی کے شیخ صاحبان سے میرے بھی مراسم ہیں۔ مطہم کرنے کی کوشش کروں گا۔ اگر سبیل صاحب یا کوئی اور صاحب آمادہ ہو گئے تو طفیل صاحب کو تو اعتراض بہر کیف رہے گا۔ ”نفوس“ میں جس طرح دیوان شائع ہوا ہے اُس میں بہت سی اغلاط ہیں اگرچہ جن بقراط صاحب نے صحیح فرمائی ان کا فرمان یہ تھا کہ آپ نے اس دیوان کے پڑھنے میں تپہ کھایا ہے۔ یہ تو درست ہے کہ آپ اُن (محمد طفیل) سے غافل نہیں ہیں لیکن اگر ان کی حسب غطا کام نہ ہو تو وہ بے حد زور مچا دیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ تو انہوں نے مجھے لکھا تھا کہ خواہ کچھ ہو جائے وہ مجھے حکیم صاحب کے پیدا کردہ حالات سے مطلع نہیں کریں گے اور بات اتنی تھی کہ جو مضمون آپ انہیں بھجوا سکتے تھے وہ مضمون مجھ سے چاہتے تھے اور میں مضمون انہیں لکھ بھی دیتا۔ میں نے انہیں لکھا بھی کہ صاف صاف

لکھیں کیا چاہتے ہیں لیکن وہ تو بے حد محتاط انسان ہیں ایسی بات کیوں کہتے؟ — آپ کو مظلوم ہے کہ جب تک کوئی قانونی چیز موجود نہ ہو کسی پبلشر کو روکنا مشکل ہوگا اب اگر انہیں یہ مظلوم ہو بھی جائے کہ تو فیقی اور اتھیر اپنا پرانا معاہدہ منسوخ کر رہے ہیں تو اس سے کیا فرق پڑے گا؟ معاہدہ منسوخ ہو گا تب ہو گا اس وقت تک اتھیر حکیم صاحب کے توسط سے روپیہ بنور بچے ہوں گے — یہ درست ہے کہ غلام علی والے اسے چھاپیں گے تو یہ ناجائز ہو گا مگر مستحکم کون ہے؟ [کتوب ۱۱۰ فروری ۱۹۷۰ء]

(۱۷) — غالب کی قسمت دیکھئے غلیبوں میں پھنس گیا۔ بھوپالی صاحب غلیبی (توفیق) ان سے بھی نمبر لے گئے لیکن خیر! اب میں ایک اور وجہ سے پریشان ہوں۔ طفیل صاحب تو مجھ سے ناراض ہیں اب وہ مجھ سے نہ کچھ پوچھتے ہیں اور اس موضوع پر کیا خط کا جواب ہی نہیں دیتے ان کا خیال یہ ہے کہ اگر بھوپالی صاحب مضمون نہیں دیتے تو وہ ذمہ داری میری ہے۔ خدا بھڑکاتا ہے کہ میں خود انہیں مضمون لکھ کر دیتے کو تیار ہوں اور وہ چاہتے بھی یہی ہیں لیکن پریشانی یہ ہے کہ وہ یہ نہیں لکھتے کہ مضمون کی نوعیت کیا ہو ۱۹۷۰ء وہ خود اپنی تحریر میں اس قدر محتاط ہیں جیسے کہ میں ان کے خطوط کا مجموعہ شائع کروں گا اور ان پر کوئی الزام آجائے گا۔

حکیم صاحب تو قطعی مجھ گئے ہیں کہ ان کی دسترس میں کچھ نہیں ہے زیادہ سے زیادہ یہ کہ وہ اپنی کتاب کسی پبلشر سے شائع کرائیں۔ لیکن ہمارے دوست کی ناراضگی کو دور کیسے کیا جائے۔ حکیم صاحب جس قدر اخلاقی دباؤ ڈال سکتے تھے وہ بھی ختم ہوا۔ آپ سے ایک گزارش یہ ہے کہ اس کی تمام تر روداد لکھ ڈالئے۔ ابھی نہ کسی پانچ برس بعد کسی یہ کتاب پیسے کی تو لا جواب ہوگی۔ ڈی ایچ لارنس کی ناول ”لیڈی چنریز نوڈ“ شاید اتنی نہ فروخت ہو جتنی ”نرمل لوف لیڈی چنریز نوڈ“ فروخت ہوئی۔ یہ ”روداد غالب“ نہایت دلچسپ ہوگی اور آپ سے بھتر کون لکھے گا؟ [کتوب ۱۱۵ فروری ۱۹۷۰ء]

(۷۲) (تقریبی احمد) کا خط فضیل کو مل گیا ہے۔ مجھے یہ انہوں نے احتساب پر ٹیلیفون پر بتایا تھا لیکن مجھ سے تو وہ خطا ہی نہیں لکھتے، میں کی خطوط لکھ چکا ہوں مگر وہ چپ ہیں۔ میں اب اس سلسلے میں انہیں کچھ نہیں لکھوں گا۔ آپ بھی کچھ نہ لکھتے۔ Avoid کرنا ہی بہتر ہے۔ ٹھیک ہے۔ میں شاید مارچ کے شروع میں لاہور جاؤں گا تو ان سے باتیں ہوں گی۔ آپ نے جو انہیں تفصیل سے خط لکھنے کا ارادہ کیا ہے تو ضرور لکھتے لیکن اس طرح کہ بارود نہ لگ جائے۔ وہ تو میں بھی بہت بزرگ حراج ہیں ضرور رنج ہیں چپ سادہ لیتے ہیں اور ناراض ہو جاتے ہیں۔ اکبر علی خاں کا خط ان کے پاس آیا ہے جو شکایات سے بڑے ہیں اور بہت سی باتیں پر مبنی ہیں۔ ۱۰ مکتوب ۲۳ فروری ۱۹۷۷ء

(۷۳) آپ کا ۲۳ فروری کا مکتوب آج ملا ہے۔ پہلا فقرہ ”آج کل پریشان ہوں“ میرے لیے پریشانی ہی کا نہیں بلکہ دکھ کا باعث بنا۔ میں آپ سے اس قدر دور ہوں کہ آپ کی پریشانی میں ڈھارس بھی نہیں بندھا سکتا۔ اگر آپ پریشانی کا سبب بھی تحریر فرما دیجئے تو احسان ہوتا۔ میں تو ایک بات ابھی طرح سمجھتے ہوئے ہوں کہ بچارے عظیم صاحب کچھ نہیں کر سکتے اگر وہ کچھ کرنے کی اہلیت رکھتے ہوتے تو اب تک کر چکے ہوتے۔ وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کی گرفت جو پہلے بھی مضبوط نہ تھی بالکل ہی ذمیلی پڑ چکی ہے۔ اب پریشانی یہ ہے کہ فضیل صاحب جس زاویے سے چیزوں کو دیکھتے ہیں ان کی خلافت بھی ہوتی ہے کہ ہر شخص اسی زاویے سے ان چیزوں کو دیکھے اور سمجھے اور اگر دوسرے شخص نے دوسرے زاویے سے دیکھا اور وہ چپ سادہ لیتے ہیں اور اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ ناراض ہیں آپ کو یہ جان کر شاید حیرت ہوگی کہ میں نے انہیں یہ لکھا تھا کہ جو کچھ وہ چاہتے ہیں مجھے لکھ دیجیں میں اسے پیغام اپنے قلم سے نقل کر کے روانہ کر دوں گا۔ چپ ہو گئے۔ خود وہ اس قدر محتاط ہیں کہ اپنے قلم سے ایک خط نہیں لکھا چاہے مبادا کوئی پڑھ لے اور کہے کہ اچھا حقیقت یہ ہے۔ حالانکہ انہیں سوچنا چاہئے کہ دوستوں کے درمیان اس قدر احتیاط بدگمانی کا

باعث ہو سکتی ہے۔ مثلاً انہوں نے مجھے ایک بار لکھا کہ حکیم صاحب سخت اخلاقی و باؤ
 ذال رہے ہیں تو انہوں نے حکیم صاحب سے کہہ دیا کہ ”صاحب آٹھ ہزار اور امان کی کتاب
 دے چکا ہوں“ اور مجھے وہ عبارت نہ لکھی جو میں نقل کروتا تھا میں نے انہیں لکھا بھی کہ
 آپ نمونہ بنا کر بھیجے باقی میں کام کروں گا مگر احتیاط نے انہیں باز رکھا اور اب تو خط ہی
 نہیں آتا۔

_____ طفیل صاحب کا خیال صحیح تھا کہ عبدالرشید جاہل ہے اور گڑبڑ کر دے گا ان کا
 اندیشہ صحیح ثابت ہوا۔ البتہ ایک بات میں قطعیت کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ جب ۲۹
 حضرات کے لئے انہوں نے پرچے بھجوائے تو اس کا انتظام بھی کیا ہو گا کہ اس طرف اسے
 کوئی ٹھک نہ کرے اور یہ بات کچھ ہی میں نہیں آتی کہ اس طرف یہ حرکت کسی نے کی ہوگی۔
 آپ اس سے سختی سے معلوم کیجئے۔ اگر وہاں کوئی حرکت ہوئی ہے تو آپ خود اس معاملے کو ختم
 نہ کیجئے ہوئے صحیح حالات معلوم کریں۔ اور اگر اور کوئی بات ہوئی ہے تو لکھنے حلق سے نکلا
 لیا جائے گا۔ ”انتخاب غالب“ صرف پچاس پیسے کی کتاب ہے اور ظاہر ہے وہ برہنہ نہیں
 ہو سکتی۔ اسی طرح ”بہارِ صحت“، ”گلشنِ غالب“ غالب نمبر قیمتی چیزیں نہیں ہیں کہ برہنہ
 کرنے والا اس سے کوئی فائدہ اٹھا سکے۔ یہ جو ۲۹ حضرات کی فہرست آپ کو ملی بھائی یہ
 جرنیلن بٹ رہا ہے وہ کس خوشی میں؟ میں نے بھی اپنی آنکھوں سے یہ ٹپن بیٹھے دیکھا تھا اور
 حیران تھا۔ اب ایک جانب تو مالی بحران اور پھر یہ صورتِ قابلِ داد بات ہے۔ آپ نے بھی
 ایک خط میں انہیں آف پرنٹ اور پچاس نسخوں کے لئے لکھا تھا بہتر ہوتا وہ یہ انتظام بھی کر
 دیجئے۔ طفیل صاحب ہی نے مجھے یہ مژدہ سنایا تھا کہ ”طاشی غالب“ کی مانگ بہت
 زبردست ہے۔ ان کی اطلاع کے مطابق کتاب کی جلد بندی ہو رہی تھی مجھے ذاتی طور پر کچھ
 علم نہیں۔ میرے خیال میں مہارک علی کو توفیق سے خط نہیں کھسکانا چاہئے تھا۔ ہمارے
 دوست کے ہاتھ اسے کڑو رہے ہیں کہ دوسرا شخص ڈاکہ ڈال لیتا۔ لیکن اس خط سے اگر شیخ

مہارک علی کے صاحبزادے (مہارک صاحب کا انتقال ہو چکا ہے) ضرور یہ سمجھیں گے کہ یہاں کسی کے پاس حقوق نہیں ہیں۔ واضح رہے کہ ہمارے دوست نے مجھ سے یہی کہا ہے کہ ہم لوگ جس طرح چاہیں اور جس سے چاہیں طباعت کا معاملہ کر لیں لیکن کسی اور کے ہاتھ میں یہ معاملہ نہ جانا چاہئے۔ یہ انہیں معلوم ہے کہ میں سکیل صاحب سے اس کی طباعت کے سلسلے میں گفتگو کرتا رہا ہوں۔ جن بقراط نے مسودہ میں تبدیلی کی ان کا نام میں معلوم کر کے لکھ دوں گا۔ [کتوب ۱۲ مارچ ۱۹۷۰ء]

(۷۳) عبدالرشید نے جو طور حرکت کی ہے اس سے بہت افسوس ہوا کوشش کیجئے کہ وہ صحیح بات بتا دے۔ میں یقین کے ساتھ ایک بات کہہ سکتا ہوں کہ جب طفیل صاحب نے اتنے حضرات کے لئے پرے بھجوائے تھے تو انہوں نے اس کا انتظام بھی کیا ہوگا ایسے غیر ذمہ دار شخص سے آنکھ نہ بچتا ہی بہتر ہے۔

طفیل صاحب نے بالکل چپ سادھ لی ہے میں حیران ہوں کہ میرا قصور بتلائے بخیر وہ ناراض ہو گئے ہیں شاید آپ کو خط لکھا ہو میرا لاہور جانا بخیر ہوئی رہا ہے لیکن جاؤں گا ضرور۔ سوچتا ہوں اگر انہوں نے ملنے جی سے انکار کر دیا تو؟ [۱۲ مارچ ۱۹۷۰ء]

(۷۵) تلاش غالب کی Demand حد سے زیادہ ہے مگر افسوس کہ ولید میر کی نالائقی کی وجہ سے شاید اب تک کتاب مارکیٹ میں نہیں آئی میں ایسا انتظام کر رہا ہوں کہ حتی الامکان اس کے تمام واجبات ادا کروادوں۔ عبدالرشید نے سخت زیادتی کی ہے۔ واقعہ کے سخت ہونے میں کیا کلام ہے لیکن ضروری ہے کہ اس کی تحقیقات ہو "راوی" کا غالب نمبر تو میں اور بھیج دوں گا آپ کے لئے بھی اور دشواری صاحب کے لئے بھی لیکن باقی کتابوں کا تو افسوس ہے ہی۔

— دلیانہ غالب نسخہ امرودہ کی روداد حد درجہ دلچسپ کتاب ہوگی۔ آپ یادداشت مرحب کرتے رہئے جب یہ بادل چھٹ جائیں گے تو یہ دھماکا بھی زوردار ہوگا۔

[مکتوب ۱۱۲ مارچ ۱۹۷۰ء]

(۷۶) آج میں نے اکبر علی خاں صاحب کو جواب لکھا ہے اپنے خط سے کچھ اقتباسات درج کرتا ہوں:

”آپ نے دریافت فرمایا ہے کہ مئی ۱۹۶۹ء میں نووریات کلام کہاں شائع ہوا؟ صاحب کی کتاب مئی ۱۹۶۹ء میں چھپ چکی تھی بلکہ یوں کہئے کہ اپریل میں چھپ گئی تھی کہ ان کا آخری مضمون ”دیوان غالب نسخہ امرودہ“ اس میں شامل کرنے کے لئے آیا اس کا ذکر انہوں نے اپنی کتاب میں کیا ہے اور یہ کتاب میں مئی ۱۹۶۹ء میں ہی لے آیا تھا۔ میرے کتب خانے میں موجود ہے۔ ہاں مارکیٹ میں نہ ملتی ہو تو اس کی اور بھی وجوہ ہو سکتی ہیں۔ اس کے بعد اگست ۱۹۶۹ء میں نقوش شمارہ ۲۱۲ (کذا) شائع ہوا تھا اس میں جلال الدین صاحب کا مضمون ”قدیم ترین نسخہ دیوان غالب کی دریافت“ یہ مضمون نقوش کے صفحہ ۲۵ سے شروع ہو کر صفحہ ۳۹ تک پھیلا ہوا ہے۔ اس مضمون میں تقریباً تمام نووریات کلام موجود ہے۔ مجھے یاد نہیں آرہا اسی زمانے میں میں کراچی گیا تھا۔ غالباً ”انکار“ میں بھی ایک مضمون میں نے پڑھا تھا۔ لہذا یہ بات کہ نووریات کلام لوگوں نے نہیں پڑھا تھا غلط معلوم ہوتی ہے۔ آپ کے نسخے کے چھپنے سے قبل ہی تمام نووریات کلام سامنے آ چکا تھا۔ آپ نے یہ تحریر فرمایا کہ آپ نے نسخہ مرثیہ زادہ کو خبر میں (شائع؟) کیا لیکن یہاں مئی ۶۹ء میں ”طاش غالب“ اور پھر اگست ۶۹ء میں جلال الدین صاحب کا مضمون شائع ہو چکا تھا۔ آپ پسند فرمائیں تو

میں یہ کتاب اور "فتوش" کا یہ نمبر آپ کو بھیج دوں؟ آپ خود ملاحظہ فرما لیجئے۔ آپ کا خط چڑھ کر مجھے یہ احساس ہوتا ہے کہ آپ نے "علاش غالب" کی تلاش میں کسی صاحب کو بھیجا وہ اسے تلاش نہ کر سکے اور آپ کو یہ لکھ دیا کہ وہ ابھی مجھی ہی نہیں۔ چلئے یہ بھی تسلیم لیکن "فتوش" کا شمارہ ۱۱۳ تو ان صاحب کو مل سکتا ہے۔ ذرا ان صاحب سے کہئے کہ اس نمبر کو تو آپ کو بھیج دیں۔ مالک مخطوط کے بارے میں جو رائے آپ نے ظاہر کی ہے وہ صحیح ہی ہوگی کیونکہ اول تو اس نے جلال الدین صاحب پھر ثار صاحب کو دیوان نقل کرنے کی اجازت دے دی یہاں اخبارات سے مقدمہ کی صحیح صورت حال سامنے نہیں آتی۔ بس اتنا معلوم ہو سکا ہے کہ مقدمہ چل رہا ہے اب یہ جان کر خوشی ہوئی کہ آپ اس میں ملوث نہیں ہیں۔ ظاہر ہے کہ شرفا کا یہ کام نہیں ہے لیکن ایک سوال اور پیدا ہوتا ہے امید کرتا ہوں کہ آپ اس پر روشنی ڈالیں گے۔ ایک جانب تو آپ نے یہ تحریر فرمایا ہے کہ "میر اس سے کوئی مقدمہ نہیں"۔ دوسری جانب آپ نے یہ بھی لکھا ہے کہ "فتوش" میں دیوان بغیر میری اجازت کے چھاپ ڈالا اگر بھوپال والے صاحب اور موجود مالک مخطوط اس کی ملکیت کے بارے میں جھگڑ رہے ہیں تو اس کے یہ معنی ہوئے کہ ابھی یہ طے ہونا باقی ہے کہ اصل مالک مخطوط کون ہے اور جب یہ طے نہیں ہو سکا تو آپ کی اجازت کا سوال کہاں پیدا ہوتا ہے؟ کیا آپ نے مخطوط خریدے فرمایا ہے؟ یہ باتیں آپ کے خط سے واضح نہیں ہیں۔ ازراہ کرم اس پر ضرور روشنی ڈالئے کہ وہ کون سی وجہ ہیں کہ جن

کی بناء پر جلال الدین صاحب کو یا طفیل صاحب کو آپ سے اجازت
لینی ضروری تھی۔

طفیل صاحب نے قطعی خاموشی اختیار کر لی ہے مگر میں ایک وجہ سے پریشان ہوں وہ قار عظیم
صاحب ۷۱ مارچ کو یہاں تشریف لائے تھے تو انہوں نے دوران گفتگو میں مجھ سے
دریافت فرمایا تھا کہ ”کیا آپ طفیل صاحب کے ہمراہ حکیم صاحب کے ہاں گئے تھے؟“
میں نے عرض کیا: ”جی ہاں ایک بار گیا ہوں۔“ اکبر علی خاں نے لکھا ہے کہ ”طفیل صاحب
نے یہ بھی مشہور کیا ہے کہ انہوں نے عکس ملتان کے کسی صاحب سے خریدے تھے خود طفیل
صاحب نے مجھے یہی لکھا تھا کہ انہوں نے آٹھ ہزار قیمت دے کر خریدے ہیں۔“ اب یہ
سراسر زیادتی ہے کہ قار صاحب ہی کو سب سے زیادہ حکیم صاحب نے استعمال کیا کہ وہ
اخلاقی دباؤ ڈالیں اور بقول قار صاحب طفیل صاحب نے نہایت حقوق جواب دے کر
حکیم صاحب کو لا جواب کر دیا کہ صاحب مقدمہ کا فیصلہ تو ہو جائے۔ اگر اکبر علی خاں کے حق
میں ہوتا تو جو حکیم صاحب کہیں گے نذر کر دیا جائے گا اس پر حکیم صاحب راضی ہو گئے لیکن
ذرا غور کیجئے قار صاحب نے میرے بارے میں کیا سوچا ہوگا۔ میں نے خاموشی اختیار کر لی
تھی لیکن طفیل صاحب کی اس گفتگو سے کہ جس میں خرید و فروخت کا ذکر ہے مجھ پر بڑا حرف
آتا ہے۔ بھائی میں تو غریب آدمی ہوں میں اس کا اہل نہیں ہوں کہ مجھے درمیان میں
تھمٹ لیا جائے۔ میں نے طفیل صاحب کو اسی روز خط لکھا تھا مگر وہ تو چپ ہیں۔

[کتوب ۷۱ مارچ ۱۹۷۰ء]

(۷۷) میں ۱۴ جولائی کو راولپنڈی گیا ایک روز کے لئے سری۔ والہی میں چار یوم تک
لاہور میں طفیل بھائی کے ہاں قیام کیا۔ طفیل صاحب کا حکم تھا کہ خواجہ محمد حسن صاحب سے
”مگل رحمت“ میں خود حاصل کروں، دو روز ضائع کئے مگر خواجہ صاحب قابو نہ آئے۔ ان کا
خیال ہے کہ غالب کی اس تحریر کی قیمت کم از کم پچیس ہزار روپے تو ملے اب وہ ان کے داماد

کے قبضے میں ہے اور ان کا ارادہ یہ ہے کہ برٹش میوزیم لندن یا امریکہ کی کبھی نوادرات خریدنے والی فرم کے ہاتھ اسے فروخت کریں گے۔ طفیل صاحب کا خط آیا ہے کہ آپ کا لکھا ہوا کوئی کارڈ تلاش کروں جس سے یہ ثابت ہو کہ نسخہ امروہہ سے متعلق آپ کا مضمون جو ”تلاش غالب“ میں چھپا ہے اور جسے بعد میں طفیل صاحب نے نقوش غالب نمبر ۲ میں شامل کیا ہے۔ اپریل ۶۸ء (کذا) میں لکھا گیا آپ کا یہ مضمون اپریل کے اوخر میں ولید صبر کے پاس لاہور پہنچا تھا۔ خطوط تو آپ نے اس زمانے میں مجھے کئی لکھے لیکن خدا کرے کوئی کارڈ مل جائے۔ یہ اس لئے ضروری ہے کہ ڈاکٹر میاں چند کا ایک مضمون ”نقوش“ غالب نمبر ۳ میں شائع ہوگا۔ دوسرے مباحث کے علاوہ وہ یہ ثابت کر رہے ہیں کہ تھریماٹا کیرملی خاں نے پہلے لکھی ہیں اور آپ نے وہاں سے نقل کی ہیں جو بعد میں ”نقوش“ غالب نمبر ۲ میں شامل کی گئیں حالانکہ ڈاکٹر میاں چند کا یہ خیال قطعی غلط ہے ڈاکٹر وحید قریشی نے مضمون لکھا ہے اور ثابت کیا ہے کہ آپ کا مضمون اور ”نقوش“ پہلے چھپے ہیں۔ زاوہ کا نسخہ بعد میں۔ مالک رام صاحب کے دو خط طفیل صاحب کے نام ایسے ہیں جو اس بات کا تین ثبوت ہیں وہ خطوط بھی اشاعت میں شامل ہوں گے۔ اب طفیل صاحب جو کارڈ مجھ سے تلاش کر رہے ہیں وہ اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے خدا کرے یا یہ کارڈ مل جائے۔

”دراحدہ تحقیق“ نے ”گل رحنا“ کا وہ نسخہ ایڈٹ کیا ہے جو مشفق خواجہ کو دہی احمد بکھاری نے دیے طویل مقدمہ میں وہی پرانی رٹ کر نو در یافت کلام کا فلاں حصہ میں نے دریافت کیا ہے وغیرہ۔ افسوس صرف اتنا ہے کہ مشفق خواجہ صاحب کو اور کوئی شخص نہ ملا جو ایڈٹ کرتا۔ توفیق صاحب کے مقدمہ کا کیا بنا؟ اکبر علی خان صاحب نے جس طرح خطوط غالب کو دیا ہے کیا توفیق نے اسے خاموشی سے گوارا کر لیا؟ سو کی جگہ ہزار نسخے چھاپے تھے اس کا ثبوت پریس سے مل سکتا تھا کیا اس پر بھی وہ خاموش ہے؟

آخر میں مجھے محترم جناب لطیف الزماں صاحب کا تذکرہ سے شکریہ ادا کرنا چاہئے کہ ان کی تحریک سے ”دیوان غالب بخلاف غالب لکھی امر وہ“ کی وہ داستان جو ”مقتضیٰ دلگاہِ رفاقیہ نیاں“ میں بجلی تھی پھر مرتب ہو کر سامنے آگئی میں تو مدت سے دوسرے کوچوں میں بھگ رہا تھا اگر لطیف صاحب آواز نہ کرتے تو شاید یہ افسانہ نوشہ ہی رہ جاتا۔ لطیف صاحب کا اس لئے بھی ممنون ہوں کہ ان کی اپنی ہی تحریروں سے بہت سی باتیں روزِ روشن کی طرح عیاں ہو گئیں اور جو الزام انہوں نے میری کردار کشی کے لئے تراشے تھے وہ خود ان کے ہی بیانات سے غلط ثابت ہو گئے۔ پھر بھی چند لکھتے رہ گئے اگرچہ اپنے اُزروئے منطق ان کی محنت و صداقت کا بھی کوئی اعتبار نہیں رہا پھر بھی مختصر اعرض کر دوں۔

(۱) لطیف الزماں صاحب کا محمد طفیل مرحوم سے تعارف میں نے کرایا تھا اور یہ پہلی بار ان سے ۱۲۶ اکتوبر ۱۹۶۷ء کو ملے تھے۔ تعلقات میں کسی قدر استواری بہت بعد میں پیدا ہوئی۔ محمد طفیل مرحوم اُن کے رویے سے ناخوش بھی رہے اور مجھ سے وہ الفاظ میں کئی بار شکایت بھی کی میں دیوانِ غالب چھپ جانے کے بعد اس سارے قلمی کو قطعاً بھول چکا تھا۔ دنیا میں اور بھی ہزاروں کام ہیں ہزاروں غم ہیں ایک عیاض کے پیچھے خواہ وہ غالب ہی کی کیوں نہ ہو ساری زندگی تو نہیں بتائی جاسکتی وہ مجھ سے بعض تفصیلات پوچھا کرتے تھے تو بھی مجھے یاد نہ آتا تھا کہ کیا ہوا کیونکر ہوا؟ اب لطیف صاحب نے فہم کے دے کر حافظہ کو بیدار کیا اور سارا سر و سامان بھی خود ہی فراہم کر دیا۔

(۲) لطیف صاحب کا یہ فرمانا کہ ان کے اور بیگم طفیل کے سامنے محمد طفیل مرحوم نے مجھے پانچ ہزار روپے بطور معاوضہ چھ ہزار روپے برائے توفیق احمد اور آٹھ ہزار روپے برائے مالک دھام صاحب (کل انیس ہزار روپے) دیئے تھے ایسا جھوٹ ہے جو وہی شخص بول سکتا ہے جو خدا کے وجود اور آخرت کے حساب کتاب کو ایک دھوکسہ سمجھتا ہو انہوں نے اپنے عالم خیال میں ایک مغل سہائی اور اس میں بہائی مسلح کو بھی شریک کر لیا، مادی دنیا میں

اور خارجی وجود میں تو کبھی مشکل صاحب نے اتنی بڑی رقم مجھے دی نہیں اس وقت (۱۹۷۰ء) کے انیس ہزار روپے آج کل کے دولاکھ روپے کے برابر تھے۔ اگر یہ رقم میرے ہاتھ لگتی تو ایسی فقیرانہ شان سے کیوں رہتا جیسے اب زندہ ہوں نالک دھام صاحب کو اب میں سال بعد اس پر یقین کرنے کے لئے آبادہ کر رہے ہیں۔ مگر انہوں نے کبھی مجھ سے یا کسی دوسرے شخص سے کلڈ بھی اس امانت کے نہ ملنے کی شکایت نہیں کی۔ جب کہ یہ دو پیسے دینے کے بعد محمد طفیل مرحوم ۱۵-۱۶ سال تک زندہ رہے اور ان کی زندگی میں میں نے تین بار لاہور کا سفر بھی کر لیا۔ ایسا جھوٹ بولنے سے کیا حاصل ہو چلتا تو کبار یک بھی نہ سکے۔ لطیف صاحب کو شاید میرے اور محمد طفیل مرحوم کے تعلقات کی نوعیت بھی معلوم نہیں۔ میرے دل میں ان کی طرف سے اگر کوئی دشمنی پیدا ہوئی تو صرف لطیف صاحب کی وجہ سے۔ اور میں ان سے کبھی کہتا تھا کہ انہیں سمجھاتے کیوں نہیں؟

(۳) لطیف صاحب نے لکھا ہے کہ میں نے ”نفوذ“ کے تین سو نئے سو روپے فی لکھ کے حساب سے ہندوستان میں بچے لئے ۹۰ ہزار کے ہوئے (یعنی آج کے ۷-۸ لاکھ روپے) اگر اکبر علی خاں صاحب اور لطیف صاحب کے تحفہ خوں کو بار کر لیا جائے تو مجھے کروڑ پتی ہونا چاہیے جس کی بھاری جائیداد ہندوستان اور پاکستان دونوں ملکوں میں موجود ہو۔ میں لطیف صاحب کے تمام مصارف برداشت کرنے کو آمادہ ہوں تو ہندوستان آئیں اور جس طرح چاہیں میرے احوال اور اسوال کی تحقیق و تحقیق کر لیں۔ اگر میں ۱۹۷۰ء سے اب تک ہر زمانے میں مقررہ پانچاؤں کو جتنا قرض ہو وہ اوکو دیں اور جو وہ کہتے ہیں وہ دولت میرے پاس ۹۰ بت ہو جائے تو سب ان کی ملکیت ہوگی۔

(۴) لطیف صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے ”رہنما“ کے لئے محمد طفیل مرحوم سے دس ہزار روپے طلب کئے تھے اس سے وہ مرحوم اسنے آزرہ ہوئے کہ ہر لمحہ سے بات بھی نہ کی۔ اگر ہا قرض طلب بھی کئے ہوں تو اس میں عیب کیا ہے؟ آپ بھڑکوتے

کو سوہنی کو فلی کو بھی ضروری دیے بغیر کام نہیں لے سکتے ایک اہل قلم اگر اپنی محنت کا معاوضہ طلب کر لے تو یہ باعث شک و عار کیوں ہو؟ واقعہ یہ ہے کہ میرے بیشتر مضامین نقوش میں چپے ہیں اور میں نے کبھی مضمون کے معاوضے کے نام پر مرحوم سے ایک پیسہ بھی نہیں لیا۔ صاحب دوستوں و رول والا معاملہ تھا۔ لطیف صاحب کو وہ ٹکس کا معاوضہ دس ہزار روپے پیش کر رہے تھے تو کیا یہ رقم ان سے میں نہیں مانگ سکتا تھا؟ رسول نبر میں میری تین کتابیں اور دو مضامین شامل ہیں۔

(۵) لطیف صاحب ایک طویل ٹیکس درج کر کے فرماتے ہیں کہ میں نے ان حضرات سے ٹکس فراہم کرنے کا ذکر نہیں کیا۔ میں ایسا کم طرف اور چھوڑا نہیں ہوں کہ جو بھی ملتا اس سے لازماً اس کا ذکر کرتا۔ یہ معاملہ میرے اور طفیل صاحب کے درمیان تھا دنیا کو گواہ بنانے کی کیا ضرورت تھی؟

میرے لئے یہ بہت ہی ناگوار اور بوجھل کام تھا کہ لطیف صاحب کی مخالفت یا تردید میں قلم اٹھاؤں۔ مجھے سید انیس شاہ جیلانی نے مجبور کیا اور خود لطیف صاحب میری دود کے لئے آگئے۔ اللہ دونوں حضرات کو جزائے خیر دے۔

آخر میں قارئین سے دو گزارشیں ہیں: میرے سامنے بہت سے ضروری کام ہیں جو خود احمورے پڑے ہیں اور فحش عمر اپنی دوش میں ہے اس لئے آئندہ اگر لطیف صاحب کوئی اشتہلا چھوڑیں تو مجھے جواب دینے کے لئے مکلف نہ سمجھا جائے۔

دوسری التجا یہ ہے کہ آئندہ جو حضرات دیوان غالب کے اس قفسے پر قلم اٹھائیں وہ میرے کرم فرما لطیف الزماں صاحب کو کسی نامناسب لفظ سے یاد نہ کریں۔ یہ مجھ پر کرم ہوگا۔

پروفیسر نثار احمد فاروقی

Prof. N.A. Farooqi

۲۰ جون ۱۹۹۰ء

Post Box No 9723

New Delhi-110025

نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵

[ایک نقل تو حضرت نے اپنے مضمون کی مجھے بھجوائی اور ایک دہلی کے کسی پرچے میں مچھوادی، میں نے یہاں "طلوع انکار" کو اطلاع دی جواب عماردہ دہلی پرچے سے مضمون "طلوع انکار" میں نقل ہوا جس کا ابتدائی حصہ میں نے یہاں شامل کر لیا۔ انھیں ۱۱۰ نومبر ۱۹۹۰ء کو محمد آباد تحصیل صادق آباد]

آپ کی مسامی رنگ لائیں اور آپ نثار احمد فاروقی صاحب سے جواب آں غزل لکھوانے میں کامیاب ہو گئے مگر جب انکے طلوع انکار اس مضمون کو اپنے آنکھ ہمارے میں "کتاب نما" کے حوالے سے نقل کر رہا ہے کہ نقل کفر۔ آپ نے جو مضمون خاں صاحب کے خطوط سے مرتب فرمایا ہے وہ ادارہ کے کاتب ست کام تاخیر رقم کے حوالے کیا جا چکا ہے۔ تاخیر سے کسی لیکن ان شاء اللہ شائع ضرور ہوگا۔

[میں نے انجمن طلوع انکار کراچی نام ۱۳۶/۱۸/۱۹۹۰ء]

آپ نے "طلوع انکار" کی نقل بھیج کر میرے ۱۲-۱۵ دن خراب کر دیئے میں نے کچھ کٹ کر آپ کو بھیجا تو آپ نے نفس موضوع کے بارے میں کچھ نہ لکھا، ادھر ادھر کی باتیں کر دیں، آپ کے دوست جو اردو کے دردغ گو یوں کی تاریخ لکھنا چاہتے تھے خود کیا نظر آئے؟ آپ کو اپنی رائے تو ضرور دینا تھی وہ مضمون آپ صرف طلوع انکار کو بھیج سکتے ہیں اور کسی کو نہ بھیجیں۔ میں نے اب اس میں کچھ اور اضافے کر دیئے ہیں اگر ابھی اشاعت

روک لیں تو اور بھی اچھا ہے۔ آپ نے دیوان غالب، بظہ غالب کے بارے میں پوچھا کہ اب وہ کہاں ہے؟ اصل نسخہ آج بھی اکبر علی خاں مرثی زادہ کے قبضہ قدرت میں ہے۔ دیکھئے کب ظاہر ہو۔ شفیق الحسن فضلی بھوپالی جنہوں نے نسخہ بچا تھا بس کچھ یوں ہی سے آدمی ہیں، میری اُن سے ملاقات نہیں ہے۔ نہ اُن کے بارے میں کچھ تحقیق کیا، نسخہ مرثی زادہ (مطبوعہ) تو بس مرثی زادہ صاحب سے ہی مل سکتا ہے۔

[ڈاکٹر احمد فاروقی عام انیس ۱۱۳۱/۱۹۹۰ء]

آپ دہلی آئے، دس پندرہ دن میرے مہمان رہ کر میری نقل و حرکت کا معائنہ کیجئے، پھر شکایت کیجئے۔ اتنی سی بات آپ کے ملاتی دوست نے بھی سمجھ کر نہ دی اور آپ بھی اُن کے نقل قدم پر چل رہے ہیں۔ اب ۱۳ جنوری کے مکتوب میں آپ نے یہ شکایت کی ہے کہ اپنا جواب مجھے چھوڑ دینا تھا تو آپ کو نقل بھجوانے کی کیا ضرورت تھی۔ آپ کو نقل اس لئے بھیجی تھی کہ وہ آپ کی فرمائش اور تحریک سے لکھا گیا اور نہ میں اسے نہ تلاش کرتا نہ پڑھتا، میں نے بھی یہ نہیں چاہا کہ آپ سے پچھانے پر اپنا روپیہ خرچ کریں۔ اتنی زحمت دی تھی کہ مجھے طلوع انکار کا پتا معلوم نہیں ہے، آپ وہ مضمون پڑھ کر انہیں بھیج دیں تاکہ ”تقصیہ زمین بر سر زمین“ طے ہو جائے۔ مارگریٹہ و ازریہ سمان مترجم۔

[ڈاکٹر احمد فاروقی عام انیس ۱۱۳۱/۱۹۹۰ء]

[میرزا وارث، جواب مضمون کتابچے کی نقل میں چھوڑنے کا اس وقت بھی تھا]

[انیس ۱۱۳۱/نومبر ۱۹۹۰ء، صفحہ ۱۰۴]

منشی کا شمارہ جھلائی میں وارد ہوا اس میں ہمارے دو خط بھی تو ہیں۔ یہ محض سمجھوتوں کی بات ہے، ورنہ ہم نے ایسے کون سے فلسفے بگھاڑ دیے تھے جن کا طلوع انکار بھی موصول کر چکا ہوں، جھلائی کا انتظار ہے کیا عجب اس میں وہ پروفیسر لطیف الزماں کے لطائف میرے مرتب کردہ چھپ گئے ہوں۔ لطیف الزماں خاں کے جواب اور ڈاکٹر احمد فاروقی کی

معاذت میں بھی مواد موجود ہے میں تو چاہتا ہوں کہ آپ کے ہاں چھپے لیکن در سال تو پورے
اجتہاد سے آئے گا۔ خط کی رسید کی رسم بھی تو ڈالنے۔ دل لگا ہوا ہے زیادہ حد ادب۔

[انہیں عام حسین انجم مطبوعہ، نانہ، طلوع افکار کراچی، اکتوبر ۱۹۹۰ء]

محترم نثار احمد فاروقی صاحب نے جو مضمون میرے بارے میں لکھا ہے وہ میں
اب تک حاصل نہیں کر سکا۔ ایک عزیز سے صرف اطلاع ہی ملی۔ جب مضمون مل جائے گا
پڑھ لوں گا۔ یوں تو مجھے اعزاز ہے کہ انہوں نے کیا لکھا ہوگا۔ میرا مضمون ”دیوان غالب
بخط غالب“ روداد اشاعت چھپنے سے قبل کئی احباب نے پڑھا تھا۔ ایک صاحب نے کہا
”کویرا کی ڈم پر پاؤں رکھ دیا ہے تم نے“۔ دوسرے صاحب نے کہا ”گندگی میں اینٹ
بچھکنے کا اہتمام جانتے ہو؟“

ان اور ایسی باتوں کے باوجود میں نے مضمون شائع کر لیا اس کا رد عمل شدید ہوا
گا۔ آپ ان کا مضمون ضرور شائع کیجئے۔ اگر ادب کے حوالے سے یا غالب کے حوالے سے
کوئی بات ہوئی تو میں جراب لکھوں گا اور اگر گالی گلوچ ہے تو خاموش رہوں گا۔

انہیں شاہ جیلانی صاحب سے کبھی ملاقات نہیں ہوئی۔ ہاں خط آتے رہے ہیں
جواب لکھتا رہا۔ ان میں ایک عجیب عادت ہے کہ وہ ہر بات کو گریہ تے ہیں۔ یقیناً خدائے
توہم صاحب کے خطوط جوان کے نام ہیں پڑھ لیجئے۔ دیوان غالب ہی کے سلسلہ میں انہیں
انہیں لکھتا رہا اور رنج ہو گیا اور درخواست کی کہ میرے خطوط واپس کر دیں جواب آیا کہ بھار
دیجئے اور اب وہ میرے خطوط سے مضمون ترتیب دے کر چھاپ رہے ہیں۔ پھر ایک وقت
ایسا بھی آیا کہ انہوں نے بے تکلف ہونے کی کوشش کی جسے میں برداشت نہیں کرتا۔ ان کا
کارڈ آتا رہتا ہے مگر میں جواب نہیں دیتا۔ آپ کا پی چاہے تو چھاپ دیجئے۔ میں ادب
نہیں ادب کا طالب علم ہوں۔ میں نے ہمیشہ تحریر کے پیچھے غصے کو تلاش کیا ہے۔ اور خطوط
میں کبھی کہیں ذکر آ گیا یا نفی کھنگھوں تو میں اپنی رائے کا اظہار کئے بغیر کبھی نہیں رہا۔ میری

ایک رائے ہے اور مجھے اس کا حق حاصل ہے کہ میں ایک رائے قائم کروں اور اس کا اظہار بھی۔ انھیں شاہ صاحب تو بڑے پاکمال انسان ہیں انھیں ایک شوق ہے کہ وہ بڑے لوگوں سے اپنے نام خط لکھواتے رہے ہیں۔ میر صاحب 'نیا ذوق' ہماری صاحب 'مولوی عبدالحق صاحب' وغیرہ اور پھر انھیں شائع کرتے ہیں۔ مجھے اعزاز ہے کہ وہ میر صغیر کے کیسے اور کن ادیبوں کو خط لکھتے ہوں گے۔

۱۹۳۶ء سے اب تک معلوم نہیں کتنے ادباء و شعراء سے ملا ہوں۔ کم لوگوں کو اچھا انسان پایا۔۔۔ ہمارے ادیبوں کی بڑی تعداد ایسی ہے جو اچھے انسان نہیں ہیں۔ ترقی پسند ناقدین نے کتنے ہی شعراء اور افسانہ نگاروں کو ہانس پر چڑھایا۔ ساحر لدھیانوی ہوں یا قتیل شطائی ہیں تیسرے درجے کے شاعر مگر آپ دیکھئے ہمارے ناقدین نے انھیں کیا ثابت کیا۔ میں شروع کے گیارہ سال کراچی رہا ہوں اور ترقی پسند مصنفین کے پہلے جلسے سے لے کر آخری جلسہ تک ہر ایک میں شریک ہوا ہوں۔ اگر اس زمانہ میں جن لوگوں سے ملتا تھا ان کے بارے میں لکھوں تو سوائے نرسوائی کے کیا ہاتھ آئے گا۔ ایک معمولی سا واقعہ سنئے۔ بندر روڈ پر جس فلیٹ میں ترقی پسند مصنفین کے اجلاس ہوا کرتے تھے اس فلیٹ کو مزین اثری صاحب نے بگڑی پر اٹھا دیا اور جو رقم ملی وہ لے کر لاہور چلے گئے۔ کسی نے اس بات کو نہیں لکھا۔ اب اگر آپ میرا یہ خط شائع کریں تو ظاہر ہے اثری صاحب کو یہ سچ اس طرح کڑوا گئے گا جس طرح ناراضہ فاروقی صاحب کو یا ان ادیبوں کو لگے گا جن کے بارے میں چند فقرے بے تکلفی میں لکھ گیا ہوں۔

آپ کے علم میں ہے کہ غالب میرا پہلا اور آخری عشق ہے۔ کوئی کتاب یا مضمون شائع ہو تو خریدتا اور پڑھتا ہوں۔ انھیں ناگی صاحب کی کتاب غالب پر آئی۔ پڑھی تو سخت بد مزہ ہوا۔ نہایت بے ہودہ کتاب۔ یاد ہیں کہیں کشور ناہید کے خط میں ذکر کر رکھل آیا۔ میں نے وہی کچھ لکھا جو میری سمجھ میں آیا۔ کشور نے مجھ سے پوچھا یہ خط انھیں ناگی کو

دکھا دوں۔ میں نے جواب دیا کہ جب میں خط لکھ چکا تو وہ آپ کی ملکیت ہے جو جی چاہے سو کیجئے۔ تو صاحب بات یہ ہے کہ مجھے بالکل پرواہ نہیں کہ کوئی صاحب میرے خطوط کیوں چھاپتے ہیں۔ اب وہ ان کی ملکیت ہیں جو چاہیں سو کریں۔

”دیوان غالب بظہر غالب“ روداد اشاعت میں نے ”ارتقاء“ میں چھپنے کے لئے دیا تھا۔ دوستوں نے اسے رد کر دیا۔ اور کیسے کیسے دوست محمد علی صدیقی، حسن عابد اور راحت سعید۔ میں نے غرا نہیں مانا۔ صرف غالب کے خطوط کے تراجم تو شائع ہوئے اس کے بعد بشر صاحب نے کئی بار خط لکھا میں نے ایک لفظ انہیں لکھ کر نہیں بھیجا۔

میں نے ایک کتاب کا ابتدائیہ لکھا ہے پھپ جائے تو دیکھ لیجئے گا میں نے ثابت کیا ہے کہ آل احمد سرور صاحب، محترم اسلوب احمد انصاری صاحب، ڈاکٹر حسین الرحمن اور ڈاکٹر ابن فرید سب جھوٹ بولتے ہیں۔ یہ وہ بات ہیں کہ تو میں کے تو ان جوں کے بھاری جھپیں کے چٹائیں کے کہ دیکھو یہ لکھ دیا وہ لکھ دیا۔ مگر میں سچ بولے بغیر نہیں رہ سکتا۔ میں ادب کا طالب علم ہوں اپنی رائے محض اور شاعر کے بارے میں دیے بغیر نہیں رہ سکتا۔

آپ سے ایک درخواست ہے کہ ڈاکٹر ثار احمد فاروقی صاحب کا مضمون ضرور چھپائیں لیکن میں نے مالک خطوط کا خط جو میرے نام ہے اور جس کا عکس میں نے انجم صاحب کو بھیجا ہے اسے ضرور شائع کر دیجئے۔ اور اگر کوئی مصلحت ہے کہ وہ اسے جسں چھاپتا چاہے تو واپس کر دیں میں اسے کہیں اور چھپا دوں گا۔ تو فیض احمد کو وہ خط ثار احمد فاروقی اور اکبر علی خاں دونوں کے اصل چہرہ کو ظاہر کرنا قصور کے دو نرغی ہیں کیوں غیر از غ کیوں سامنے نہ آئے۔ (لطیف الزماں خاں عام حسین انجم، مملوہ، دار طووس، لاہور، دسمبر ۱۹۹۰ء)

حضرت میں نے تو خبر کر دی تھی کہ ثار صاحب نے بھی ایک نقل مجھے فراہم کر دی ہے آپ نے کوئی رسید ہی نہ دی تو میں کیا کرتا۔ یقین جاسے وہ جو لطیف الزماں خاں کے خطوط مرتب کر کے اور سال کئے تھے میں نے وہ تو مجھے یاد ہی نہ ہے۔ اچھا ہے اگر وہ آپ

کے یہاں چھپ جائیں۔ چھپائی اور واحدی کے خطوط بھی بھجوا سکتا ہوں۔ ایک بہت ہی مزے کا خاکہ قیصر حسین کا لکھا ہوا برطانیہ سے وصول کر کے طلوع افکار کی غذر کردہا ہوں اسے من و عن قرب ترین اشاعت میں چھاپ ڈالنے پر سید چوں کا آپ کم کم دیا کرتے ہیں اس لیے پیش کردہ پوسٹ کارڈ حوالہ ڈاک کروا دیجئے گا۔

[انجمن نظام حسین انجمن مطبوعہ دار طلوع افکار کراچی نومبر ۱۹۹۰ء]

مجھے احباب نے بتایا کہ آپ نے میرا مضمون ”دیوان غالب بخط غالب“ روزنامہ اشاعت اپنے ستر ماہ نامہ ”طلوع افکار“ میں رسالہ ”کتاب نما“ دلی سے نقل کیا ہے۔ خوشی ہوئی اور آپ کی شرافت و فہم کا قائل ہوں۔ میں نے بدیع مجبوری اس کا جواب لکھا تھا اور آپ کا پتا معلوم نہیں تھا اس لئے یہاں ”کتاب نما“ کو دے دیا۔ آج ہی آپ کا ایڈیٹر دفتر ”کتاب نما“ سے حاصل کیا ہے۔

”لطیف الزماں صاحب کے جن خطوط کے اقتباسات میں نے درج کئے ہیں ان میں ایک لفظ کی بھی کمی بیشی تحریف، تھیف، ترمیم یا تبدیلی نہیں کی ہے صرف وہ عبارتیں اخذ کر لی ہیں جو ”دیوان غالب“ سے حلق ہیں اور ان سب خطوط کے نو نوکر پاکستان میں ایک ستر ادارے کو بھیج دیے ہیں کہ جو صاحب تصدیق کے لئے خط و یکٹا چاہیں وہاں دیکھ لیں۔ اس ادارے کا پتا بھی سب کو وقت پر معلوم ہو جائے گا۔ اصل خطوط ہندوستان میں ایک بڑی قومی لائبریری میں محفوظ کر دیے جائیں گے تاکہ کچھ غلطیوں سے محفوظ رہیں۔

میں نے اپنے مضمون میں لطیف صاحب کے اصل الفاظ کو بھی باقی رکھا تھا مثلاً ”میعاد (معیار) فصل بدل (فہم البدل) معمر (مأمور) مگر آپ کے نسخے نے صحیح کر کے مزہ کرکرا کر دیا۔

اس مضمون کو پڑھ کر بہت سے لوگوں نے اپنے تاثرات لکھ بھیجے ہیں۔ یہاں صرف تین حضرات کی تحریروں سے کچھ اقتباسات آپ کی دلچسپی کے لئے پیش کرتا ہوں:

(۱) . توفیق احمد قادری چشتی: نوارِ فروزشِ اسرارہ (یہ وہی ہیں جنہوں نے دیوان غالبِ حظل غالب گیارہ روپے میں بھوپال کے شفیق احمد فصلی سے خریدا تھا۔ یہ آج بھی اس مخطوطے کے جائز مالک ہیں مگر مخطوطان کے قبضے سے نکل چکا ہے):

— آپ کا مسودہ بڑے غور سے مطالعہ کیا۔ خوب جواب دیا ہے۔ بہت سے انکشافات سامنے آ گئے ہیں مجھے ابھی تک معلوم نہیں تھے۔ آپ تحریر فرماتے ہیں کہ تین بار پارلیمنٹ میں سوال کرائے۔ حضرت اس کا اثر تو میرے اوپر پڑا تھا ہی آئی ڈی کے لوگ میرے پاس آتے تھے اور مجھ سے سوال جواب کرتے ہیں (گذا) اس وقت کا منظر جو ہوتا تھا وہ میں ہی جانتا تھا۔ اس مصیبت میں تو ہم دونوں شریک ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ حق کا ساتھ دیتا ہے۔ آپ اس مضمون میں میرا ذکر ضرور کریں۔ مالکِ مخطوط (بقول اکبر علی خاں) ایک جاہل شخص (کو مصیبت میں ڈالنا کتنا بڑا جرم ہے۔ مگر اس "جاہل شخص" کی مدد میرے اللہ نے کی۔ میں اکیلا ہی اپنی کجھ کے مطابق ان سے ہاتھیں کرتا تھا۔ ایک جاہل شخص کے لئے یہ کتنا مشکل کا وقت ہوگا۔

سب سے بڑی مصیبت میرے لئے تھی آپ کے لئے نہیں۔ مخطوطہ کا الزام اکبر علی خاں نے میرے اوپر اسمگلنگ کا لگایا تھا جیسا کہ اس کے نوٹس سے عیاں ہے۔ آپ نے اس مضمون کو بہت کچھ تھنچ چھوڑ دیا ہے۔ اکبر علی خاں کے نوٹس کا مطالعہ اور کر لینے تو اور مزہ آ جاتا۔

(۲) جناب مظہر امام: (درہنگ) — آج مکتبہ سے گشت اور حقیر کا کتاب لہا لایا اور ایک ہی نشست میں آپ کے مضمون کی دونوں قطعیں پڑھ گیا۔ طبیعت بے حد خوش ہوئی۔ یہ ایک فرض کفایہ تھا جسے آپ نے ادا کیا۔ اس کی واقعی ضرورت تھی۔ لطیف الزماں کے مضمون سے بڑی غلط فہمیاں پیدا ہو رہی تھیں۔ میں کچھ نہیں سکا کہ آخر ان کے مضمون کا محرک کیا تھا۔ دوستی کی دہائی دینے کے بعد ایسی حرکت انہوں نے کیوں کی۔ مضمون

زیادہ تر لطیف صاحب کے خطوط پر مشتمل ہے لیکن آپ کی جتنی بھی تحریر ہے وہ بے حد خوب صورت ہے۔ مبارک باد۔

(۳) ہودیال سنگھ بھل: موہاں چٹری گزہ۔ آپ کا مضمون ”دیوان غالب“ نظر غالب“ (رواداد شاعت) ”مطبوعہ ماہ نامہ“ کتاب نمائے پایت شہرہ اگست ۱۹۹۰ء ہامبرہ نواز ہوا۔ مکتور بلکہ مکتور چڑھا۔ ہر مرتبہ نیا لطف پایا۔ لکس مضمون اور پھر حسن بیان ”سبحان اللہ“ ایسے مضمون کے لئے ایسا ہی قلم مطلوب تھا۔ حق تو یہ ہے کہ حق ادا ہو گیا۔ خوب خبر لی ہے آپ نے ”جناب فراڈ کی“۔ قبلہ یہ الفاظ میرے نہیں میرے ایک شناسا کے ہیں۔ اسے کہتے ہیں وصول کی پول کھولنا۔ واقعی جاوودہ جو سرچہ کر بولے۔ مہیا وغیرہ ہی اپنے گسترہ دام میں پھنس کر ضیہ ہو گیا۔ جاہ کن را جاہ در پیش۔ آپ نے اختتام مضمون پر فرمایا ہے: ”میرے کہ مہر لطیف الزماں صاحب کو کسی نامناسب لفظ سے یاد نہ کریں۔ یہ مجھ پر کرم ہوگا۔“

قبلہ۔ قارئین پر یہ قدغن کیوں؟ کیا قارئین کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہوتا دیکھ کر اپنے تاثرات کا اظہار کر سکیں۔ احقر کو تو آپ کی طواہش کا احترام ملحوظ ہے۔ لیکن کس کس کی زبان بندی کی جائے؟

ایک دوست نے مضمون چڑھ کر معاف کیا: ”بھئی ہمیں تو یہ قسم کے دھرماتما پن کی بات پسند نہیں۔ قاروقی صاحب کیوں خاموش رہنے کی تلقین فرما رہے ہیں۔“ مزید فرمایا: کثیف الزماں۔ یا اللہ ماں کی کثافت اور کثیف اشباہت پر پریشانی پر وہ کیوں ڈلا جائے؟ کسی کو قصور ادب میں کثافت پھیلانے کا حق کیوں دیا جائے؟ ایسے کردار کشی کے عکسین سناٹے میں خود مسدودت کا سوال کیوں کر پیدا ہوتا ہے۔ قبلہ ہم پنجابی ڈانچے نکھنوی اور دہلوی (خیراب تو دہلی کا حراج پنجابیت کا حال ہو چکا ہے) غصہ و لطافت کیا جانیں؟ ہم تو محض ایک عی کلچر یعنی انگری کلچر جانتے ہیں۔ البتہ حق کی پاسداری ہمارا ایمان ہے۔ ہم

غالب کے طرف دار نہیں جب سخن مسترانہ بات آن پڑے تو منصور دار اور سقراط کی طرح سر یکٹ بھی ہیں۔

آپ کی درامات نظر سے گزری تھی۔ اپنے محدود علمی مطالعہ کے باعث مستفید نہ ہو سکا۔ میر کی سوانح نام تھا شاید۔ ذکر میر سے البتہ لطف اندوز ہوا تھا جس ماحول اور خطہ میں جہاں آج مقیم ہوں علم ادب بالخصوص اردو فارسی و عربی سے تو لوگ سراسر نا آشنا ہیں۔ پھر حافظ اپنا اندوختہ ضائع نہ کرے تو کیا کرے کس قدر حسرت ناک بات۔ قبلہ۔۔۔ گزارش ہے کہ اپنا تحقیقی، تنقیدی و علمی کام جاری رکھئے۔ آپ کے قلم کو ہر بار سے ہمیں بے شمار تحفہات ہیں۔ آپ کی تحریریں قوی اور بھری کا اثاثہ ہیں۔ آنے والی نسلیں فکر سے ان کا مطالعہ کریں گی اور سردشیں گی۔ آپ ایسے سر پھر سے دنیائے ادب کے شہزادے ہوتے ہیں۔ انھیں کے فیض سے ہزار محفل روشن ہے جو گاہ گاہ جنوں اختیار کرتے رہے

بقول کامو: It is the rebels in a society that make it dynamic (Camus)

کلمہ جس کو قدم قدم پر موجود ہیں۔ صحت مند اور ہمدردانہ نکتہ چینی اور تنقید کو تو ہم آہستہ و سہولت کہتے ہیں لیکن لطافت و کثافت ایک ساتھ گوارا نہیں۔
عربی تو میں پیش زغوفائے رقیباں
آواز سگان کم کلمہ رزق گداز
دیکھئے عظیم مباہری کیا فرماتے ہیں سچ اس معاملے کے:

۔ معترض کے منہ سے ہے کتا بندھا ہوا

اس لئے سننا پڑے گا غف غف

کس مزاج کے معترض؟۔۔۔ اور۔۔۔ "بڑے باپ کا چھوٹا بیٹا" صرف پدم سلطان خود؟
یہ آخری جملہ بھی انھیں صاحب کارشاد ہے۔

اس خط میں بعض الفاظ نامناسب آگئے ہیں، کچھ میں نے حذف بھی کر دیے ہیں اس کی اشاعت سے مقصود یہ ہے کہ ابھی ”بادشاہانہ“ کے کچھ سرست ادھر ادھر گوشوں میں پڑے ہوئے ہیں اور مع

افسانہ آں شے کہ پایارگزشت

آج بھی ان کی زندگی کا سرمایہ ہے۔ حالات کی بے رحمی سے یادوں کا یہ خزینہ کٹتا جا رہا ہے مگر ان کے مہد وفا کی استواری بدستور باقی ہے۔“

[نثار احمد فاروقی، عام مسین، انجمن مطبوعات دارالعلوم، انکار، کراچی، دسمبر ۱۹۹۹ء]

ایسا یاد آتا ہے کہ ۱۲۹ پرل کو میں نے آپ کو خط لکھا تھا اور اسی کے ساتھ دیوان غالب، بخت غالب کے خطوط کے مالک توفیق احمد صاحب کے خط کا عکس روانہ کیا۔ وہ آپ کو نہیں ملا۔ اب پھر اس کا عکس بھیج رہا ہوں۔ اسے آپ ضرور شائع کر دیجئے ورنہ مجھے آپ سے شکایت ہوگی۔

نثار احمد فاروقی صاحب نے خود تو کچھ لکھا نہیں، میرے خطوط سے اقتباسات شائع کئے ہیں۔ پہلے آپ شبابِ رودلوی صاحب کی بات سنئے:

”انہیں بہر حال کچھ تو لکھنا ہی تھا۔ اس موقع پر ان کی مولوی کی تعلیم

کام آگئی۔ جس طرح مولوی آیات قرآنی کو اپنے مقصد کے لئے

ادھر سے ادھر جوڑ دیتا ہے اسی طرح انہوں نے آپ کے خطوط کو

ادھر سے ادھر جوڑ دیا۔“

تو حضور والا آپ مجھے اور مولوی کو ایک ہی پلیٹ فارم پر کھڑا کئے دے رہے ہیں۔ آپ کے لئے مولوی بھی محترم اور میں بھی۔ نہیں بھائی میں محبت کا تاوان دے چکا آپ مولوی صاحب ہی کو محترم جانے۔

قبلہ مولوی صاحب نے میرے اٹھائے ہوئے سوالات کا جواب نہیں دیا۔

میرے ہی خطوط سے یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ میں نے غلط بیانی کی ہے۔ آپ دوسری قسط شائع کر لیجئے۔ میں اس کے بعد اس سلسلہ کا آخری مضمون لکھوں گا۔ آپ شائع فرمائیں گے؟ میں اس نسل کا پٹھان ہوں جو محبت کی خاطر ہر الزام اپنے سر لے لیتا ہے لیکن قرض ادا کئے بغیر مرتا نہیں اور قرض صرف دوپے پیسے کا نہیں ہوتا تحریر کا بھی ہوتا ہے۔

[لطیف الزماں خاں نام حسین انجم مطبوعہ ماہنامہ طلوع افکار کراچی دسمبر ۱۹۹۰ء]

مجی مظہر جمیل صاحب کا کرم نامہ پچھلے ہفتے آیا تھا اطلاع یہ کہ ڈاکٹر ثار احمد فاروقی صاحب کا مضمون جو انہوں نے ”دوبان غالب بخت غالب روداد اشاعت“ کے جواب میں طلوع افکار کے آنکھہ ثارے میں شائع کر دیا ہے۔ میں نے یہ عرض کیا ہے کہ مضمون ضرور شائع کریں لیکن توفیق احمد مالک خطوط کے خط کا ٹکس بھی ضرور شائع کر دیں۔ یہ خط میرے نام ہے اس خط کو اگر شائع نہ کریں گے تو مجھے شکایت ہوگی۔ اُمید ہے کہ آپ فخریت سے ہوں گے۔

[لطیف الزماں خاں نام حسین انجم مطبوعہ ماہنامہ طلوع افکار کراچی جنوری دسمبر ۱۹۹۱ء]

آپ کا ہر شمارہ نہ صرف یہ کہ پابندی سے شائع ہوتا ہے جو ایک نہایت ضروری چیز ہے بلکہ صوری اور معنوی حیثیت سے بھی جاذبِ نظر ہے۔ مجھے اعتراف ہے کہ میں لطیف الزماں خاں اور ثار احمد فاروقی صاحبان کی بحث کو بہت دلچسپی سے پڑھ رہا ہوں۔ کاش یہ دونوں حضرات اس امر پر بھی تفصیل سے روشنی ڈالیں کہ ”مخطوطہ“ ۱۹۶۹ء کا جعلی ہے۔ [محمد رضا کاکھی نام حسین انجم مطبوعہ ماہنامہ طلوع افکار کراچی مارچ ۱۹۹۱ء]

”دوبان غالب بخت غالب“ بڑی چمکا دینے والی تحریر ہے۔ ثار احمد فاروقی صاحب نے جو چمکا دینے والے اہم انکشافات کئے ہیں انہیں پڑھ کر حیرت ہوتی ہے کہ ہمارے قلم کار ذاتی منفعت اور شہرت کا اخلاق کے لئے دامن کس ”ذہنائی سے تار تار کر کے اتنی پست سطح پر اتر آتے ہیں کہ دیکھ کر حیرانی اور پشیمانی ہوتی ہے۔ بہر حال ابھی اس

مضمون کی پہلی قسط آئی ہے پھر مضمون شائع ہونے کے بعد شاید لطیف الزماں صاحب بھی اپنی صفائی میں کچھ وضاحت پیش کریں۔ یہ سلسلہ جاری رکھئے تاکہ اصل حقائق سامنے آسکیں۔ [سرور احمدی نام مبین، محکم مظلوم، نامہ مظلوم، انکار، کراچی مارچ ۱۹۹۱ء]

اس مزید (ابوالحسن جیلانی) نے مختصر گفتگو کی اور بات شروع کی تو مظلوم ہوا کہ محترم ثار احمد فاروقی صاحب نے جو کرم میرے حال پر کیا ہے وہ مظلوم انکار میں پڑتے رہے ہیں انہیں صرف ایک بات ناگوار گزری ہے کہ میں نے یہ کیوں لکھا کہ مرحوم طفیل صاحب نے انہیں انیس ہزار روپے دیئے تھے۔ میرا کہنا یہ ہے کہ بیگم طفیل بظلم زندہ ہیں فاروقی صاحب ان سے ترویہ کراویں میں ان سے ہی نہیں ہزار روپوں سے صفائی مانگ لوں گا۔ ایسے اور کی واقعات ہیں جو مجبوراً کسی موقع پر لکھنے پڑیں گے۔ مجھے اس کا بخاطر اہمال ہے کہ مجھے ان کی غلط بیانی کی وجہ سے وہ مضمون لکھنا پڑا اور وہ ایک جھوٹ کو چھپانے کے لئے جو ستر جھوٹ بول رہے ہیں بلکہ آخر پردہ چاک ہوگا۔ وہ کرب دکھا کر میری اطلاکی غلطیاں ضرور نکالیں لیکن میں ان کے کثرت بھی سامنے لے آؤں گا۔ ایک تو وہ عالم پھر عربی کے عالم وہ کیا کچھ کر سکتے ہیں مجھے اندازہ ہے۔

[لطیف الزماں خاں، نامہ ۲۸، ۲۹ مارچ ۱۹۹۱ء]

لطیف الزماں خاں اور ثار احمد فاروقی کے جھگڑوں کو مظلوم انکار کے صفحات پر پیش کرنے سے خود مندی کو کس طرح توانائی ملتی ہے میں نہیں سمجھ سکا۔ اب لطیف صاحب ترقی پسندوں کی بے شمار گزروں پر سے پردہ اٹھانے والے ہیں۔ میں صرف اتنا بتانا چاہتا ہوں کہ خاندان کے جھگڑے خاندان کے اندر ہی رکھے جاتے ہیں جو انہیں برسر عام کرتا ہے وہ سرخرو نہیں ہوتا۔ [سید مرتضیٰ کریم نام مبین، محکم مظلوم، نامہ مظلوم، انکار، کراچی اپریل ۱۹۹۱ء]

میں نے اپنے مضمون ”درجہ الہی غالب“ بخط غالب روداد شامت“ میں یہ لکھا تھا کہ محترم ثار احمد فاروقی صاحب نے میری اور بیگم طفیل کی موجودگی میں انیس ہزار روپے کی

رقم وصول کی۔ پانچ ہزار فاروقی صاحب کے لئے چھ ہزار توفیق احمد کے لئے اور آٹھ ہزار جناب مالک رام صاحب کے لئے تھے۔ فاروقی صاحب سے درخواست ہے کہ وہ اس کی تردید عظیم فطیل سے کروادیں کہ ان کی اور میری موجودگی میں انہوں نے انہیں ہزار روپے نہیں لئے۔ اس کا بہتر طریقہ یہ ہوگا کہ وہ اپنے بیٹے جاوید فطیل سے کہیں کہ وہ نفوش میں جس کے ایلے غر جاوید فطیل ہیں اپنی والدہ کی تردید شائع کرویں۔ برصغیر ہی نہیں پوری دنیا میں اردو بولنے والے لکھنے اور پڑھنے والوں سے دست بستہ معافی مانگ لوں گا بالخصوص فاروقی صاحب کے مدد اہلین سے۔

یکم جنوری ۱۹۹۱ء کو جب میں نے عظیم فطیل کو تھاپا کہ فاروقی صاحب انکار کرتے ہیں کہ انہوں نے فطیل صاحب سے انہیں ہزار روپے نہیں لئے تو وہ کہنے لگیں:

”جھوٹ بولتا ہے فاروقی۔ جس دن روپے دیے تھے اس سے دو دن پہلے فطیل صاحب نے میں ہزار روپے لا کر دیے تھے اور کہا تھا کہ ان میں سے انہیں ہزار ڈالر احمد فاروقی کو دینے ہیں۔ جو رقم آپ کی اور میری موجودگی میں دی تھی اب وہ اس سے انکار کرتا ہے۔ میرے مرحوم شوہر کو آپ کو اور مجھے جھوٹا کہتا ہے۔ شرم نہیں آتی اسے۔ فطیل صاحب نے اس کی اس وقت پرورش کی جب وہ پڑھا تھا۔ آج جب وہ اس دنیا میں نہیں ہیں تو وہ انہیں جھوٹا کہتا ہے۔ وہ خود جھوٹا ہے۔ میرا انصاف خدا کے ہاں ہوگا۔ میں نے تو جاوید سے کہہ دیا ہے کہ یہ شخص مجھے ڈراما اچھا نہیں لگتا اس سے کہہ دو یہاں نہ آیا کرے۔“

جب عظیم فطیل مندرجہ بالا باتیں کہہ رہی تھیں ان کی تین پوتیاں بڑے غور سے تمام باتیں کر رہی تھیں۔ تردید کروائیں فاروقی صاحب۔

توفیق احمد چشتی قادری (امروہ)

(توفیق احمد قادری چشتی امروہوی کے درج ذیل مکتوب کا تفسیر ہمیں ملیف

امراں خاں صاحب نے مکتبت فرمایا ہے جو ہم انہی کی ایماء پر شائع کر رہے ہیں)

آج مورخہ ۱۷ مارچ ۱۹۹۰ء کو مجھے ہندوستان دہلی سے نکلنے والا رسالہ اردو "شان ہند" شمارہ ستمبر ۱۹۸۹ء پڑھنے کو ملا جس کے چیف ایڈیٹر روپا پرکاش صاحب ہیں۔ انہوں نے "مطالع افکار" کراچی شمارہ مارچ اپریل ۱۹۸۹ء سے آپ کا مضمون بعنوان "دیوان غالب بظلم غالب" چھاپ دیا اور ساتھ ہی ساتھ ایڈیٹر موصوف نے یہ بھی اعلان کر دیا کہ اکبر علی خاں اور ڈاکٹر ثار احمد فاروقی صاحب قرار اختیار کئے ہوئے ہیں۔ گویا کہ ان کے منہ پر کھلم مہر سکوت لگی ہوئی ہے۔ آپ نے ان دونوں اخباردہوں کو برسر عام دنیا کے اردو کے روبرو بالکل برہنہ کر دیا ہے۔ آگے کے لئے آپ کا قلم خدا خیر کرے۔ ان دونوں ادبوں کے جسم پر اب پکڑے نہیں جواپنے جسم کوڑا حک لیں۔ ثار احمد فاروقی صاحب سے مجھے ابھی تک محمد طفیل صاحب مرحوم کی طرف سے چھ ہزار روپیہ دی ہوئی رقم میں سے پھوٹی کوڑی بھی نہیں ملی ہے۔ اکبر علی خاں نے میرے "دیوان غالب بظلم غالب" کو "عرشی زادہ" کے نام سے چھاپ دیا۔ مجھے اس نام سے اسی وقت سے نفرت ہے اور اہل ادب کو بھی۔ اکبر علی خاں نے اس کی ۱۰۲۵ کاپیاں طبع کرائیں اور اس کی قیمت اتنا انہوں نے ۱۰۵ روپے رکھی اس کے بعد اس نے اس کی کل ۱۰۰ کاپیاں پیک کو دکھائیں اور قیمت فی نسخہ ۳۰۰۱ روپے رکھی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ۱۰۲۵ کاپیاں فی نسخہ ۳۰۰۱ روپے کے حساب سے فروخت ہوا اس نے ان طبع شدہ حساب میں سے بھی ایک کوڑی مجھے ادا نہیں کی۔ اور آج تک اس نے مجھے "دیوان غالب بظلم غالب" کا اصل نسخہ واپس کیا۔ میں

دیوان غالب بخل غالب سے متعلق اہم ترین کاغذات کی فوٹو اسٹیٹ کاچیاں ارسال خدمت کر رہا ہوں تاکہ محقق کے سامنے تمام چیزیں رہیں اور کسی ایسے نتیجہ پر پہنچ کر دودھ کا دودھ اور ہار پانی کا پانی کر دے یہی اچھے محقق کے معنی ہیں!

آپ نے اپنے مضمون میں یہ دل آویز جملے میری طرف منسوب کر دیئے ہیں کہ اکبر علی خاں نے میرے جوتے مارنے بالکل غلط ہیں۔ مجھے ایسے جملوں سے صدمہ ہوا ہے۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ اکبر علی خاں نے مجھ سے رسید کھسوائی تھی اس کے بعد میں ان کے گمراہنا دیوان لینے گیا اس وقت انہوں نے مجھے کہیں بذیل حقارت آمیز جملے میرے لئے اور میری برادری و احباب کے لئے استعمال کئے۔ البتہ جوتوں کی نوبت نہیں آئی تھی۔ اس کے بعد اس کہنے حرام زادہ نے مجھے ایک بے ہودہ نوٹس دے دیا۔ میں شہر امر دہ کے سیاسی اور سماجی بزرگوں کو لے کر گیا ان کے اسلمہ گراں اس طرح ہیں۔ شرافت علی امر دہوی ایم اے ایل اے نے مارکسواڈی کمیونسٹ پارٹی جن کا انتقال ہو چکا ہے۔ دوسرے بزرگ سید محمد میاں رضوی مرحوم امر دہوی سابق تجزیہ بین میونسپل امر دہ۔ تیسرے بزرگ حامی غفر اللہ اسلام شوزمرچنٹ امر دہ۔ کیا ان کے سامنے اس کی یہ جرأت اور ہمت ہو سکتی تھی جو میرے جوتے مارتا ایک ہنگامہ ہو جاتا جو اس سے برداشت بھی نہ ہوتا۔

ہندوپاک کے ابوجہلی ذہنیت رکھنے والے نام نہاد شرقاء ہندوستان کی بسنے والی پیشہ ورا اقوام کو کہیں جیسے دل آزار جملے استعمال کر کے اپنی عافیت خراب کرتے ہیں۔ قوم شرقاء میں سے جب کوئی شخص بگڑتا ہے تو درجہ کہیں کی حدود پار کر کے دیہہ الٹیس تک سے آگے چلا جاتا اس وقت شیطان بھی اس سے پتا نہ لگنے لگتا۔ یہی حال ثار احمد فاروقی اوسا کبر علی خاں صاحب کا ہے۔ یہ دونوں ادیب نام نہاد شرقاء کے ہی فرز و عدا رہنم ہیں۔ اللہ کا شکر ہے کہ فلک کا قصور کا خلق میں ان کے خود آ رہا ہے۔ رسول عربی نے کہا تھا کہ مسلمان کی شرافت اس کے تنوے پر ہے نہ کہ نسب پر سچی کے جوں پر۔ اکبر علی خاں نے رضا الامری

کے اہم ترین مخطوطات اور وہاں کی ایرانی مغل پینٹنگ بھی اسٹاکنگ کردی ہے عرشی کے زمانہ میں۔۔۔ پینٹنگ تھیں اب ۳۰۰ بھی نہیں ہیں لاکھوں کروڑوں روپیہ اس نے کمایا ہے لوگوں کا اعزاز ہے اس کے پاس بے شمار دولت ناجائز ہے۔ میں آپ کی خدمت میں دو اشتہار بھی ارسال کر رہا ہوں یہ دونوں اشتہار رام پور کے دیواروں پر چسپاں ہو چکے ہیں اور وہاں کے اخبارات اکبر علی کو ہٹاؤ کر تو نے رام پور کی عزت برباد کردی ہے مگر بڑے بے عزت بے حس انسان ہیں۔ اگر کوئی نئی حقیقت آپ منظر عام پر لائیں گے مجھے ضرور ضرور ارسال فرمادیں میں نوازش ہوگی۔

نور علی احمد قادری چشتی امر دہوی

۳/۱/۹۰

ابھی ابھی میں لاہور آیا یعنی مورخ ۱۳ مارچ ۹۰ء کو داخل لاہور ہوا۔ یہ خط آپ کو لاہور سے پوسٹ کر رہا ہوں۔

[لطیف الزماں خاں حام حسین انجمن اہل علم و ادب لاہور کے صدر ہیں۔ ۱۹۹۹ء]

لطیف الزماں بقلم خود

اکاؤ کا تو ہمیں بھی اب لوگ جان گئے ہیں لطیف صاحب تو خامے معروف ہو چکے۔ جاننے اور پہچاننے میں ایک فرق ہے تو میں پروفیسر صاحب کو جاننے ہی کی حد تک ہوں۔ ملتان شریف ہائیکس خوبصورت چمکتی ٹھکان ہے نہ ہو لیکن دکن عالم بہاؤ الدین ذکر کیا شمس حمزہ تو بہت مشہور ہیں بلکہ ہاں سوال کا کہ بزرگان دین کے حضرات کے قصبے عام ہیں۔ رحیم یار خان سے لطیف الزماں خاں کا تعلق گورنمنٹ کالج ملتان کا ہوا تو وہ وہیں کے ہو کے رہ گئے۔ مستقل ٹھکانہ بھی ملتان شریف ہے اور کو سا بھی ملتان ہی کو جاتا ہے۔ "نامتقول ہستی" لطیف الزماں خاں کا جو بڑا کردہ ملتان کا نیا نام ہے۔ اور یہ آپ کے "طلوع افکار"

میں چھپ کر عام ہو چکا ہے۔

میرے گاؤں (جیڑا کوٹھ) سے رجم یا رخاں کا فاصلہ تیس میل ہی ہے۔ آتا جانا لگایا رہتا ہے۔ یہ محض اتفاق ہے ہم سے ان سے ملاقات نہ ہو سکی اور وہ اب تک نہیں ہوئی۔ ہم دونوں ہر بلا سے محفوظ چلے جاتے ہیں۔ مراسلت کا ڈول (گمان غالب کی ہے) میں نے ڈالا ہوگا۔ قدر مشرک لکھنے پڑھنے کے سوا اور کیا ممکن ہے۔ غالبؔ سے لکھتوں میں وہ مجھ سے کیوں بہتوں سے آگے ہیں۔ پڑھاتے وہ انگریزی ہیں۔ راجا حیدر الدوٹ سے ہے اور اب تو لکھتے بھی لگے ہیں۔ پروفیسر کے بہت سے خطوط شائع ہو گئے۔ میں نے ضائع کر دیے یہ جو تیس خطوں سے اقتباسات چھپی گئے جا رہے ہیں ان میں ذکر چونکہ بہت کچھ معروف لوگوں کا تھا اس لئے محفوظ رہ گئے۔ آگے چل کر لطیف الزماں خاں کوئی توپ چڑ بن جائیں گے۔ یہ جان اگر تو ایک ایک پڑھو جنت جنت کر رہتا۔ خاں صاحب ہاذک حراج بھی ہیں۔ میں تو کبھی کبھار لکھتا رہتا ہوں وہاں سے رسید نہیں آتی۔ اس لئے میرے ذخیرہ خانہ اودار میں اضافے کی کیا امید ہو سکتی ہے۔ لہذا جو کچھ ہے حاضر ہے اسے تقسیم جاسے۔ [انہیں میرا یاد فیصل صادق آباد]

ذیل مجھے پرفاضل مہدالودود صاحب کے علاوہ اور حضرات نے بھی لکھا ہے لیکن اسوس کر باوجود تلاش کے اس وقت کوئی دستیاب نہیں ہو سکا۔ دوسرے یہ کہ میں چاہتا تھا کہ ان مضامین کو پڑھ کر باقاعدہ ان ہی اگر افزہ کے حوالے آپ کو دے سکوں جہاں مطابقت پائی جاتی ہے لیکن مضامین نہیں ملے۔

نقوش (اکتوبر دسمبر ۶۶ء) میں فاضل مہدالودود صاحب کا ایک مضمون شائع ہوا تھا: ۱۔ حافظہ اور ذوال فارسی (صفحہ ۵۱۹) اور دوسرا مضمون تھا۔ غالب اور ذوال فارسی۔ یہ دوسرا مضمون "آج کل" (دہلی) میں شائع ہوا تھا۔ اب یاد نہیں آتا کہ شمارہ کون سا ہے اور کس سال کا۔ فاضل صاحب ہی صحیح بتا سکتے ہیں۔

تجلیہ غالب کے نام سے حکومت ہند نے آج کل کا انتخاب گزشتہ فروری میں شائع کیا تھا اس میں بھی قاضی صاحب کا مضمون غالب اور ذال فارسی موجود ہے۔ مگر یہ حاصل کہاں سے ہوا؟

عابد علی عابد صاحب نے کلیات فارسی (مطبوعہ مجلس ترقی ادب لاہور) کا دیباچہ بہت ذوروار لکھا ہے اس میں بھی ذال فارسی پر تھوڑی سی بحث ہے۔

یہ سب چیزیں اور قدرت صاحب کا مضمون آپ ملاحظہ فرمائیں تو بات بنے گی۔ ان کا یہ دعویٰ ہے کہ ایسا سرگز لاہر مضمون تو سو سال میں لکھا ہی نہیں گیا اور غالب پر صد سالہ جشن کے سلسلے میں جتنے رسائل نے نمبر چھاپے ہیں وہ سب مضامین ایک طرف اور قدرت صاحب کا مضمون ایک طرف۔ مگر پڑا قدرت صاحب حق کا ہماری ہے۔ اسے دردمخ خود کہہ کر نہیں والا جاسکتا۔ پریشانی یہ ہے کہ میں نہ تو مضمون نگار ہوں نہ محقق میں تو صرف طالب علم ہوں۔ اگر تحقیق میرا میدان ہوتا تو میں کوشش کرتا لیکن اب تو آپ جیسے حضرات حق کو سنہالانا پڑے گا۔

قدرت صاحب مولانا مہر عرشى صاحب اور مالک رام صاحب کے لیے کیا رائے رکھتے ہیں؟ یہ بات ممکن کا ہر وہ شخص جانتا ہے جسے ادب سے ذرا بھی لگاؤ ہے۔ میں ان کے الفاظ تو دہرا نہیں سکتا۔ مطہوم یہ ہے کہ غالب کو جس طرح قدرت صاحب نے سمجھا آج تک کسی اور نے نہیں سمجھا نہ ہے مہر عرشى اور رام تو یہ ابھی طفل کتب ہیں انہیں کیا معلوم کہ غالب کیا کہتا ہے۔ قدرت صاحب کے بقول غالب کو بھیننے کے لیے دو باتیں شرط اول ہیں کہ چڑھنے والا شید ہو اور قدرت صاحب کا سا ذہن رکھتا ہو۔ ممکن ہے وہ شرط اول کی قید بھی ہٹا دیں مگر ذہن بالکل قدرت صاحب کا ہو تو غالب سمجھ میں آ سکتا ہے۔^(۱)

آپ کی یہ بات درست ہے کہ قبیل پر اور اس عہد کے اور لوگوں پر کام کرنے کی ضرورت ہے۔ مگر وہی بات کہ مشقت کون کرے۔ آپ نے یہ خوب لکھا: ”نیا عنوان کوئی سوچتا ہی نہیں سید قدرت نقوی نے غالب کے مستقل انگریزی الفاظ چھانٹ کر بھی دروازے بند کر دیئے“ مگر یہ امر شاید آپ کے لیے باعث دلچسپی ہو کہ قدرت صاحب جن کا پرانا نام سید شجاعت علی عرف قدرت نقوی میرٹھی قہستانی صرف فنی فاضل پاس ہیں۔ انہیں انگریزی سے کیا واسطہ۔ خیر۔

آپ نے تو عنوان ڈھونڈ ہی نکالا اور عنوان بھی وہ جو کوئی اور شخص لکھتے ہوئے دیتا۔ مثلاً مہر صاحب آپ سے بلاوجہ تو خفا نہ ہوئے ہوں گے۔ وہ عمر کے اس حصے میں جہاں انسان اللہ اللہ زیادہ کرتا ہے۔ آپ نے کمال کیا کر تمام ”کالیوں“ اور اسی قبیل کے الفاظ کو جمع کر دیا اور یہ اس لیے بھی ضروری تھا کہ غالب انسان تھا۔ یہ جو یا ر لوگ اقبال کو علیہ الرحمۃ بنائے بھرتے ہیں اور فرشتہ ثابت کرنے پر تھے ہوئے ہیں۔ یہ اقبال کے دوست نہیں دشمن ہیں۔ غالب اگر گالی بکتا تھا تو اس لیے کہ انسان ہی یہ کام کر سکتا ہے من جملہ اور

گزشتہ سے بیست و ماہیہ

ذات کو بھی رقیب جان لیا تھا۔ جب ہی تو انہوں نے اپنے آپ کو بھی نہیں سمجھا۔ سب سے پہلے تو یہ کہ آپ نے عنوان کا ہر انتخاب کیا ہے وہ مصونیت کے لحاظ سے منفرد ہے۔ مضمون کے شروع میں بعض حصوں سے مجھے اختلاف ہے۔ مثلاً میں یہ تسلیم کرتے کہ تیار نہیں ہوں کہ غالب جیسے اسلوب القلم انسان جو کسی کو بھوکا نہ دیکھ سکتا تھا محض مطلب برآری کے لیے شمس الدین خاں کی جھلی کھاتا سہلہ جانیہ کا تھا لوگوں نے اگرچہ اسے قتل کے بعد اس نے گمزلے۔ فرشتوں کے لکھے پر غالب کو الزام دیا جاتا ہے کوئی ثبوت تحریری نہیں ہے۔ انگریزوں کی بھی غالب کیا کرتا تو اچھی طرح جانتا تھا کہ جب قبیل کے شاگرد ہری نہیں جانتے تو تاجر انگریز نادری کیا جانے گا۔ مقصد تو صرف یہ تھا کہ وہ بار میں جگہ لے کیونکہ اس زمانے میں وہ بار میں جگہ ملنا ہی بامثل عزت تھا۔

ہاتوں کے۔ مجھے ایک قصہ یاد آیا۔ ایک صاحب طویل مدت تک لندن میں رہے۔ ان کا رنگ انگریزوں کا سا تھا۔ لباس وضع قطع انگریزوں کی سی۔ زبان بھی وہی لہجہ بھی وہی۔ مگر ایک اصل انگریز کو ہمیشہ شہرہا کہ یہ انگریز نہیں ہے۔ ایک روز وہ صاحب چارہے تھے۔ انگریز نے لنگوی مادی یہ دھڑام سے گر پڑے اور گرتے ہی ایک ڈھائی من کی گالی مادی زبان میں دے ڈالی۔ انگریز بولا: "ویل ٹم ہندوستانی ہے"۔ تو صاحب بات یہ ہے کہ غالب "خالص" ہندوستانی نہ سہی پھر بھی ہندوستانی تھا۔ گالیاں کیوں نہ بکھا۔ جلیل صاحب قدوائی کا یہ خیال غلط ہے کہ مکاتیب غالب نے بعد از نظر ثانی اشاعت کے لیے دیے ہوں گے۔ اگر ایسا ہوتا تو آج آپ کا مضمون وہ نہ ہوتا جو وہ ہے۔ گالی انسان شعوری طور پر نہیں بکھا وہ تو بے ساختہ نکل جاتی ہے اگر خطوط کو نظر ثانی کے بعد اشاعت کے لیے دیا جاتا تو یقین کیجئے یہ بے ساختگی ہرگز نہ ہوتی جو غالب کے خطوط کی جان ہے۔

اردو خطوط کی اگر تاریخ مرتب کی جائے تو آپ دیکھیں گے کہ عام طور پر لوگوں نے تصنیع برتا ہے۔ مثلاً اقبال ایک Conscious Artist تھا۔ اسے اپنی عظمت کا احساس تھا۔ چنانچہ ہر قصہ تراش فراش کر لکھتا۔ غالب کو بھی اپنی عظمت کا احساس تھا مگر اقبال اور غالب کے احساس میں زمین اور آسمان کا فرق ہے۔ غالب کو ڈومنی سے عشق تھا تو چمپا یا نہیں اقبال اگر علیہ کو چاہے تھے تو چمپا تے تھے شعلی کا بھی یہی حال تھا۔ غالب جیسے جو کچھ کہنا چاہتا کہ گزرتا لکھ ڈالتا مگر یہ بات کسی اور کو نصیب نہیں ہوتی۔

میں تو ایمان داری سے کہوں گا کہ آپ غالب کے پڑھنے والوں پر احسان کیا جو یہ مضمون لکھا اس لیے کہ غالب کو انسان رہتا چاہیے میں نہیں چاہتا کہ لوگ اسے فرشتہ کہیں۔ اعظم آج تک نہیں پہنچا۔ میں نے آپ کے مضمون کے سلسلے میں دنی دو ایک دوستوں کو لکھا اور وعدہ کر لیا کہ اعظم سمجھوں گا۔ آپ نے لکھا ہو گا مگر اعظم کے لوگ اسے ستم ظریف ہیں کہ ایک جانب تو یہ دوتا دوتے ہیں کہ صاحب ہمیں پرچہ مفت ہانڈا پڑتا ہے کوئی

پیسے نہیں دیتا۔ ادھر ہم بے ظرف ہیں کہ دی پی منگواتے ہیں اور وہ نہیں بھیجتے۔ ان سے کہئے کہ دونوں کی ایک ہی بھیج دیں۔

فاران کا غالب نمبر بھی نہیں ملا۔

اعظم کے آخر میں بہت سے نمبروں کا اشتہار ہے اور بیشتر رسائل اسی ملک کے ہیں مگر انہیں حاصل کرنا مشکل، جوئے شیر لانا آسان۔ اس میں لطف یہ ہے کہ میں قیمت ادا کرنا چاہتا ہوں اور پرے نہیں ملتے۔ کیا کراچی میں کوئی صاحب ایسے نہیں ہیں جو آپ کے حکم کی تعمیل کریں اور میری مدد۔ بھی کہ غالب پر جو کچھ چمپا ہے خرید کر دی پی کر دیں۔

حیرت شملوی اور مولوی عبدالحق صاحب پر کتنا کام ہو چکا ہے۔

خط طویل ہو گیا۔ اب اسے ختم کرتا ہوں میں منتظر رہوں گا کہ آپ نے ذال مجہد پر لکھا ڈاکٹر شوکت مہزوری صاحب کی کتاب غالب، لغز فتن میں بھی ایک باب موجود ہے اسے بھی دیکھ لیجئے گا۔ ۱۹۶۹/۸/۵ء

آپ کو معذرت کیا یہ بہت اچھا ہوا۔ قدرت صاحب کا مضمون پڑھ کر آپ گھبرا کیوں گئے؟ ملتان میں جو ادبی حلقہ ہے ان حضرات کے دل سے پوچھئے کہ انہیں زبردستی ایسے ایسے نہ جانے کتنے طویل اور بے معنی مضامین دہناتے ہیں اور لوگ سن کر زندہ بھی رہتے ہیں۔

جب آپ یہ کہتے ہیں کہ اس موضوع پر دوسرے مضامین مطالعہ فرمائیں گے تو پھر بحث آپ کے بس کا روگ کیوں نہیں؟ آپ جب موضوع کو سمجھنے کی قوت رکھتے ہیں تو اس پر لکھتا اور بھی آسان ہے۔ یہ کام تو نہایت ڈھنگ سے کرتا ہی پڑے گا۔ دراصل بات یہ ہے کہ ان کی مضمون نگاری کا مرکزی خیال ان کا نہیں بلکہ قاضی عبدالودود صاحب کا ہے۔ اور یہی بات ثابت کرتی ہے۔

مبارک ہو اب تو سنا ہے ترقی اردو بورڈ انہیں جو جس صاحب کی جگہ لے رہا ہے۔

وہ ان دنوں یہاں شرائط ملازمت طے کرے آئے ہوئے ہیں۔^(۱)

دو کام بہت مشکل ہیں۔ پڑھ کر کچھ لیتا (پڑھ تو ہر شخص سکتا ہے) دوسرے کچھ کرانے کا اظہار کرنا جس میں ان دونوں چیزوں کا اہل نہیں۔ اور آپ کو آساں مجھے مشکل بہت۔ پھر یہ بھی ہے کہ ہر فنی فاضل ضروری نہیں کہ پڑھا لکھا بھی ہو۔ اور یہ بھی کلیہ نہیں ہے کہ ایم۔ اے۔ ہو کر لکھنا بھی جانتا ہو۔ یہ تو صرف اللہ کی دین ہے جو کسی کو نصیب ہے کسی کو نہیں؟ مجھے آپ ”کمرست“ نامہ سننے کی تلقین فرماتے ہیں لیکن یقین کیجئے میں اس اہل نہیں ہوں۔ مضمون نگاری بڑا مشکل فن ہے۔ اس کے لیے جو پتہ مارنا پڑتا ہے وہ میرا۔ بس کا نہیں ہے۔

غالب نے چغلی کھائی تھی یا نہیں۔ اگر آپ آزادوی رائے کے حق میں ہیں تو مجھے

۱۔ مولوی عبدالقادر باپائے اردو سے متعلق میرے ایک مضمون کو مرحوم نیاز فتح پوری نے اچھا لکھا ”بہت خوب“ قارئین میں چھاپنے سے انکار کر دیا میں نے جل کر جو کچھ ان کے نام لکھا ہے انہوں نے انکار میں جھک دی اور جواب دیا۔ میری وہ تحریر جو لطیف اثر ماں خاک کو بے حد بھائی۔ اب اسرار یہ کہ انہی تیرہوں میں قدیم لغوی کے جواب میں بھی لکھو مگر وہ مجھ سے لکھا نہیں گیا اور اگر محمد ایوب کاوری کی تحریک پر ”اسلم“ کے غالب نمبر کے لئے میں نے غالب کی دشنام طرازیوں کو ”کچھ شیریں ہیں تیرے لب“ کے عنوان سے لکھا کر دیا تھا جسے کچھ لوگوں نے پسند بھی کیا۔ باقی دہی غالب کی غلط خودیوں کی بات تو بھائی غالب نے سید خواجہ داراجی تو تھے شاعری ذرا سحر و سحر نہ کسی پہنچ کے معاملات بھی تھے۔ ایک ہی قریب سے کہ مختلف ہر آنے والے شکران کا نام ازال کر کے بد جانے والا حصول کر ہی دذر کے لئے لکھی بھائی کیوں نہیں کر سکتا۔ مگر یہ بہادر کی خوشنودی مزاج سے زیادہ اپنے بے ہوشی کے پھولے بھی تو چھوڑا تھے۔ اور وہ غلطوں کے قاتل تھے بھی اپنے شاگردوں اور اصحاب سے غالب بے طرح کرتے رہے۔ کبھی پلنگے سے مرتب کرنے والوں کے جنس غالب کے نام بھیجنے کی تلقین کی گئی۔ پھر اسودہ اپنی گلزاری میں قرعہ دے کر شاعر کا تب کے حوالے کیا گیا۔ غالب بہت مشکل تھے۔ ست بدخوش کو چست کے بغیر ان سے کیوں رہا جاتا۔ انھیں ۱۲ مئی ۱۹۹۰ء۔

یہ کہنے کی اجازت دیجئے کہ غالب جیسا انسان۔ انسان جس کے لیے فلک برسوں بھرتا ہے
 ہرگز ایسی سو قیاد حرکت نہیں کر سکتا تھا۔ اگر میں تھوڑی دیر کے لیے یہ رائے تسلیم کر لوں تو
 میری سمجھ میں نہیں آتا۔ آخر غالب کو انگریز کے ہاتھوں اس کا صلہ کیوں نہیں ملا۔ آج بھی
 جب کہ انگریز یہاں سے چلا گیا ہے اور اپنی روایات و حکومت چھوڑ گیا ہے۔ کیا یہ روزمرہ کا
 تجربہ نہیں کہ جو لوگ چٹلی کھاتے، بھجری کرتے اور رسائی حاصل کرنے کے لیے ہر غیر
 شرطیانہ فعل کر گزرتے ہیں۔ اگر ان کا سننے والا چلا بھی جائے تو آنے والا انہیں انہیں
 "خوبیوں" کی بناء پر نوازتا ہے۔ پھر اگر غالب کا وہ دوست جس سے غالب نے چٹلی کھا
 اور مر گیا تو آنے والوں نے غالب کے ساتھ کیا سلوک روا رکھا۔ کیا وہ کسی سے پوشیدہ ہے۔
 نواب خٹم الدین کو راستے سے ہٹانے سے غالب کو کیا مل جاتا؟

"انگریز کی بھئی" _____ نہیں صاحب وہ تو صرف درواز میں کرسی کا مسئلہ تھا
 ورنہ غالب کو اپنی فارسی دانائی ہی پر نہیں فارسی گوئی پر بھی ناز تھا۔ اور جب وہ ہندوستان کے
 فارسی گو شعراء کو خاطر میں نہیں لاتا تھا تو انگریز بے چارہ کس شمار قطار میں تھا۔ سبکی و بدھن کی
 ایک ہی قصیدہ و ذرا سی تہذیبی کے بعد دوسرے کو بھیج دیا جاتا تھا۔

قتیل ہی پر کیا منحصر ہے۔ ضرورت تو اس امر کی ہے کہ اس عہد کی سماجی تاریخ
 لکھی جائے۔ اور ان تمام شعراء پر کام کیا جائے جن سے غالب متاثر ہوا تھا۔ یہ درست ہے
 کہ یہ کام ہندوستان ہی میں ہو سکتا ہے مگر صاحب اب وہاں پر چہ جاسکتا ہے نہ ادبی
 کتاب۔ آخر ہمارا تہذیبی رشتہ وہاں سے کیا ہر باجوہم غالب کے بارے میں سوچیں۔

قدرت صاحب نے واقعی انگریز کی الفاظ جمع کر دیے ہوں گے۔ لیکن وہ تو یہ بھی
 کر سکتے ہیں کہ میرے کالج کے ایک اردو کے طالب علم کو اس پر آمادہ کر لیا کہ ایم اے کے
 امتحان کے ایک پرستے میں جو تیس لکھا جاتا ہے وہ قدرت پر لکھے۔ وہ خود لکھانے پر تیار
 تھے۔ وہ (۲) پنجاب یونیورسٹی نے مانا نہیں دینا آپ دیکھتے کہ یہ کام بھی ہو جاتا قدرت

صاحب بڑے ہی دور کی کوڑی لانے والے انسان ہیں۔

آپ نے یہ جملہ ”آپ نے غصیہ کا غالب کو شراب چیل میں پہچانے پر غور نہیں کیا“ کسی سوال کے حوالے سے لکھا ہے صراحت فرمائیے مجھے یا نہیں آرہا۔

یہ ہو سکتا ہے کہ کوئی ایک آدمہ خط ایسا ہو جس میں غالب نے گھج کر دی ہو مگر یہ تو کسی طرح نہیں حلیم کیا جاسکتا کہ ہر خط کو مطلع میں جانے سے قبل غالب نے درست کیا ہو گا۔ مجھے آپ کی اس رائے سے قطعی اتفاق نہیں ہے کہ غالب نے محض اپنی آزادہ روی کی وجہ سے گالیوں کو نظر انداز نہ کیا ہوگا۔ براہِ درم۔ آزادہ روی کے یہ معنی کب ہیں کہ ایک انسان کا گالیاں بکنا بھی آزادہ روی میں شامل سمجھئے۔ اُس زمانے کا تو ذکر ہی کیا یہ تو آج بھی۔ آج جب کہ ادیب بڑی مہذب اور تشطیق گالیاں تحریر و تقریر میں استعمال کرتے ہیں تو کیا وہ آزادہ روی ہے؟ میرے خیال میں اس کا جواب نفی میں ہے۔ غالب نے اگر خطوط کو طاعت سے قبل درست کیا ہوتا تو یقین کیجئے ان کو وہ زیادہ بہتر طریقے سے لکھتا۔ اور کسی قیمت پر گالیاں اس میں نہ دے دیتا۔ لوگوں کے پاس اب بھی اصل رفتے موجود ہیں۔ ذرا دیکھ کر بتائیے کتنے خط ایسے ہیں جن میں درستی کی گئی۔ آفاق حسین آفاق صاحب نے نوادرات کے نام سے خطوط کا مجموعہ شائع کیا ہے وہ سارے خطوط محفوظ ہیں ان سے پوچھئے کہ کتنے خطوط ہیں جن میں درستی کی گئی ہے۔^(۱)

۱۔ میں نے لکھا تھا ایامِ امیری میں غالب پینے پلانے سے قوتاً بے حد ہے۔ یہ مشکل ظاہر ہے تو اب مصطفیٰ خاں شیخوہ دھرتی نے آسان کی ہوگی اس سے پہلے کسی نے اس پہلو پر نہیں لکھا تھا۔ سے دلشاکر ترک کی گئی تو وہ بڑی جان لیوا ثابت ہوتی ہے۔ ایک آدمہ خط کی گھج کے اقرار کیا تو خان صاحب بھی آئکے خطوں کو ایک مسلسل مسودے کی شکل دی گئی ہوگی۔ ایک ایک خط تو ادا کر کا جب کے حوالے نہ کیا گیا ہوگا جیسے کہ اب میں لطیف احمد خاں صاحب کے خطوں کو ساف نقل کر کے انعامت کے لئے بھجوانے کی فکر میں ہوں۔ مکاتیب کا پندرہ تو کا تب کے حوالے نہیں کر رہا۔ آفاق حسین کے مرثیہ کردہ مجموعے کا نام ”نوارات“ ہے ملاحظہ کیجئے وہ سب جمل ہیں۔ انیس ۱۳ مئی ۱۹۹۰ء محمد آباد۔

میں جس مکان میں ان دنوں ٹھہرا ہوا ہوں اس کے سامنے ایک بورد لگا ہوا ہے
 ”سید الطاف علی بریلوی“ ایک دن ملازم نے بتلایا کہ ”بھئی صاحب بریلوی ہیں“ میں نے
 سلام عرض کیا اور آپ کے توسط سے اپنا تعارف کرایا۔ اعظم کا سالانہ خریدار بننے کی خواہش
 کی۔ فرمایا کہ دفتر آئیے۔ تموڑی دیر کے بعد میں چلا آیا۔ کچھ زیادہ وقفہ نہ گزرا تھا کہ ان کی
 اہلیہ تعریف لے آئیں۔ گھر پر کوئی نہ تھا۔ ملازم سے چائے بنوائی اسی سے خاطر کی۔ ایک
 صاحب میرے ساتھ ملتان سے آئے ہیں وہ افسانے پر مضامین لکھتے ہیں۔ سید صاحب کو
 بھی میں نے بلالیا۔ بالکل پسلی سی ادبی نشست ہو گئی۔ بے حد مصروف ہوں۔ وقت مل گیا تو
 چاؤں گا۔

آپ کی رائے سے مجھے پھر اختلاف ہے میں نے آپ کے مضمون کی صرف
 تعریف نہیں کی جہاں مجھے اختلاف معلوم ہوا اس کا اظہار بھی کیا ہے۔ آج کل ادیبوں میں
 گرد و بندی عام ہے اور ستائش باہمی کے کاروبار نے گلڈ کوٹم کیا اور دوسری ادبی انجمنوں کو
 بھی۔ ادب کے معاملے میں یاری دہنی کو رد اور کھٹا میرے نزدیک ادبی بددیانتی ہے۔ میں
 نے تو وہی لکھا جو میرا جی چاہا۔ اب اگر کوئی صاحب اس کی تائید کریں گے تو آپ میری
 رائے کو صحیح تسلیم کریں گے یہ زیادتی ہے۔ یہ کیا ضروری ہے کہ ایک شخص رائے ظاہر کرے
 اور ہم نواؤں کو کھٹا کرنا پھرے۔ نا صاحب ایسا نہیں ہے۔ [۷ اگست ۱۹۶۹ء]

میں یو نیورسٹی اور بورد کے کاموں میں اس قدر الجھا ہوں کہ نہ تو کہیں کسی سے
 ملنے جا سکا ہوں۔ حد تو یہ ہے کہ تسلسل کے ساتھ اس خط کو بھی مکمل نہیں کر سکا۔ آپ نے تو یہ
 تحریر فرمایا تھا کہ ماہر القادری صاحب ”ملائے“ ہرگز نہیں۔ ماہر صاحب کو میں اس وقت
 سے جانتا ہوں جب وہ ”مستقل“ لاہور میں محبت بھرے خطوط لکھا کرتے تھے۔ انہوں
 نے وہی حرکت کی جو ایک ملائکا کر سکتا ہے۔ فاران کا دی پی ملتان سے یہاں پہنچا۔
 میں نے ساڑھے آٹھ روپے ادا کیے تو دو پرچے ملے ایک جولائی کا دوسرا اگست کا۔ میر

اخیال یہ ہے کہ انہوں نے یہ پرے مجھے سالانہ خریدار بنا کر بیسے ہیں۔ میں آپ کو لکھ چکا ہوں کہ میں سالانہ خریدار نہیں بننا چاہتا مجھے تو صرف وہ پرے درکار ہیں جن میں غالب پر کوئی مضمون شائع ہوا ہو۔ ماہر صاحب صورت آشنا بھی ہیں مگر میری طبیعت نہیں چاہتی کہ ان سے جا کر ملوں اور وہ بھی اسے سے کام کے لیے۔ آپ انہیں لکھتے میں پرے انہیں واپس کر رہا ہوں۔ [۱۹۶۹/۸۱۴]

نیاز صاحب پر آپ کا کتا پچل گیا۔ آپ نے میری رائے طلب کی ہے۔ میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ میں اس کا اہل نہیں ہوں۔ اردو ادب سے جو لگاؤ مجھے پیدا ہوا اس کے ذمہ دار تین حضرات ہیں۔ نیاز صاحب، بھنوں گور کچوری اور جوش شاعری کو پڑھنا اور لطف اندوز ہونا جوش کی شاعری کا عطا کردہ تحفہ ہے۔ نیاز صاحب کی تحریروں سے شعر کے حسن و قبح پر نظر ڈالنا آیا اور بھنوں کی تحریروں سے میں نے افسانوی ادب کا مطالعہ کیا۔ ان تینوں بزرگوں کا میرے دل میں بڑا احترام ہے۔ جوش صاحب اور بھنوں سے نیاز حاصل کر سکا ہوں۔ نیاز صاحب کے سامنے جانے کی کبھی ہمت نہ ہوئی۔ مگر ان تینوں کی جانب سے دل میں ایک کنک بھی ہے ان تینوں حضرات نے ہجرت کر کے ہندوستان کے مسلمانوں کو دکھ پہنچایا۔ تینوں نے اپنی تحریروں سے پاکستان کی مخالفت کی اور پھر یہیں آئے۔ ایسا نہیں ہونا چاہئے تھا۔ یہ ایسا موضوع ہے جس پر پھر کبھی لکھوں گا۔ اتنا ضرور عرض کروں گا کہ نیاز صاحب کے ہندوستان سے آنے کے کیا عمرکات تھے اس کی تحقیق ضرور کیجئے۔ میں قبلہ والد صاحب کے انتقال کے بعد علی گڑھ گیا تھا وہاں جو کچھ میں نے سنا ہے لکھنے سے اس لئے گریز کرتا ہوں کہ وہ بات تحقیق شدہ نہیں ہے۔

میں قاضی احسان احمد صاحب سے قطعی ناواقف ہوں۔ میری نظر سے ان کی کوئی تحریر نہیں گزری۔

قدرت صاحب کا تقرر بورڈ میں ہو گیا۔ یہاں سوا سو پاتے تھے وہاں چھ سو

بیٹا لیس پاتے ہیں اور پھر کام کچھ نہیں ہمارہ الفاظ روزانہ کی تشریح۔ ایک بچے دفتر بند ہو جاتا ہے۔ آپ کو تو خود ہی معلوم ہے کہ وہاں لوگ تنخواہ پاتے ہیں۔ وہاں کام کرنے والوں کی ضرورت نہیں ہے۔ ۱۹۶۹/۹/۱۹ء

رشید احمد صاحب صدیقی ان جیسا نثر لکھنے والا دور جدید میں پیدا ہی نہیں ہوا اب نہیں برسوں سے بچھ گئے ہیں ان سے ملا ہوں اور آج تک ان کے چہرے کے کرب کو نہیں بھول سکا ہوں۔ ان کی صاحبزادی سملی کی شادی دہلی میں ہوئی۔ تین بچوں کی ماں۔ اور شو کر کھائی۔ شوہر نے منع کیا اور سمجھایا مگر وہ یہی کہتی رہیں کہ آدھ اور ادب کے رشتے سے وہ کرشن چندر (اردو کے مشہور افسانہ نگار) سے ملتی ہیں۔ بالآخر شوہر سے علیحدگی ہوئی اور کرشن چندر اور سملی نے شادی کر لی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

بس کچھ ایسا ہی واقعہ نیاز صاحب کے ساتھ پیش آیا۔ یہی میں نے سنا تھا اور کہنے والے صاحب پہلے صرف ڈاکٹر تھے اب مائی بھی ہیں۔ تقویت اس خیال کو یوں ملتی ہے کہ نیاز صاحب کو وہاں مالی پریشانی نہ تھی۔ حکومت نے سب سے بڑا اعزاز بھی دیا اور پھر وہ یہاں آ کر کیا جنے کتنے دن جنے؟ وہاں وہ صرف نگار پر دندہ تھے۔ یہاں آ کر اور کام بھی کرنا پڑا۔

دلی کے گھر میں شیطان ایسے ہی موقع پر کہا جاتا ہے۔ رشید احمد صاحب جنہوں نے اردو نثر کو ایک نیا اسلوب دیا۔ ڈاکٹر ذاکر حسین^(۱) خاں صاحب جن کی دوستی کا دم بھرتے تھے۔ شورش کاشمیری جیسا انسان اپنی کتاب ان کے نام معنون کر کے فخر محسوس کرے وہی رشید صاحب بیٹی کی نامستقل حرکت سے بالکل بچھ گئے۔ مگر چہ کر ان کی عظمت میں کیا فرق آیا مگر پھر بھی خون و حرکت دے گیا۔

۱۔ ڈاکٹر ذاکر حسین خاں کچلے بندوں بہنو مسلم پہلے ملاپ کے حامی تھے۔ ذاکر صاحب نے اپنی نو اسٹوں کو نو جوانوں سے زیادہ ”سیکولر“ ہونے کا ثبوت ہم پہنچایا۔ [انٹرس ۱۳ مئی ۱۹۹۰ء محمد آباد]

نیا ز صاحب نے مراد مانی اگر کی تو صرف یہی کہ اچھے نہیں کئے بلکہ مصروف رہ کر اُس فہم کو بھلا دے رہے۔ ورنہ اگر نیا ز صاحب کو آنا ہوتا تو اس وقت آتے جب پاکستان کے گورنر جنرل جناب غلام محمد صاحب مرحوم تھے۔ اُس زمانے میں کراچی کے ادبی حلقوں میں افواہ گرم تھی کہ غلام محمد صاحب نے بڑی رقم پیش کیں کہ نیا ز صاحب آئیں اور مودودی صاحب کا جواب ہوں۔ مگر نیا ز صاحب نے قبول نہیں کیا تھا۔ کچھ اس لئے نہیں کہ وہ مودودی صاحب کی بات کا جواب نہیں دے سکتے تھے بلکہ اس لئے کہ لکھنؤ چھوڑنا نہیں چاہتے تھے۔ لیکن؟

ہاں صاحب خدا کی شان کے شوکت سبزواری صاحب جیسا عالم باہر لسانیات اور جوش جیسا الفاظ کا چادر و گروتو الگ کر دیا جائے اور قدرت صاحب اُن کی جگہ لئے جائیں۔ اب وہاں نسیم امروہوی صاحب اور میں باقی اللہ کا نام۔ لفظ تو اب قدرت صاحب ہی لکھیں گے۔ حتیٰ صاحب کو اللہ خوش رکھے۔ کچھ لوگ آخر یوں بھی تو نام پیدا کرتے ہیں۔ کسی نے غلط تو نہیں کہا کہ ”بدنام اگر ہوں گے تو کیا نام نہ ہوگا۔“ ۱۹۶۹/۹/۲۵

اس میں تو شک نہیں کہ آج جن لوگوں کو ہم ماہرینِ غالب کہتے اور سمجھتے ہیں وہ کل ہم میں نہ ہوں گے لیکن یہ بھی اپنی جگہ حقیقت ہے کہ کل نفسِ ذاکھ الموت۔ ہر شخص کو اپنی بساطِ بھر کام کرتے رہنا چاہئے۔ میں نے بھی ایک کام لگا رکھا ہے۔ یعنی غالب پر مطبوعہ کتب و رسائل و مضامین جمع کرنا رہتا ہوں اور یہ کام بھی مکمل نہیں ہو پاتا اور جب ایک کام پورا نہ ہو سکے تو دوسرے میں پاؤں پھنسانا کیا اصل مندی ہوگی؟ مجھے اپنے احباب کے جذبات کا واقعی احترام ہے لیکن میں اپنے علم سے بھی واقف ہوں۔ اللہ کے کئے ہی بندے ہیں جو غالب پر کام کر رہے ہیں اور کرتے رہیں گے۔ اچھا آپ وعدہ فرمائیں کہ کسی سے ذکر نہ کریں گے تو آئندہ خط میں آپ کو لکھوں گا کہ کم از کم ایک کام ایسا کیا ہے جو اس وقت تک پاکستان میں کوئی نہیں کر سکا۔ اور یہ کام غالب سے متعلق ہے۔ لکھوں گا جب کہ آپ

حتیٰ وعدہ کر لیں گے کہ کہیں ذکر نہ آئے گا۔

رشید احمد صاحب کی بیٹی نے جو کچھ کیا ہے اسے یہ کہہ کر نہیں مالا جاسکتا کہ صرف ”کرشن چندر کی کیننگی تھی“ اس کے اثرات کیا ہوئے اور کہاں کہاں چوٹ لگی اس کا قحط احساس سے ہے۔ خیر چھوڑیے اس قضیے کو۔

دہلی یونیورسٹی میں میرے ایک عزیز دوست ڈاکٹر ظہیر ہیں۔ میں اور ڈاکٹر ظہیر صاحب رشید احمد صاحب سے ملنے جا رہے تھے۔ رشید صاحب کا مکان مسلم یونیورسٹی ملی گڑھ کے احاطے میں ہی ہے۔ راستے میں ظہیر صاحب نے سلتی کا حال پتلا یا اور پھر انہی نے یہ کہا تھا۔ ”نیاز صاحب کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی واقعہ پیش آیا کہ وہ پاکستان چلے گئے ورنہ وہ لکھنؤ نہ چھوڑتے“ میں نے تفصیل نہ پوچھی رشید صاحب کا حال معلوم ہو کر ہی میرا دل لرز اٹھا تھا۔ نیاز صاحب کے بارے میں ایسی تفصیل معلوم کرنا مجھے کچھ اچھا نہ لگا۔ واقعات کچھ ہوں نیاز صاحب کو یہاں ہرگز نہ آنا چاہئے تھا۔ یہی بات میں جوش صاحب اور مجھوں صاحب کو کچھ دہری کے لئے کہتا ہوں۔ یہ تجوں اپنے وقت کے امام قلم کے دہنی مگر۔ خیر بتائیے اس قضیے کو۔

[ایسے معاشرے میں جہاں مرد و زن کے میل جول کا ظہن عام ہو وہاں دل کے لرز جانے کی بات کچھ میں نہیں آتی۔ سینکڑوں گنگا جمنی تہذیب کے ظہیر دار اور اس کے فروغ میں کوشاں یہاں وہاں سرگرم عمل ہیں۔ قائد اعظم نے نئی کو سنا ہے جیتے جی منہ نہیں لگا پڑھا“ رشید احمد صدیقی تو سلتی سے من گئے تھے۔ سلتی جب کراہٹا آئی ہیں تو یہاں بھی ناقد رہی نہیں ہوئی ہاتھوں ہاتھ لی گئیں۔ وعدہ مسلم شادی وعدہ دہستانی غلو اور سکولر معاشرے میں کہنا چاہئے عام ہے یا ہو چلی ہے۔ انیس ۱۵ مئی ۱۹۹۰ء محمد آباد]

آپ نے اخبارات میں پڑھا ہوگا کہ ہندوستان میں غالب کے قلم کا لکھا ہوا دیوان دریافت ہوا ہے۔ میں نے اس مخطوطے کے عمل مکمل حاصل کر لئے ہیں۔ نقوش کا

غالب نمبر دوم شائع ہو رہا ہے یہ ٹکس اس میں شائع ہوں گے اس طرح کہ ایک جانب ٹکس اور دوسری جانب کتابت شدہ غزل۔ اس کو راز رکھنا یوں ضروری ہے کہ ہندوستان سے جن صاحب نے بکمال مہربانی یہ ٹکس فراہم کر دیے ہیں ان سے یہ وعدہ ہے کہ یہ بات راز رہے گی۔ مطلب یہ کہ جب تک مالک مخطوط کا مخطوط فروخت نہیں ہو جاتا۔ یوں بھی نام و نمود نہیں چاہتا۔ طفیل صاحب میرے دوست ہیں اور اس نمبر پر انہوں نے بساط سے بڑھ کر پیسہ خرچ کیا ہے۔ میں نے بھی یہ پھوٹی سی خدمت انجام دے دی ہے۔ متوقع ہوں کہ آپ حسب وعدہ اس کا ذکر کریں اور کسی سے نہ کریں گے۔ فوٹو گراف میری ملکیت ہیں آپ چاہیں گے تو آپ کو دکھلاؤں گا۔

دسمبر میں انشاء اللہ ضرور آؤں گا۔ پرسوں تو لاہور جا رہا ہوں۔ طفیل صاحب نے آج ٹیلی فون پر یاد کیا جانے کا سبب یہ ہے کہ میرے ایک ناویہ دوست ثار احمد فاروقی جو دہلی کالج میں استاد ہیں ان کی ایک کتاب ”خلاش غالب“ لاہور میں شائع ہو رہی ہے۔ اس میں مخطوط سے متعلق ایک نہایت اہم مضمون اس کتاب میں شامل ہے۔ طفیل صاحب مخطوط کے ٹکس کے ساتھ فاروقی صاحب کا مضمون شائع کرنا چاہتے ہیں جو ناشر فاروقی صاحب کی کتاب شائع کر رہا ہے وہ طفیل صاحب کو مضمون کیوں دینے لگا۔ چنانچہ میں وہ مضمون حاصل کر کے انہیں دے کر اتوار کی شام کو واپس آ جاؤں گا۔

رشید احمد صاحب صدیقی ولی مفت انسان ہیں ان کے گھر میں اگر شیطان پیدا ہو جائے تو حیران ہونے کی بات نہیں۔ ایسی صد ہائیں لاکھوں بلکہ ان گنت مثالیں ملتی ہیں کہ والدین انتہائی شریف لیکن اولاد نے ایسے گل کھلائے کہ بیان سے باہر ہے۔ تربیت تو اس کی بری نہ تھی دوسری بات البتہ سچ ہے کہ ناقص العقل ہے۔ کرشن چندر کو کیا کہا جائے۔ جیسے تو اپنا ہی کھوتا تھا۔ کرشن تو بڑے افسانہ نگار ہیں اور اکثر بڑے شاعر اور افسانہ نگار اور ناول نگاروں کا کردار عورت کے معاملے میں کچھ ایسا ہی رہا ہے۔ بالکل اور انسانی سکتے عظیم

افسانہ نگار گزرے ہیں مگر محرومت و محرومت تو ہر مرد کی کنزوری ہے۔

بھائی میرے۔ میں بہت اخبار یا رسائل پڑھتا ہوں۔ اخبار پڑھنا میں نے اس وقت چھوڑ دیا تھا جب مرحوم غلام محمد نے ملک کی اسمبلی کو کوڑا دیا تھا۔ ۱۹۶۹/۱۱/۱۳ء

میں تو صرف ادب کا طالب علم ہوں اور غالب کا پرستار اور کچھ نہیں آپ نے دریافت کیا ہے کہ نقول یہاں پہنچیں کیونکہ تو جواب اس کا یہ ہے کہ ایک صاحب ان جانے میں لے آئے ہیں۔ لانے والے صاحب کو خود اندازہ نہیں تھا کہ وہ کیا لائے ہیں۔ یہ کہانی بہت دلچسپ ہے۔ ابھی نہیں کبھی فرصت ملی تو سناؤں گا۔ عرشی صاحب تو بڑے محقق ہیں۔ سب سے زیادہ غالب کے پڑے انہی نے اڑائے ہیں۔ ان کے پاس وسائل ہیں۔ پھر یہ کہ ہر قسم کی تحریر ان کے دسترس میں ہے۔ تقسیم ملک کے بعد ہی ادبی و ستاویزات تک رسائی ہم لوگوں کی ممکن نہیں تھی اور اب تو جو گھر گزرتا ہے یہ دوری اور فاصلہ بڑھتا جاتا ہے اس لئے یہ ضروری ہے کہ غالب ہی پر کیا اردو کے ہر شاعر و ادیب پر جو کچھ ہاتھ آ جائے اسے یہاں محفوظ کرنے کی کوشش کرنا ہم سب پر فرض ہے۔ آپ نے جو مضمون نقوش کے ایڈیٹر صاحب کو بھیجا تھا اس کے بارے میں ایڈیٹر صاحب ہی ظاہر کر سکتے ہیں کہ انہوں نے اسے کیوں شائع نہیں کیا اور پھر یہ کہ اگر وہ شائع نہ کرنا چاہیں تو واپس کیوں نہیں کیا۔ میں کسی طاقت میں ان سے یہ عرض کر دوں گا کہ طاہر صلاح الدین کی غزلیات اور آپ کا مضمون واپس کر دیں۔ مگر ہاں یہ بھی تو ممکن ہے کہ وہ کسی مناسب وقت کے منتظر ہوں اور شائع کریں۔ فروری اور مارچ ۷۰ء تک تو غالب ہی سے انہیں فرصت نہیں ملے گی۔ [۱۹۶۹/۱۱/۱۳ء]

[فضل صاحب کتابت سے ادیب اور مدیر بن سکتے ہیں تو ہم کیوں پیچھے

رہے۔ ڈیرہ اسماعیل خان کے شاعر خوش نواز و طاہر صلاح الدین کا میر دور

مقررہ چلا آتا ہوں۔ میں نے نقوش میں چھپنے کی ایک کوشش اور بھی کی لی مگر

جب میں نے طفیل صاحب کی ادبانی یہ خاکہ نقوش میں تو انھیں احمد جعفری کو بھی
فہمیں ہم نے چھاپا۔ جب میرے کان ہوئے حضرت کہاں سے بول رہے ہیں۔

انھیں ۱۶ مئی ۱۹۹۰ء

آپ سے میں نے صرف ایک خط واپس مانگا تھا اور اس کا بھی ایک خاص
پیکر بھجوا دیا تھا۔ آپ نے خط واپس کرنا تو دور کتنا سرے سے خطوط نویسی ہی ترک کر دی۔
میں کیا کرتا۔

[اور جناب ایسے خط و کتابتوں کے لئے میں کیا کرتا۔ جی کرنا کہ بھیا یہ تو
بہت آگے پیچھے دیکھ کر کہنے والے لوگ ہیں دم مرا ملت ہی اٹھا دو۔ نو برس کی
خاموشی بہر حال خوب رہی۔ انھیں ۱۶ مئی ۱۹۹۰ء]

آپ کی کتاب ”نیاز داغ پوری“ کو میں نے یکم مئی کو دوبارہ پڑھا۔ نیاز صاحب
کے کراچی آنے کے بعد لکرام پور سے اکبر علی خان نے شائع کیا۔ اکبر کا کہنا ہے کہ
باقاعدہ اجازت جگہ ہوں کہنے خرید کر اشاعت کا اہتمام کیا۔ اکبر علی خاں حدود درجہ بدویانت
انسان ہے۔ نیاز صاحب ہی نے ٹھیک کہا ہوگا۔ [۱۲۲ مئی ۱۹۷۹ء]

طفیل صاحب پر خاکہ آپ نے پسند فرمایا اس کے لئے شکر گزار ہوں۔ یہ خاکہ
چانچیس مرتبہ شائع ہوا ہے۔ کتاب کی مہارت کتابت کاغذ ہر پنجہ عرصہ ہے لیکن افسوس کہ
اس میں غلطی راہ چا گئی ہیں۔ مرتب نے عنوان بدل دیا۔ میں نے اس کا عنوان ”ہوئے گل“
رکھا تھا۔ کچھ جملے بعض نام غائب ہیں اور یہ کٹر بیعت میرے لئے باعث تکلیف ہوئی۔
سب سے پہلے یہ خاکہ محمد نقوش کے عنوان سے ملتان کے ایک رسالے ”ہم قلم“ میں بطور
میری اجازت کے چھپ گیا۔ ایڈیٹر صاحب پڑھنے کے لئے لے گئے تو نوٹس اسٹینٹ کرایا اور
چھاپ لیا۔ ”اسباق“ پورے میں میری رضا سے چھاپا اور من دمن چھاپا۔ دلی سے ”عصری
ادب“ شائع ہوتا ہے۔ بالکل صحیح پر طفیل صاحب کی تصویر چھپی اور دو سالے میں خاکہ لیکن
ایڈیٹر اکثر محمد حسن صاحب نے دو نام ڈاکٹر ڈاکٹر راقی اور اکبر علی خاں کے حذف کر دیے

اور مجھے لکھا کہ ”اودھم کریں گے“ شریف آدمی ہیں حکومت ہند سے نہیں ڈرتے۔ ادبی فنکاروں سے ڈرتے ہیں۔ میں نے یہ خاکہ محمد نقوش ہی کے لئے لکھا تھا۔ اس کتاب کو میں مرتب کر رہا تھا۔ یہ قصہ بہت طویل ہے۔ طفیل صاحب کو خاکہ ملا تو مجھے لکھا کہ ”میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے کسی کی تھوڑی سی“ چنانچہ مندرجہ بالا دونوں نام کٹ گئے۔ میں نے لکھا بھی کہ جو کچھ میں نے لکھا ہے اس کی کلیڈ ذمہ داری میری ہے۔ مگر وہ نہ مانے شریف آدمی ہیں اور ایڈیٹر کیا کریں۔ انہوں نے مجھے دس ہزار روپے دیئے تھے۔ مرتب نے دو ہزار کر دیئے اور ڈپٹی ماری اگر کبھی میں کتابی شکل میں خاکے شائع کر سکا تو پھر اصل عبارت ہی ہوگی۔ میں نے گزشتہ سال ڈاکٹر سلیم اختر کا خاکہ لکھا ”صنوان تھا“ ”سنوور“ ”ماہ مار“ الفاظ کراچی نے اپنا ایک شمارہ سلیم اختر کے لئے وقف کیا ہے۔ سب سے پہلے طفیل صاحب نے کہا ”یہ خاکہ مجھ پر لکھے گئے خاکہ سے اچھا“۔ سلیم اختر نے کہا ”میں یہ بات اس لئے نہیں کہہ رہا کہ میرے بارے میں خاکہ لکھا گیا ہے بلکہ بحیثیت ناقد کے لکھتا ہوں کہ طفیل صاحب کے خاکے سے یہ خاکہ بدرجہا بہتر ہے۔“ گزشتہ سال ۱۳۶ اگست کو نئی دہلی میں ڈاکٹر محمد حسن صاحب نے سخن دور کی بڑی تعریف کی تو میں جمل کر کہاب ہو گیا۔ طفیل سے پاری ہے اور میں نے بڑی محبت سے اس کی تصویر بنائی تھی۔ سچی نہیں کہ میں نے اس کی اچھائیاں گنوائی ہوں میں نے اس کے حساب کو بھی پیش کیا۔ ملازموں سے سلوک۔ کمر میں بیوی اور بچوں سے برتاؤ دوستوں سے میل ملاپ پڑتے پڑتیوں سے دلچسپی غرض کوشش کی کہ جیسا میں نے طفیل کو پایا دیا ایسی پیش کروں۔ مگر یہ کیا قصہ ہے کہ جس کو دیکھو وہ سنوور کی تعریف کر رہا ہے۔ الفاظ کا یہ شمارہ ایک ماہ میں ختم ہو گیا۔ کراچی اور لاہور سے آشنا اور نا آشنا لوگوں کے توصیفی خطوط پہنچے مگر حقیقت یہ ہے کہ مجھے طفیل کا خاکہ ہی پسند ہے۔ میرے ایک دوست اور کرم فرما پر دھیر نظر صدیقی نے ایک مجموعہ شائع کیا ہے ”ناے جو میرے نام آئے“ یہ خطوط کا مختصر سا انتخاب ہے۔ پہلے آدمی نے میرا بھی ایک خط چھاپ

دیا۔ اس فہرست میں کیسے کیسے نام ہیں محاذِ اُشد اور پھر میں ایک گوشہ نشین انسان۔

[۱۹۸۳/۸/۱۶]

میرے ایک رفیق کار ایک مرتبہ جاپان گئے اور جب وہ ہال میں داخل ہوئے تو اعلان کیا گیا کہ پروفیسر عزیز احمد خطاب فرمائیں گے تو ہال میں موجود ہر شخص اپنی جگہ کھڑا ہو گیا۔ آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ لفظ پروفیسر مہذب اور ترقی یافتہ ملکوں میں کیا مفہوم رکھتا ہے ہمارے ملک میں صوتِ حال یہ ہے کہ جو شخص کوئی کام نہیں کر سکتا وہ محکمہ تعلیم میں ملازمت کر لیتا ہے اس لئے کہ صرف تنخواہ ہی تو ملتی ہوتی ہے کام تو کچھ کرنا ہوتا نہیں۔ ایک پروفیسر کی قسم وہ ہے جو فٹ پاٹھ پر بیٹھ کر قسمت کا حال بتاتے ہیں۔ بھائی پروفیسر تو بہت بڑا عالم ہوتا ہے اب گنتی کتنے کواٹھیں پر شمار کو نہیں ملیں گے۔ میں پروفیسر نہیں ہوں اور نہ یہ پسند کرتا ہوں کہ مجھے پروفیسر کہا جائے۔ میں نے ایک زمانے میں امرتسار میں کچھ اداوارہ شعراء کے خاکے لکھے تھے اڈل تو وہ اب میرے پاس ہیں نہیں اور ہوتے بھی تو سوائے تین خاکوں کے کوئی بھی اس قائل نہ تھا کہ اسے کتابی شکل میں محفوظ کرتا۔ آپ نے گیارہ خاکے لکھے ہیں۔ خاکہ نگاری بے حد مشکل کام ہے۔ جب تک آپ اس شخص کے باطن میں نہ جھانک لیں اچھا خاکہ ممکن نہیں ہے۔ یقیناً آپ نے شاہد احمد صاحب دہلوی اور مہر صاحب کے عمودہ خاکے لکھے ہوں گے۔ مجھے وہوں سے نیاز مندی رہی۔ شاہد احمد دہلوی صاحب کے داماد عادل تو میرے ہم جماعت رہے۔ ان کی وہ بچی جو عادل سے منسوب تھی گھر آیا کرتی تھی۔ مہر صاحب انتقال سے صرف چار یا پانچ دن پہلے تک متان ہی میں تھے اور میں ہر روز ان کی خدمت میں حاضری دیتا تھا۔ ان کے صاحبزادے اسلم صاحب بڑے شریف انسان ہیں ان کی خواہش تھی کہ مہر صاحب کے خطوط جو ان کے اور ان کی بچیوں کے نام ہیں انہیں میں مرتب کر دوں لیکن میں آمادہ نہ ہوا صرف اس خیال سے کہ غالب کے خطوط تو مہر صاحب ترتیب دیں اور مہر صاحب کے خطوط میں مرتب کر دوں۔ میرے ایک شاگرد شفیق

آتش بہاول پور یونیورسٹی کے شعبہ اردو میں پڑھاتے ہیں۔ انہوں نے مہر صاحب پڑاؤ کنڑیٹ کا تیس لکھا اور خطوط جمع کئے ہیں واللہ اعلم۔ کئی سال ہوئے انہوں نے خواہش ظاہر کی تھی کہ خطوط لینے آئیں گے مگر نہ وہ آئے نہ خط آیا۔ میں نے طفیل صاحب کو آمادہ کر لیا تھا کہ وہ مہر صاحب کے لئے نقوش کا ایک شمارہ وقف کریں۔ مہر صاحب کی اسلم صاحب کے علاوہ تمام فریڈ اولڈ ونا معقول ہے۔ پہنچ گئے کہ نقوش کا مہر نمبر شائع ہوگا۔ تو ہمیں کتنی رقم ملے گی۔ طفیل صاحب نے خیال ہی ترک کر دیا۔ یہ وہ اولاد ہے جو مہر صاحب کی زندگی میں ان کے جملی و خطا کر کے بک سے روپیہ حاصل کرتی تھی۔ خدا جانے ان کے کتب خانے کا کیا حال ہوا۔ قدیم اخبارات کے مکمل فائل ان کے پاس تھے۔ آپ نے خطوط (خطوط مہر) تیار کر دیا بہت اچھا کیا۔ یقیناً کوئی صاحب دل اسے شائع کرے گا۔ بہاول پور میں ایک صاحب نہایت عمدہ جلد بناتے ہیں۔ میرے ایک شاگرد مظہر سعید کا لکھی یونیورسٹی میں شعبہ انگریزی میں استاذ تھے۔ (اب وہ یہاں یونیورسٹی میں ہیں) میری ایک کتاب کی جلد نوٹ بھی انہوں نے اُسے دوبارہ بنوایا ایسا معلوم ہوا کہ انگلستان سے کتاب ابھی ابھی آئی ہے۔ محترم محمد الدین صاحب جو ہر قافلہ ثابت ہوں گے اور خطوط کی عمدہ جلد بنوائیں گے۔ ۱۹۸۳/۸۲۶ء۔

[انگریزوں کے بکس و لفٹ ہیں جنہوں سے پیسے لکھا، لکھا، لکھا، لکھا، پڑاؤ مجھے تو حرا آیا۔ مہر صاحب مرحوم کا کتب خانہ بالکل سترے داسوں میں بزر روپے میں گائب گمر لاہور نے خرید لیا۔ مہر صاحب کے سب سے چھوٹے صاحبزادے امجد سلیم طوی نے میرے نام مہر صاحب کے دو سو چوبیس کتب "خطوط" کے نام سے کچھ لکھے تھے۔ بڑی بات یہ کہ قطعہ درجہ سے لکھا کتب کام نہیں لیا گیا جو کچھ تھاکس و کتب چھپ گیا۔ مجھ سے زیادہ دل گروہ امجد سلیم کا تھا۔ روزانہ اردو میں کات چھانٹ بات ہے بات چلی جاتی ہے۔

مکان میں ایک اور لعنت بھی ہے جو داڑھی رکھ لے وہ صوفی کہلاتا ہے۔ بتائیے کیا کریں؟ مہر صاحب سے ایک روز میں نے پوچھا کہ کیا اقبال کا غیر مطلوبہ کلام بھی ہے؟ فرمایا ہے ”مگر اتنے بڑے بڑے تالوں میں بند ہے۔“ دونوں ہاتھوں سے اشارہ کیا۔ اس وقت میرے ایک شناسا (لفظ دوست بھی پامال ہو چکا ہے میں صرف طفیل صاحب کو دوست سمجھتا ہوں) سلطان صدیقی ایلو وکیٹ بھی موجود تھے۔ جب ان کے انتقال کی خبر آئی تو بے اختیار آنسو نکل آئے۔ ریڈیو والے آئے زبردستی پکڑ لے گئے ”میرا نگار نہ حادوا ہوا تھا بولا نہیں جاتا تھا۔ میں نے کسی نہ کسی طرح تقریر کی اور یہ واقعہ بھی دہرایا۔ لیکن ہوائی باتوں کو کون سنتا ہے۔ نئی نسل کو کیا معلوم کہ مہر صاحب کی خدمات کیا ہیں۔ جو جانتے ہیں وہ بھی چپ ہو گئے ہیں کہ اقبال کو ہم نے گونہوں کے سپرد کر دیا ہے۔ مہر صاحب کے انتقال کے بعد میں نے کالج میں ایک جلسے کا اہتمام کیا اور ان کے پوتے سے صدارت کرائی۔ ایک مضمون میں نے بھی پڑھا تھا۔ اور وہ مضمون ان کے صاحبزادے اسلم صاحب نے لے لیا تھا۔ یہاں بہاؤ الدین زکریا یونیورسٹی کے شعبہ اردو میں ایک صاحب نجیب الدین انصاری المعروف پرنسپل جمال بیگنہ پر پی ایچ ڈی کا تھیسز لکھ رہے ہیں۔ آپ کا جی چاہے تو یونیورسٹی کے پتے پر خط لکھ کر پوچھ لیجئے کہ وہ آپ کو عاریتاً کتابیں دے دیں گے؟ پہلی بات تو یہ یاد رکھئے کہ ان کا اصل نام نہ لکھئے کہ اس سے جولاہے پن کی بو آتی ہے اور یونیورسٹی ٹیچرز خواہ وہ جلاہی کیوں نہ ہوں اسے یہ بات پسند نہیں آتی۔ دوسری بات یہ کہ ان کے ہم جماعت بھی اگر گمراہ نکلیں تو ایک کپ چائے نہیں پلا سکتے۔ لفافے پر تو ساتھ پیسے خرچ ہوتے ہیں اور رجسٹرڈ چیک پر تو چھ سات روپے خرچ آتا ہے۔ حضرت کراچی پہنچے شفیق خواجہ سے ملے اور کہا ”میں لطیف الزماں صاحب کا شاگرد ہوں وہ میرے کالج میں پڑھتے ضرور تھے مگر وہ میری شاگرد نہیں ہیں۔ خواجہ صاحب شریف انسان ہیں ان کے پاس جو کچھ بیگنہ پر تھا سب کچھا لٹا کر دے دیا اور نہایت لذیذ کھانا بھی کھاتے رہے۔ جس سے

ملے میرا حال دیتے رہے۔ ایک صاحب تو اپنی چیزیں لینے مکان بھی تعریف لائے۔ ایک بات اور سن لیجئے۔ اوراق کے دو شمارے جو حال ہی میں شائع ہوئے ہیں ملاحظہ فرمائیے۔ ہندوستان کے عتیق خنی صاحب کا مضمون جناب فیجب انصاری نے اپنے نام نامی اسم گرامی کے ساتھ شائع کرالیا۔ یو نوردینی میں اسٹنٹ پریویر ہونے کے لئے ایسا کرنا ضروری ہوتا ہوگا۔ اس سلسلے کی آخری بات یہ ہے کہ اگر انہیں معلوم ہو جائے کہ پگانہ کے سلسلے میں آپ یا کوئی اور صاحب مواد رکھتے ہیں تو یہ مسکین صورت بنائے آپ کے پاس پہنچ جائیں گے اور آپ سے سب کچھ نکلوالیں گے اور آپ سے کئی روز لفظ نہ کھانے کھا کر واپس آ جائیں گے۔ لوگوں سے کہیں گے دیکھو کھانے پر کتنے روپے صرف ہوئے سب بچا لایا ہوں۔ پگانہ پر ایک تھیس پنڈ یو نوردینی میں لکھا گیا ہے اور پگانہ کی غزل پر علی گڑھ میں کسی طالب علم نے تھیس مکمل کر لیا ہے۔ وہ اس کوشش میں ہے کہ کسی طرح یہ مقالات ہاتھ آ جائیں تو ان کے ساتھ ہی وہی سلوک کیا جائے جو عتیق خنی صاحب کے مضمون کے ساتھ کیا ہے۔ میرے ذخیرہ کتب میں غالب حسن گنبد اور شاہ آیات وجدانی ہو۔ عبدالماجد دریابادی نے جس واقعے پر بغلیں بھائی ہیں اس کا پگانہ کے کلام سے کیا تعلق؟

[۱۹۸۳/۹/۳ء]

[میرا مکان دہلی سے ہے کہ اقبال کا کلام تو ہوگا طیر معلوم نہیں یہ جو آتے بڑے بڑے تالے پڑے ہوئے ہیں جہاں بھی۔ وہیں وہ مراسلت بھی دہلی چلی ہے جو ہمارے شاعر کی اپنے اصحاب سے دوران قیام لندن میں ۱۹۰۵ء تا ۱۹۰۸ء ہادی رعی ظاہر ہے مرحوم نے خوب مکمل کرا لکھینڈ اور جرمنی کی ریگینین پر مکتوبیں کی ہوں گی اُسے چھپ کر عام ہونا چاہئے اگر اس میں اقبال کی جادہ پناہوں کے قصے بھی ہوں تو اقبال اسے چھوٹی موٹی تو ہیں نہیں کہ بس سر جھاک رہ جائیں گے۔ مولانا نے دریابادی پگانہ کے منہ کاٹنے کے جانے پر بہت غصہ ہونے دیکھا۔ میں نے پگانہ کی سوانح عمری قریب قریب مکمل کر دی ہے۔

[نہیں ۷/ مئی ۱۹۹۰ء]

اقبال کا غیر مطبوعہ کلام مہر صاحب کے گھر نہیں اقبال کی اولاد کی تحویل میں ہے یہ بڑے بڑے تالوں میں بند ہے۔ مہر صاحب فرماتے تھے جو کلام چھپ گیا ہے اس کی رائٹنگ اتنی ہے جو روٹا سے کھائے نہیں کھائی جاتی تو وہ غیر مطبوعہ کلام کیوں نکالیں اور کیوں چھاپیں۔ مرزا ظفر الحسن صاحب ۱۴ ستمبر کو ساڑھے چھ بجے انتقال کر گئے۔ دل بہت اداس ہوا۔ وہ بہت قدر گندی رنگ کا ڈکٹیٹر مجھے بہت یاد آیا۔ بلا کا تباہ کو نوش حسدی اور اڑیل فحش۔ مرحوم اپنے آگے کسی کو نہیں گردانتے تھے۔ ان سب باتوں کے باوجود رسائل کی ایسی لائبریری مرزا صاحب بنا گئے ہیں جو کہیں اور مشکل سے ملے گی۔ میرے پاس رسائل کا بڑا ذخیرہ تھا۔ بیشتر اس کا حصہ میں نے مرحوم کے ایما پر غالب لائبریری کو دے دیا تھا۔ نجیب الدین صاحب کے بارے میں تازہ ترین اطلاع امرتسار کے ایڈیٹر جناب ساغر صدیقی صاحب نے یہ فراہم کی کہ کراچی میں آغا باقر صاحب کے پاس یگانہ کے قلم سے لکھا ہوا کلام تھا۔ حضرت نجیب وہاں رمضان سے قبل پہنچے اور مسکن صورت دیکھ کر آغا صاحب نے بیاض دے دی۔ چاہئے تو یہ تھا کہ فوٹو اسٹیٹ بنواتے اور وہاں کر دیتے لیکن بیاض لے کر یہاں آ گئے۔ آغا باقر صاحب کے بھائی سپرنٹنڈنٹ پولیس ہیں۔ فرمایا کہ ”مگر قاتر کو بھیج۔“ لیکن ساغر صاحب نے بیاض کسی طرح حاصل کی اور آغا باقر صاحب کو روانہ کر دی۔ یگانہ پر ایک صاحب کی کتاب بھی میرے پاس ہے لیکن طبع شدہ اوراق کو کتاب تو نہیں کہا جاسکتا۔ تاہم چونکہ آپ حالات زندگی نگاہ رہے ہیں لیکن ہے وہ آپ کے کام آسکے۔ اس ”جدیدیت“ کے دور میں آپ کو کلاسیکیت سے شغف ہے۔

[۱۹۸۳/۹/۲۲ء]

جب ہندوستان تقسیم ہوا تو سید شجاعت علی قدرت نقوی میرٹھی ملتان میں حال مقیم کراچی پاکستان کے حصے میں آئے اور اکبر علی خان راجپوری المعروف مرثی زادہ ہندوستان

کے حصے میں آئے۔ دو کوئی بڑا سا فی با کمال بزرگ ہیں یوں تو جتنی غریبیاں ان ہاکمالوں میں پائی جاتی ہیں ان کے ساتھ ساتھ کوئی غلام ہو شرابا کے مصنف کی ضرورت ہے۔ میں تو صرف اسکا عرض کر سکتا ہوں کہ ان دونوں بزرگ چاہتے ہیں کہ جو بھی کام ہو صرف ان کے حوالے سے ہو۔ قدرت صاحب جو خطوط لکھتے ہیں اس کی نقول بھی اپنے پاس رکھتے ہیں۔ چنانچہ ہر صاحب سے جو خط لکھتا ہوں اس کی کوئی قسمی اسے وہ آشوب آگئی کے عنوان سے شاید حیفہ میں شائع کرا لیتے ہیں سارا سچ و سچ دہانی کا پہلا ایڈیشن ۱۹۲۷ء میں شائع ہوا تھا۔ یہ ایڈیشن اب نہیں ملتا۔ یگانہ کا writing می میں ان کے دخط اور جو مرقوم کے نام احتساب شاید کہیں اور نہ ملے۔ مدت گزری الیاس عشقی صاحب یہاں ریڈیو مکتان کے ڈائریکٹر تھے۔ غالب حسن کا دہرا ایڈیشن باغی کا عنایت کردہ ہے۔ یہ کتاب بھی نایاب ہے۔ [۱۹۸۳/۱۰/۷]

کل صبح میں جانیوی پورہ کے دفتر گیا۔ سنا میں سلیم اختر پر لکھا ہوا خاکہ اور ۱۸ اکتوبر کا خط ایسے لفظوں میں بد کہ فاضل جس میں اندر گہرا ہوتا ہے۔ ڈاک خانے گیا اور رجسٹری نمبر ۹۷ کے ڈرائیو شپ پہنچے۔ ڈرائیو کیوں نکلاں روم میں وہ منٹ لیٹ پہنچا۔ ملازمت کے دوران (میں کہیں پہلا واقعہ ہے۔ میں نے طالب علموں سے معافی مانگی مگر خوشی اس امر کی تھی کہ کتابیں بلا خرہ زندہ ہو گئیں۔ میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے مجھے "ڈومہ دار آدمی" سمجھا۔ میں نے ملازمت کے طویل عرصے میں بہت کم رخصت لی ہے۔ اس سال صرف ایک دن کی چھٹی ۱۱/۲۱ اپریل کو لی تھی۔ اس دن پیارے دوست محمد نقوش کے صاحبزادے چاند نے دعوت و میر میں شرکت کے لئے بلایا تھا۔ میرے طالب اکثر پوچھتے ہیں "آپ بیمار نہیں ہوتے؟" [۱۹۸۳/۱۰/۳۰]

میرے اور آپ کے درمیان جو ہلکی سی ترقی و تخی آگئی تھی وہ دواصل دیوان غالب بخط غالب کی مطابقت کے غلطی کی وجہ سے تھی۔ وہ وقت مناسب نہ تھا۔ اب میں نے

خود ہی فضیل صاحب کے خاکے میں حقیقت لکھ دی^(۱) ہے۔ مرزا غفر الحسن مرحوم ادبی نہیں سیاسی آدمی تھے۔ انہوں نے فیض صاحب کو بیساکھی کے طور پر استعمال کیا۔ اپنی سیاسی سوجھ بوجھ کو انہوں نے غالب لاہوری کے قیام کے سلسلے میں بڑی خوبی سے استعمال کیا۔ انہوں نے آخری زمانے میں جو کئے تھے اور صحیح خطوط میں نے مرحوم کو لکھے اور یہ ان کے ڈائریکٹرز لب و لہجہ کی وجہ سے ہوا اور میں نے انہیں پسپا کر دیا تھا۔ لیکن جب تک زندگی گزارنے پر قادر رہے۔ بد قسمتی نے ساتھ نہ چھوڑا۔ مرگئے تو بھی بد قسمتی کم نہ ہوئی۔ نجیب جیسے لوگ ان پر حقدار تھے۔ مولوی عبدالحق صاحب کا کوئی خط میرے پاس نہیں۔ لیکن ان کی دستخط شدہ تصویر ہے۔ بعض نادر تصاویر ہیں جو شاید کہیں اور نہ ہوں۔ عبدالحق قریشی صاحب سے دو مرتبہ ملاقات ہوئی ایک چھوٹی سی الماری کتابوں کی۔ باقی زیادہ۔ لوگوں سے تعلقات کا ذکر اس سے بھی زیادہ کام نہ کریں۔ [۱۹۸۳/۱۱/۱۳]

دو مرتبہ غالب بنظر غالب کا نام فضیل صاحب نے نسخہ نقوش نہیں نسخہ لاہور تجویز کیا تھا۔ اس زمانے میں جو اختلاف میرے اور آپ کے درمیان ہوا اس کی تفصیل میرے خطوط میں ہوگی۔ میرے دل میں عبارت اس وقت تھا ذاب ہے۔ بات صرف اتنی ہے کہ میں اصولی بات کہے بغیر نہیں رہ سکتا۔ [۱۹۸۳/۱۱/۱۳]

مصمت چغتائی آئی تھیں لاہور میں ایک جگہ کے اختتام پر مرحوم وقار عظیم صاحب نے فرمایا "ہمارے ساتھ بھی ایک تصویر کھینچ لیجئے"۔ چنانچہ مصمت فضیل صاحب وقار صاحب اور میں۔ ناصر زیدی چائے پیچے ہوئے زبردستی گھس آئے۔ اسلام آباد میں جوش صاحب کے مکان پر میں مصمت چغتائی کے ساتھ پہنچا۔ نو نوکرانہ نوکرانہ بنانے لگا

۱۔ نسخہ کمرہ سے حلقہ ادبوری مطبوعات فراہم کر کے وہ چھپاتے اور خطوط کی دہائی کا مطالعہ کیا۔ عجیب سی بات۔ حالانکہ میں نے اس بات پہلے ہی کہی کوئی بات ہی نہیں کی تھی۔ ہندو نوکرانہ کا طویل وقت تک میں دوا کیا۔ انہیں ۱۹۹۰ء۔ [۱۹۸۳/۱۱/۱۳]

تو جوش صاحب نے ہاتھ پکڑ کر تھمیت لیا اور اب تصویر کی صورت یہ ہے کہ میں درمیان میں ہوں ایک جانب جوش صاحب اور دوسرے ہاتھ پر عصمت۔ ایک عظیم شاعر اور ایک عظیم انسان نکار۔ ڈاکٹر ڈاں صاحب فاروقی نے اپنی کتاب ”علاش غالب“ میرے نام معنون کی لیکن مجھے اس وقت معلوم ہوا جب میں پروف پڑھ رہا تھا۔ میں نے بہ ہزار خرابی پبلشر کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ میرا نام پروف چھاپے بلکہ صرف ”لطیف عارف“ رہنے دے اس لئے کہ اس نام کو کوئی نہیں جانتا لیکن جب دلی سے یہ کتاب چھپ کر آئی تو میرا پورا نام موجود تھا۔ ڈاکٹر کلیل الرحمن صاحب دہلی چائٹر ہار نے اپنی کتاب اقبال اور نون لطیف میرے نام معنون کی مگر اس کی اطلاع ایک دوست نے دی اور جب ہندوستان سے کتاب آئی تو دیکھا کہ ڈاکٹر صاحب نے میرا پورا نام چھپا دیا ہے۔ برادر دم نظیر صدیقی کو تو میں سات آٹھ ماہ تک مسلسل منع کرتا رہا۔ لیکن وہ نہ مانے اور تقسیم و تعبیر نہ صرف میرے نام معنون کی بلکہ نام سے پہلے لفظ پروف میر بھی چھپا جو میں نہیں ہوں۔ مجھے ضرور فائنش سے بڑی کوفت ہوتی ہے۔ ڈاکٹر فرمان اور میں یو نیورسٹی میں ساتھ تھے وہ اردو میں اور میں شعبہ انگریزی میں تھا اور قریبی تعلق رہا لیکن میں نے ان سے نہ کبھی کتاب طلب کی نہ رسالہ۔ شفیق خواجہ صاحب سے بھی ایسا قصہ ہے۔ سیپ کے ایڈیٹر نسیم درانی نے بہت کہا لیکن میں رسالہ لینے پر آمادہ نہ ہوا۔ صہبا کھنوی صاحب کو تو میں تقسیم ہند سے قبل جانتا تھا لیکن وہ نہ چندہ لیتے ہیں نہ میں رسالہ۔ احمد عظیم قاسمی صاحب سے ۱۹۴۸ء سے یاد اللہ ہی ہے میں نے کبھی کوئی کتاب یا رسالہ بغیر قیمت ادا کیے نہیں لیا۔ ہاں شفیق صاحب کا معاملہ مختلف ہے ان سے دوستی ہے وہ

(کتاب بھی بھیجتے ہیں یا ہر ضالہ بھی)۔ ۱۹۸۳/۱۲/۱۱ء

(۸) یو پی میں جب کسی کی شادی ہوتی تھی تو لڑکیاں ایک شب اُٹھ کر گیت گاتی

تھیں۔ عورتیں خاتل ہوتیں اور آخر میں بوڑھی نانیاں اور وہاں بھی آ جاتیں اس کورت جگا کہتے تھے۔ ”نچ تو“ ”انسو نیا“ کے مرض میں مبتلا ہوں یعنی نیند نہیں آتی۔ ۱۹۸۵/۱۲/۱۳ء

پروفیسر آزاد صاحب شعبہ اردو پنڈیٹ یو بخاری کو اور (پروفیسر) (ڈاکٹر) انصار اللہ نظر صاحب شعبہ اردو مسلم یو بخاری علی گڑھ کو خطوط لکھ چکا ہوں مگر آج تک جواب نہیں آیا۔ ڈاک خرچ اتنا زیادہ ہو گیا ہے کہ لوگ خطوط کا جواب نہیں دیتے ۱۵۵ کنز العمال کے تھیس کی نقل کون بھیجے گا۔ ”یگانہ کی غزل“ از جلیلہ بانو یہ مقالہ یو بخاری علی گڑھ میں لکھا گیا۔ یگانہ حیات اور کارنامے از عبدالرشید پنڈیٹ یو بخاری پنڈیٹ میں لکھا گیا۔ علی گڑھ میگزین ۶۱ میں یگانہ کی خودنوشت شائع ہوئی تھی۔ یہ میگزین ڈاکٹر مصین الرحمن صدر شعبہ اردو گورنمنٹ کالج لاہور کے پاس موجود ہے۔ میرا حوالہ دیئے بغیر منکوا دیئے شاید دے دیں۔ نقوش شخصیات نمبر اور آپ جتنی نمبر دونوں میں مضامین ہیں۔ صاحب از ظہیر علی حوالہ آیا ہے۔ نیا دور جولائی ۶۱ میں بھی ایک مضمون موجود ہے۔ اردو نے معنی (دلی یو بخاری) غالب نمبر حصہ دوم بھی دیکھئے۔ آپ جب یہ مطالعہ فرمائیں تو بتائیے گا میں سب کچھ اپنے تھیس کا عنوان اور مصنف کا نام لکھ بھیجوں گا۔ ۱۹۸۵/۳/۶۔

ذرا احتیاط برتنے گا۔ ثار احمد فاروقی جیسے چالاک شخص نے آپ کا دل بظاہر اچھا ہے وہ آپ کو یگانہ کی غزل از جلیلہ بانو قیامت تک نہیں سمجھیں گے۔ اللہ آپ سے دلا چار ہزار روپے نقد یا کتابوں کی شکل میں وصول کریں گے۔ ایسا ہنرمند اوچھل برصغیر میں کم پایا جاتا ہے۔ ۱۹۸۵/۳/۱۳۔

سب سے پہلا ڈاکٹر یٹ کا مقالہ راہی معصوم رضا صاحب نے یگانہ پر لکھا تھا۔ راہی صاحب بمبئی میں ہیں۔ ان کا مقالہ کتابی شکل میں چھپ چکا ہے ۱۹۸۵/۳/۸۔ ثار احمد فاروقی صاحب ایک کے بدلے ایک کتاب طلب نہیں کرتے ایک کے بدلے سو کتابیں چاہتے ہیں اسے سہا لٹ نہ جائے۔ تین باتیں مختصر طور پر لکھتا ہوں۔ میں نے دو ہزار نقد انھیں دلوائے اور پے گز ارض کی کہ میری خالہ صاحبہ کو میں روپے مانا نہ بھیجتے رہیں۔ صرف دوسو چالیس روپے بھیجے جاتی سب مضمون کر گئے اور خالہ صاحبہ ایک ایک نو لے کر ترستی

رہیں اور آخر وہ بچہ ضعیف اور بیمار خاتون اللہ کو بیماری ہو گئیں۔ ایک مرتبہ ملاقات ہوئی فرمایا کہ انجمن ترقی اردو کراچی ڈاکٹر گیان چند جین کو تین سو روپے بھجوانا چاہتی ہے تم دے دو۔ انجمن جنہیں دے دے گی۔ میں نے روپے دے دیے۔ ڈاکٹر جین کو آج تک روپے نہیں ملے۔ دس بارہ سال کے بعد معلوم ہوا کہ انجمن غیر ملکی ادیب کو روپے صرف اسی صورت میں داتا کرتی ہے کہ وہ خود آئے اور وصول کرے۔ چنانچہ وہ رقم بھی ڈوٹی ٹیکس صاحب رسول نمبر چھاپ رہے تھے۔ فاروقی صاحب تشریف لائے۔ ان کی پسندیدہ ساڑھے چھ ہزار روپے کی کتابیں خرید کر ٹیکس صاحب نے بذریعہ ہوائی جہاز (کرایہ کا اندازہ خود لگائیے) دلی بھجوائیں۔ جب کتابیں پہنچ گئیں تو دلی سے موصوف کا خط آیا کہ دس ہزار روپے اور بھجواؤ تو مضامین لکھواؤں گا۔ وہ رقم بھی ڈوٹی۔ میں نے کتنی کتابیں انہیں بھیجی ہیں۔ سب ڈائری میں لکھی ہوئی ہیں۔ بیاض غالب بخٹو غالب کے تین سو نسخے میں اور ٹیکس صاحب سرحد تک پہنچا کر آئے تھے۔ ایک فہرست دی تھی کہ کتابیں ملاں ادارے اور اصحاب کو بھیج دیں۔ ایک بھی نسخہ کسی کو نہیں دیا تین سو روپے فی نسخہ کے حساب سے تمام جلدیں فروخت کر دیں اور پیسہ ہضم۔ تو جناب یہ ہضم امر وہی ہیں۔ ثار احمد فاروقی تو لوگوں نے ویسے ہی کہا شروع کر دیا ہوگا۔ اصل نام ہضم امر وہی ہے۔ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کی تمام جلدیں پہلے مشفق خولید کے ہاں سے اٹھائیں اور لاہور پہنچ کر بے چارے ڈاکٹر معین الرحمن کے گھر ڈاکٹر ڈالا اور انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کی تمام جلدیں اٹھا کر سیدھے دلی پہنچ کر دو نے دام کمرے کئے اور قصہ ختم پیسہ ہضم۔ منشی پریم چند نے آہنگ غالب کے نام سے غالب کے دیوان کی شرح لکھی تھی میں اس کی تلاش میں ہوں۔ مرزا فقیر الرحمن مرحوم نے "تاشائے اہل کرم" کے نام سے غالب پر کوئی کتاب لکھی کیا یہ شرح ہے۔ میر فیروز کا قصہ یہ ہے کہ یہاں ایک صاحب تھے آغا رسلو چاہی صاحب۔ ان کے پاس اس کتاب کا ایک نسخہ ایسا تھا جس پر غالب کے ہاتھ کی لکھی ہوئی زائد عبارتیں تھیں۔ جناب یونیورسٹی غالب کی تمام

کتابوں کو دوبارہ شائع کر رہی تھی۔ میں نے مرحوم حمید احمد خاں صاحب کو لکھا تھا کہ احسن صاحب جو میری ضرورت کو مرتب کر رہے ہیں، تعریف لائیں میرے یہاں قیام فرمائیں اور اس نسخے کو دیکھ لیں۔ اسی سلسلے میں میرا صاحب کو بھی لکھا تھا لیکن احسن صاحب نہیں آئے اور کسی پرانے نسخے کا ری پرنٹ چھپ گیا اور مرتب اس کے احسن صاحب ہوئے۔ سلطان صدیقی نے ایم اے ایل ایل بی ایل کی گڑھ سے پاس کیا۔ جب ہندوستان میں ملازمت نہ ملی تو یہاں آگئے اور وکالت شروع کر دی۔ میں نے انہیں مجبور کیا کہ علیگ ہو اور لکھتے نہیں ہو۔ چنانچہ غالب پر مضامین لکھوائے جو عرفان غالب کے نام سے کتابی شکل میں چھپے میں نے مہر صاحب سے درخواست کی تھی کہ وہ اس پر دیا چتر پیر ملدیں مگر مرحوم اس قدر مصروف رہے کہ اس پر کچھ نہ لکھ سکے۔ سلطان صاحب اب بالکل نہیں لکھتے۔ وکالت پیشہ ہے مگر کچھ نہیں کرتے۔ اب حاجی ہو گئے ہیں۔ لہذا پڑھنا لکھنا لوگوں سے ملنا ہر چیز ترک کر دی ہے۔ میں نے مہر صاحب کے خطوط کے لئے اسنے پکڑان کے گھر کے لگائے ہیں کہ میں کو چہ یار میں بھی اتنی مرتب بھی نہ جاتا مگر حاجی سلطان پر کچھ اثر نہیں میں اس کی مغفرت کی دعا بھی سے مانگ رہا ہوں۔ ۱۹۸۵/۳/۳۰ء۔

ہاضم امرہ وہی کو میں نے "کتاب چود" نہیں لکھا انہیں کتاب چرانے کی کیا ضرورت ہے۔ جب طفیل صاحب جیسے لوگ خرید کر انہیں مگر تک پہنچا دیتے ہیں اور مجھ جیسے بے وقوف ان کے کہنے پر کتابیں خرید کر بھیج دیتے ہیں۔ ملتان میں ایک علاقے کو چوک بازار کہا جاتا ہے۔ شہر کا سب سے بڑا بازار ہے۔ ہر قسم کا انسان وہاں نظر آتا ہے۔ ایک فقیر کسی بھی صدا لگاتا ہے "اندھا محتاج اور لاچار ہے" میں نے کئی گھنٹے شائع کرنے کے بعد معلوم کر لیا کہ وہ اندھا نہیں ہے۔ پھر معلوم ہوا کہ وہ نہ محتاج ہے اور نہ لاچار۔ بہت بڑا ماہر نفسیات نہ کہیں غلطی بھی وہ بلا کا چہرہ شناس ہے اور علم قیادہ سے کام لے کر صرف اس وقت صدا لگاتا ہے جب اسے یقین ہو کہ سننے والا اس کے وار سے بچ نہیں پائے گا۔ ہاضم

اسروہوی بھی اس معاملے میں اپنا جواب نہیں رکھتے۔ ان کی ایک کتاب ملاحظ غالب میں نے لاہور سے چھپوائی تھی۔ یہ کتاب ٹائپ میں گاڈریج ہجے پر شائع ہوئی تھی۔ تمام روپیہ میں نے خرچ کیا۔ ملاقات بھی ہوئی خط و کتابت بھی رہی مگر کیا بھائی جو کبھی جھوٹے سے بھی حضرت صاحب نے ذکر کیا ہو۔ ہاں یہ ضرور ہوا کہ تین سو جلد ابن وصول فرمائیں اور دینی پہنچ کر فروخت کر دیں۔ اس کی جلد طفیل صاحب نے بخائی اور ڈسٹ کوڑ بھی انہی نے تیار کر لیا۔ انہم صاحب کے کمالات اسنے ہیں کہ بیس سال بحر کم از کم سال بھر مسلسل بارہ کھینے روزانہ لکھوں جب بھی پڑھنے والا کہے گا کہ حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا۔ مرحوم عبدالقادر سروری صاحب کا ایک مضمون ”کلام غالب کی شرحیں“ میں الاقوامی غالب سیمینارمر جب ڈاکٹر یوسف حسین خاں میں شامل ہے۔ میں نے بھی پہلی مرتبہ اسی مضمون میں پڑھا کہ غشی پر ہم چند نے آجنگ غالب کے عنوان سے دیج ان غالب کی شرح لکھی جسے دو آپ بے پلشر ڈلاہور نے شائع کیا تھا۔ حیرت ہے کہ لاہور میں کسی لائبریری میں یہ شرح نہیں ہے۔ بھائی کیا کہیں میں نے مولانا سہارن شاہت میرٹھی کی شرحیں بھی دیکھی ہیں۔ ۱۹۸۵/۳۱/۷۔

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبہ انگریزی کے پروفیسر اسلوب احمد انصاری صاحب نے تو اپنی زندگی اقبال جنہی کے لئے وقف کر رکھی ہے ان کی اقبال پر ایک کتاب ایسی بھی شائع ہوئی کہ مرحوم اندامہ گاندھی دزیرا عظیم ہند انہیں مبارک باد دینے پہنچیں۔ میرے ایک نہایت عزیز دوست پروفیسر نذیر احمد صاحب اقبال صدی کے زمانے میں لندن میں سفارت خانے میں ملازم تھے۔ اب ڈپٹی سیکرٹری ہیں۔ انہوں نے مجھے لندن سے لکھا تھا کہ اقبال سے محبت تو دور کی بات ہے۔ پاکستانی ادیبوں کو کیا ہو گیا ہے کہ کوئی ڈھنگ کی کتاب ہی نہیں لکھی۔ اس کے برعکس ہندوستان میں بہت بڑی تعداد میں اقبال پر نیو ایجٹ مرہ کتابیں شائع ہوئی ہیں۔ اقبال کے نام پر اکیڈمی قائم ہے مگر کوئی گورنمنٹ کلاس نے کے لئے غیر ممالک کی سیر کرانے کے لئے اور جو کسر وہ جاتی ہے تو باہر سے واپس ورتے ہیں۔ ایک

خاتون کا نام آپ نے ضرور سنا ہو میری قلمی بیہ خاتون ہر سال ہی تشریف لاتی ہیں اور سارا
 زور اس بات پر ہے کہ اقبال صوفی تھے اچھا صاحب ہوں کے لیکن اقبال کے کلام کا وہ حصہ
 جو حرکت و عمل کی تحقیر کرتا ہے اس سے اجتناب برتا جاتا ہے۔ کیا اقبال کے بارے میں جج
 بولا جاسکتا ہے۔ ۱۹۸۵/۹/۱۷ء۔

لطیف الزماں خاں کے ارشادات آپ نے ملاحظہ فرمائے اب اجازت چاہتا
 ہوں۔ انھیں ۹ مئی ۱۹۹۰ء۔]

[داخلہ صفت نے بعض مقامات پر اپنی رائے غلطو کی رعایت سے ہر خط کے
 آخر میں اور بعض جگہ اس رعایت کے بغیر صوفی کے آخر میں درج کی تھی۔ صوفی
 کے آخر میں درج آراء ہم نے تحریر کی آسانی کے لئے یہاں جمع کر دی ہیں
 تاکہ سمجھا نہ ہو۔ (ادارہ)]

[ماہ نامہ طلوع افکار نکرا پڑھا مئی ۱۹۹۱ء]

دیوان غالب بظلم غالب (ڈاکٹر ثار احمد فاروقی) کتاب نما میں شائع ہو چکا ہے
 حقیقت کیا ہے اس کا جواب بھی ضروری ہے۔

[اکبر رحمانی عام صحنہ مجموعہ مطبوعہ ماہنامہ طلوع افکار نکرا پڑھا مئی ۱۹۹۱ء]

ابا مرحوم سید مبارک شاہ جیلانی اردو لائبریری کا ڈول ۱۹۳۶ء میں ڈالا۔ کتب خانے کا نقیب
 خدا جانے کیوں تھے۔ مبارک اردو لائبریری کا ڈول ۱۹۳۶ء میں ڈالا۔ کتب خانے کا نقیب
 بھی تو ہو کوئی۔ لہذا ۱۹۳۳ء میں سرماہی "لالہ صحرا" کا اجراء ہوا۔ مشاعرے کرائے
 نشستوں کا اہتمام ہوا۔ یہ ایسے وقتوں کی بات ہے جب سفر اتنا آسان نہ تھا اور اس دیر آنے
 میں گنتی کے لوگ بھی مشکل سے پائے جاتے تھے۔ "پڑھے لکھوں" کا ایک قلمی جواب بھی
 ہے جب کیا حال ہوگا آپ اعداد و کر سکتے ہیں۔ ابا مرحوم کی تعلیم بھی تو یونیورسٹی ہی تھی
 تھی۔ مطالعے اور مشق و محنت سے لکھنے کا ایک عجیب سا لہجہ تھا۔ یونیورسٹی کی تہذیب

پر جان بچھڑکتے تھے۔ وہ چاہتے تھے ان کی اولادوں میں بھی اردو سما جائے۔ میرے بڑے بھائی مہدی شاہ کو انہوں نے جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی میں اور مجھے رئیس احمد جعفری مرحوم کے گھر میں ڈالا۔ پڑھ لکھ کے تو ہم دونوں نے کچھ ایسا نہیں دیا۔ بول چال کی حد تک ضرور دشمن قاف سے درست ہو گئے۔ اچھے اچھوں سے رابطہ ضبط اپنی تعلیمی محرومی کا ازالہ میں نے مشاہیر اردو سے مراسلت اور ملاقات کرنے کی کوشش کی جو اب تک جاری ہے اور اس پر "نیں کبھی نہیں شرمایا۔ میں شاعروں اور یوں سے کچھ نہ کچھ پوچھتا رہتا ہوں۔ بہت کچھ سمجھا" سیکھا بھی۔ لطیف الزماں خاں صاحب کا یہ کہنا کہ "مجھے اعزاز ہے وہ برصغیر کے کیسے اور کن ادیبوں کو خط لکھتے ہوں گے"۔ کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ کیسے اور کن ادیبوں کو خط لکھتا ہوں دو تین نام موصوف نے خود بھی لکھ دیئے ہیں مہر نواز عبدالحق "یہ تینوں معتبر اور مستند ہیں ایسے لوگوں سے مراسلت پر غالب کوئی معترض بھی نہیں ہونے کا۔ میرے طالب علمان سوالات کے جواب دینا مرحومین کی عالمانہ اور ادبیانہ صداقت تھی۔ سوال کا دوسرا نام تحقیق ہے میں نے اس میں تحقیق کو بھی شامل کر لیا تو اسے بھی ایک طرح اضافی ہی کہنا ہوگا۔ اگر کریدے یا نہیں تو تحقیق عمل نہیں ہونے پاتی۔ کریدے یا نہیں بہت سی چیزیں تھیں جہ جگہ ملتی ہیں۔ خاں صاحب ہی کے محبوب موضوع غالب کو لے لیجئے غالب کی کرید پر ایک صدی گزر چکی اس پر بھی ہنوز دہائیوں پہلو باقی ہیں۔ کریدے ہر ہے عیب کب سے ہوا۔ سب سے بڑے کریدے بچے قاضی عبدالودود تھے۔ کریدے کے میدان میں اور بھی بہت سے مجنوں جاوید پجائی کرتے ہوئے ملتے ہیں۔ میرا شمار محققین اردو میں نہیں ہوتا۔ جو لوگ فن کریدے کے ماہر ہیں۔ خاں صاحب نے کبھی ان کی خبر نہیں لی۔ مجھ پر لٹھ لے کر دوڑنے کی کیوں ضرورت پیش آئی۔ مشاہیر عصر سے فضول کی مراسلت بھی تو میں سمجھتا ہوں ایک اعزاز اور اصلاح حال کی ایک شکل ہے تو۔ دو تین نام تو بہت معتبر ہیں۔ مہر نواز عبدالحق۔ میں نے تو بہت سے اخلاقی اہلکار ادیبوں کے خطوط بھی سنجیدہ سنجیدہ کر رکھے ہیں۔ مجھے ان کے تحریری وجود سے سابقہ

رہا۔ وہ اتنی بڑی شہر آشوب کی ڈکار جاتے ہیں صنف نازک ہی نہیں صنف کرخت پر کیوں کر جھپٹے اور پٹے پائے جاتے ہیں اس کے بھی ہم نے محض لطف لئے ہیں اور بیانہ اور شاعرانہ عظمت کے نقش ہمارے دل پر جھنگایا ہی کہے۔ رئیس امرہ ہوئی جون الیہا سید محمد تقی جو شہنشاہ آبادی رشید اختر ندوی مجید لاہوری، کلیل عادل زادہ محمد علی صدیقی، انور شعور اور کتنے چلے جائے شیعوں کا حاضر باش تو میں رہا ہوں۔ سینکڑوں سے خط و کتابت رہی ہے رہتی ہے۔ کوئی عمل فرشتہ کوئی پورے کا پورا شیطان کہیں نہیں پایا جاتا۔ آدمی تو آدمی ہوتا ہے۔ خیر و شر کا مجموعہ نہیں مرقع۔ مجموعے اور مرقعے کا فرق خاں صاحب کران کو اہل زبان ہونے کا غرہ بھی ہے مجھ سے بہتر جان جائیں گے۔ ”کیسے اور کن“ سے مراد اگر ایسے دیسے لوگوں سے ہے تو میری مراسلت میری ملاقاتیں انہی ایسے دیسوں سے رہی ہیں انہی کی۔ لطیف الزماں خاں کے نام مجھے یاد نہیں رہا۔ میں نے اتنا اور ایسا کیا کیا لکھا تھا کہ وہ زوج ہو گئے۔ ظاہر ہے میرے سوالات کی بھر مار ذاتی قسم کی تو رہی نہیں ہوگی۔ طالب علمانہ سوالات ہوں گے۔ زوج تو وہ ہوتا ہے جس پر اس کی صلاحیتوں سے زیادہ کچھ لا دیا جائے۔ میں نے بہر حال خاں صاحب کو پردہ فیر کچھ کر ہی کچھ پوچھا ہوگا۔ ایک طرف تو غالب سے عشق کے دعوے ہیں اور میرے سوالات بھی بقول ان کے غالب ہی سے متعلق رہے تھے۔ تو وہ تو میں نے سنبھال کر رکھے بھی باقی فضول کے مراسلے چھاڑ کے بھیک دیئے۔ اس سے ظاہر ہوا میں نے بلورادیب کے خاں صاحب کو لیا ہی نہیں۔ میرا مسئلہ غالب رہا ہوگا غالب سے متعلق تحریریں تو محفوظ رہیں باقی ضائع ہو جانے کا چرکا خان صاحب کو سہنا پڑا۔ اب کچھ میں آیا وہ مجھ سے غنا غنا سے کیوں ہیں۔ ایک طرف تو وہ کہتے ہیں غلام مکتوب نگار نہیں مکتوب الیہ کی ملکیت ہے۔ بھران کی واپسی کا مطالبہ کیا اور اگر آپ کے قلم سے کوئی ایسی ایسی بات نکل گئی ہے اور اس کا انحصار مقصود ہے تو یہ بات قلم چلانے سے پہلے آپ کی عقل میں کیوں نہیں آئی۔ ہم تو یہ جانتے ہیں قلم اور زبان سے نکلا ہوا ہر لفظ پر لایا ہو جاتا ہے اور یہی بات اگر

کوئی بھولے سے خان صاحب کی زبان قلم سے نکل بھی گئی ہے تو اسے کارٹوٹاپ کے ذیل میں لئے جانے میں حرج ہی کیا ہے۔ مجھ سے ان سے نہ تو ان کی عاشقی کے قصے زیر بحث آئے نہ خاتون خاند سے بچ اور جو تم بزرگ کا ذکر آیا نہ اولاد کی تافرمانوں کی کوئی کہانی حضرت نے ہم سے چھیڑی، بچپن لڑکپن کے حوادث سے بھی ہمیں لاعلم رکھا گیا۔ وہ جوان کا کہنا میرا ان سے بے تکلف ہونے کا ہے تو جس شخص سے کبھی ملاقات ہی نہ ہوئی ہو۔ کاغذی ملاقاتوں میں کوئی کسی سے کہاں تک مکمل سکتا ہے۔ میرا اب دلچسپ اے کہا کر دیائے کہدھر کو جا رہا ہے بھی ظاہر ہے نہ رہا ہوگا، حسن کے پتے وہ نہیں ہیں کہ ان پر عشق بھارتا جاتا، تاہم ایسے لوگ (ادیب اور شاعر) بھی موجود ہیں، بچپن بچپن برسوں سے مراسلت چلی جاتی ہے۔ آتنا سامنا نہیں ہوا لیکن ہم ایک دوسرے کے لئے کھلی کتاب ہیں۔ دل مل جانے والی بات ہوئی تھی۔ لطیف الزماں خاں میرا دور کا مطالعہ یہ ہے کہ بہت کچھ سناٹ ہیں وہ بنتے بہت ہیں آنکھ سے آنکھ ملانے والی کوئی بات ان میں نہیں پائی جاتی وہ ہر وقت سیاہ چشمہ چڑھائے رہتے ہیں۔ ایک انگریزی پڑھانے والے استاد اور غالب زدہ آدمی مولویانہ پوست کا شکار ہو جائے تعجب ہے۔ میں حسن ظن کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتا۔ میں تو اب بھی لکھتا رہتا ہوں، میں کبھی راہ دور سم توڑنے کا روادار نہیں رہا۔ تحریر میں شخصیت کو تلاش کرنے والا لطیف الزماں میرے خاکساری اور مستقل حراچی کے جوہر کو نہ پاسکا، افسوس۔ میرے خطوط نویسی اور کردہ کے مرض کا شاخسانہ مولانا غلام رسول مہر کے مکاتیب کا مجموعہ ”خلوط“ اگر آپ کی نظر سے نہ گزرا ہو تو اسے دیکھئے اور خاں صاحب کی ”صاحب نظری“ کا ماتم کیجئے۔ [انیس مام حسین، انجم مطبوعہ، ایڈیٹر مطبوعہ افکار کراچی جون ۱۹۹۹ء]

آپ کا بھیجا ہوا، بقلم خود کا تھکس مل گیا تھا، میں ۱۲ جولائی کو انگلستان آ گیا اور ابھی ۱۰-۱۲ دن یہاں اور قیام رہے گا اس لئے جواب نہ دے سکا تھا۔ آپ نے جو کچھ بھجوا ہے وہ بہت اہم ہے۔ مجھے آپ صرف اس خط کی فوٹو کاپی ازیر وکس کاپی بھیج دیں جس میں

موصوف نے لکھا ہے کہ طفیل صاحب مرحوم نے انھیں دس ہزار روپے دیئے تھے اس کے لئے آپ کا نہایت ممنون رہوں گا۔ جو شخص خود اس کردار کا ہو وہ دوسروں کی عیب جوئی کرے حیرت کی بات ہے۔ مگر میں نے صبر کر لیا اور معاملہ اس کے سپرد کر دیا جو ختم حقیقی ہے انصاف کرتا ہے عظم نہیں کرتا و سب علم الظہین ظلموا ای متقلب بنقلبون

[ثارآوردہ روتی تمام انھیں ۱۱۳ جولائی ۱۹۹۱ء]

لطیف الزماں کے مکتوبی اقتباسات بحجب شائع کر کے آپ نے ایک چھوٹا نہیں بڑا کام کر دیا۔ دو چار ایک اسی مزاج کے ہر میدان میں اتر آئیں تو اردو کے مزاج میں برسوں سے رہ چکی ایسی منافقت و حمل کر صاف ہو جائے۔

[انھیں تمام حسین انجم مطلوبہ ماہنامہ طلوع افکار کراچی جولائی ۱۹۹۱ء]

”سید انیس شاہ جیلانی کا“ ”لطیف الزماں خاں تقلم خود“ بھی خانے کی چیز ہے۔

[۱۰ سرمدی تمام حسین انجم مطلوبہ ماہنامہ طلوع افکار کراچی جولائی ۱۹۹۱ء]

مئی ۱۹۹۱ء کے پرپے میں انیس شاہ جیلانی کے نام لطیف الزماں کے خطوط کے طویل اقتباسات سے مرعب ہونے والی شخص کہانی پڑھ کر متاسب سمجھا کہ آپ کی توجہ اس امر کی طرف مبذول کراؤں کہ اس سے لطیف الزماں کی کردار کشی کا زاویہ نمایاں ہوتا ہے۔ خان صاحب نے یہ خطوط ذاتی حیثیت میں لکھے اور کتنے وقت جیلانی شاہ کے اعتبار کو ملحوظ نظر رکھا۔ یہ خط اشاعت کے لئے نہیں لکھے گئے تھے۔ شاہ صاحب کو اگر ان کی اشاعت مقصود تھی تو اس کے لئے انھیں لطیف الزماں خاں سے اجازت لینی چاہئے تھے اور اس کا ذکر اس مضمون کے دیباچہ میں کرنا چاہئے تھا۔ یہاں ثار احمد صاحب کے اس قسم کے خطوط کا حوالہ اس لئے ضروری نہیں کہ ان کی اشاعت کے بارے میں لطیف الزماں صاحب کا حسن عمل ”طلوع افکار“ میں سامنے آچکا ہے۔ لیکن یہ ایسی مثال نہیں جس کی انیس شاہ جیلانی پیروی کرتے۔ اس محتاج گراں مایہ کو شاہ صاحب اگر لطیف الزماں کی زندگی میں صرف

اپنے پاس محفوظ رکھتے تو شاید زیادہ مناسب ہوتا۔ ان کا یہ عمل مجھے اس لئے بھی اچھا نہیں لگا کہ خطوط کے اقتباسات سے خان صاحب کی یک طرفہ اور مغلّی تصویر مرتب ہوتی ہے۔ جب کہ میرا خیال ہے کہ لطیف الزماں غویوں اور خامیوں کا دلاؤ دین مرقع ہیں۔ ان کی غالب دوستی بے مثال ہے۔ اپنی کی رشید احمد صدیقی سے عقیدت بھی لا جواب ہے۔ انہوں نے اپنی ادبی شخصیت بنانے کی بجائے غالب اور صدیقی صاحب سے عقیدت پر قناعت کی اور انہیں باعزت و دگر مہتر عام پر لانے میں اپنی زندگی کا حقیقی حصہ صرف کیا ہے۔ اس کے لئے وہ بے پناہ دلوں کے مستحق ہیں۔ ان کی ذاتی کمزوریوں پر یہ خوبیاں مجھے غالب نظر آتی ہیں۔ ادب میں ان کی لگن غیر معمولی ہے۔ ان کی پسند اور ناپسند بھی شدید ہے۔ چنانچہ ان کے معاصرین خوش ہونے کے بجائے ان سے ناراض رہتے ہیں یا یوں کہہ لیجئے کہ وہ عام دنیا داروں کی طرح لوگوں کو خوش رکھنے کا فن نہیں جانتے اور اپنا تاثر بیان کرتے ہیں تو اس کے نتائج بھی سمجھتے ہیں شام صاحب اگر اس شخصیت کا خاکہ لکھتے تو یہ ایک چیز سے دیگر ہوتی۔ لیکن اب ان خطوط کا نتیجہ یہ ہوگا کہ لوگ باگ مغلّی خطوط میں بھی ڈپلومیسی سے کام لیں گے اور کچھ کو زبان پر نہیں آنے دیں گے۔ نقصان کس کا ہوا؟ جیلانی شاد کا یا پوری ادبی دنیا کا؟

یہ تاثر میرا ذاتی ہے لیکن میں اس میں "طلوع افکار" کے قارئین کو شریک کرنے کا آرزو مند ہوں تاکہ ذاتی خطوط کی اشاعت سے قلیل آدابائے کرام مکتوب نگار سے اشاعت کی اجازت ضرور حاصل کر لیا کریں۔ (ادارہ طلوع افکار اپنے طور پر اس باب میں لطیف الزماں خاں سے رجوع ہوا تھا۔ م۔ م۔)

(۱۵) یہ [خود مدہ عام مسین انجم ملبودہ ماہنامہ طلوع افکار کراچی جولائی ۱۹۹۸ء]

لطیف الزماں خاں صاحب اور توفیق احمد امر دہوی کے سلسلے کا وہ مقالہ جو جناب شراحہ فاروقی ^(۱) نے تحریر کیا تھا وہ میں نے پڑھا۔ اتفاق سے جلال الدین صاحب جو اس رزمیہ دیوان غالب مغلّی غالب کے ایک ہیرو دیوان ہیں وہ بھی ابراہام دس رچے ہیں اور

میرے شاعر بھی رہ چکے ہیں۔ 'طلوع افکار' کا وہ پرچہ جلال صاحب لے گئے غالباً وہ بھی کچھ مٹرو ضات آپ کی خدمت میں بھیجیں گے۔

[مجلس رضوی، نام حسین انجم مطبوعہ ماہنامہ طلوع افکار کراچی، جولائی ۱۹۹۱ء]

کسی اور پرچے میں آپ نے کسی لطیف الزماں خاں کے بہت سے خط چھاپے ہیں جن میں شاعر احمد فاروقی اور بہت سے معاصرین کے بارے میں دل آزار باتیں ہیں۔ لطیف الزماں صاحب کی ادبی اہمیت سے میں واقف نہیں لیکن اگر ان کے خط اتنے اہم کچھ گئے کہ شائع ہوں تو ان لوگوں کا جواب بھی ساتھ شائع ہونا چاہئے تھا جن کے تذکرے ان خطوط میں ہیں۔

[لطیف الزماں خاں صاحب کے مضمون "دیوانی غالب" بنظر غالب "کا جواب جب ڈاکٹر نثار احمد فاروقی صاحب کے قلم سے کتاب نما میں شائع ہوا تو ہم نے کتاب نما کے شکر یہ کے ساتھ اس مضمون کو اپنے یہاں نمایاں طور پر نقل کیا تھا۔ لطیف الزماں خاں صاحب کے انجس شاہ جیلانی کے نام خطوط "لطیف الزماں خاں بقلم خود" کی طلوع افکار میں اشاعت کا غالباً زیادہ فائدہ ڈاکٹر نثار احمد فاروقی صاحب کو ہوا۔ کردار کئی کو ہم بھی برا سمجھتے ہیں لیکن حقائق سے چشم پوشی کی قیمت پر یہ سودا نہیں کرتے۔ اگر جواباً موصول ہونے والی تحریر شائع نہ کریں تو قصور وار۔ (مدبر)]

[حسن الرحمن فاروقی، نام حسین انجم مطبوعہ ماہنامہ طلوع افکار کراچی، ستمبر ۱۹۹۱ء]

لطیف الزماں کے خطوط (یعنی طلوع افکار) میں پڑھ کر دل خوش ہو گیا۔ یہ نجی خطوط ہیں امید ہے انجس شاہ جیلانی نے لطیف الزماں خاں کے لئے اجازت لے کر ان کی اشاعت کرائی ہوگی۔ ان خطوط کو پڑھنے کے بعد میں اپنی رائے واضح لینے پر مجبور ہو گیا

نہ تیرہویں اور اب خطوط نگار سے احساس ہے کہ کل فردوشوں کی فرستگاہوں سے مزید پردہ اٹھائیں۔

(۸) آتش [معنی کریم کام حسین انجمن مطبوعہ ہندوستان، لاہور، ۱۹۹۱ء]

(۹) آتش جناب انور سدید کے ارشادات نظر نواز ہوئے جو لوگ احمد عظیم کاکی کو ناکوں

بچے چھوچکے ہوں ہم کیا تاب لاسکتے ہیں تاہم یہ تو کہہ سکتا ہوں ہماری زبان اور قلم سے جو

کچھ نکل گیا ہے وہ ہمارا ارتقا ہے وہ تو مشترک سرمائے کی حیثیت اختیار کر لیتا ہے۔

ہم آتے تھے کھوٹی موٹی ہو کر کیوں رہ گئے ہیں بلکہ ہم چھوٹی موٹی ہی چلے آ رہے ہیں اور اذرا سی

نکات پر پوری پوری سطریں اڑا کر نقطے لگا دینے کی روش تو گویا روز افزوں سے چلی آ رہی

ہے۔ اس لئے غور و فکر سے صاحب پروردے سے ملنے بلکہ مکمل خط گول کرنے کی دمن میں ہیں خط

(۱۰) مکتوب الہی کی ملکیت ہوتے ہیں۔ مکتوب نگار حق ملکیت کیوں کر جتا سکتا ہے اور اس تکلف

اور محنت پر جس کون پڑے گا اس سے پوچھتا ہوں کہ اگر ایسا ہی ہے تو قلم کو ناکام و بے صاحب

(۱۱) قلم کا کام ہے۔ بے لگائی کی ایک حد تک ضرورت پڑتی تو رہتی ہے اور یہ کردار کٹھی کا یہاں

کیا قصہ ہے۔ لطیف الزماں خان ہیں خاتم تو نہیں وہ مرادانہ اور اویانہ کردار کٹھی سے ایک

خاص شغف خاں صاحب کو بھی ہے اور وہ اس میں خطرناک حد تک جباک ہیں۔ ایک گفتگو

یہ بھی ہے کہ ہم یورپ کے ہم پلہ اولیٰ اور سیاسی اور اقتصادی اعتبار سے کیوں نہیں ہیں۔

بھائی آپ کے ہاں تحریر اور تقریر پر پھر سے ہی اسے ہیں۔ استفادے کی راہیں مسدود ہیں۔

یورپی فرانسیسی یعنی روسی رسائل و جرائد اور کتب میں آپ کو کافی اور عریانی ہی نظر آتی

ہے۔ کوئی ہی ابھی بات بھی تو پائی جاتی ہوگی۔ ہم ایک ذبیحے میں بند قوم ہیں بالکل کنوئیں کے

مچھڑکے وہ بھی کبھی کبھار سورج کی روشنی کا مزہ چکھ لیتا ہوگا۔ ہمارا حال اس سے بھی بدتر

ہے۔ جہاں قدم قدم جو بددی محمد حسین اب بھی موجود ہیں جنہیں منو جیہا رنگ جاں سے

قریب کا گم کار لنگھی نظر آتا رہا۔ زندگی بھر جب تک جئے منو پر ایک نہ ایک حذاب مسلط

کرنے کا خواب کھاتے رہے۔ ایک اور بات بھی لطف سے خالی کیوں رہی ہوگی اقتدار اور

اخلاق کے پیمانے ہمارے ہی مرتب کردہ ہیں وہاں تو یہ تھا کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے خود پیغام حضور ﷺ کے نام بھجا کر حق مناکحت ادا کیا اور یہاں کہیں ہماری بہن نبیؐ کچھ اس قسم کا اظہار کر گزرے تو اکثر و بیشتر بقول شاہد احمد دہلوی بمشہدی گردن آزادی جاتی ہے۔ ہمیں کے وہ غیور لوگ جو بات بات پر لٹھ لے کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ لندن پہنچتے ہی اپنی بہو بیٹیوں کے ہوائے فریاد کو بخوش برداشت کر لیتے ہیں اس کا مطلب ہے اچھائی برائی کوئی چیز نہیں ہے۔ وہاں کی برائی یہاں کی اچھائی اور یہاں کی خوبی وہاں خرابی میں بدل جاتی ہے۔ قاصطے سٹ پکے ہیں۔ دُش امنینا بھی اب کے دن کا مہمان ہے بنو و لذ آؤر سے بچ لکنا اب کس کے بس کی بات ہے۔ چمکی پہرہ اب کہیں کام نہیں دینے کا۔ دنیا کہاں سے کہاں پہنچی اور یہاں فضول کے قصوں میں ذہنی تحفقات کی مصیبتوں میں الجھا یا گیا ہوں۔ قوت برداشت کا فقدان ہے۔ ہم فکر و نظر کے تارالوں میں بے حد ذلیل اور بخیل ہیں۔ خط و کتابت ہو مضمون نویسی ہو اس میں انور سدید صاحب کہتے ہیں لوگ ڈیو می کریں گے بالفاظ دیگر منافقت کریں گے۔ مگر کیوں؟ اب تو ہم صدیوں کا سفر طے کئے گئے لیکن رکے بغیر کہنے کی طرح کیوں نہ ڈالی جائے وہاں تو عورتوں تک نے اپنے جنسی تجربات بھی ہماری سچائی (ایمانداری نہیں) سے بیان کر دیے اور یہاں علمی ادبی عام معاملات میں طرح طرح کی از جہیں ہیں۔ اصل بات صحت حوصلے اور ظرف و فکر کی ہے۔ اپنے ہاں تو ایک ہزار منٹ کی حیات فکری میں حلیہ کہیں کھٹے نہیں پائیں اور باقی رہے اقبال تو وہ بچارے فرشتہ بنے ہوئے ہیں کیا کریں؟ زیادہ حد ادب۔

[انھیں تمام صمیمی انٹیم مطبوعہ ماہنامہ طبع و افکار رسالہ اپریل ۱۹۹۱ء]

طبع و افکار مہتا ہے مگر پابندی سے نہیں ملتا یعنی جس شمارہ کو مجھ تک پہنچنا چاہئے وہی نہیں آتا۔ آپ نے کسی شمارہ میں سید انیس شاہ جیلانی کا مضمون چھاپا ہے وہ مجھے نہیں بھیجا۔ کسی شخص کے ہارے میں بھی کوئی اثر ای بات لکھی جائے تو اس شخص سے جواب دہی

ذہبی طلب کریں۔ اطلاع تو دینی چاہئے۔ اس مضمون کے بارے میں بھی نہایت اختصار کے ساتھ اپنا بیان سمجھوں گا اسے شائع کرنا نہ آپ کی مرضی پر منحصر ہے۔

[شمارہ فاروقی نام حسین، انجم مطلوبہ ماہنامہ طلوع افکار کراچی، اکتوبر ۱۹۹۱ء]

طلوع افکار کے تازہ شمارے میں ہیکلے فاروقی کا خط شائع ہوا ہے یہ صاحب انگریزی کا مطالعہ بہت کرتے ہیں دشمنوں نے ان کے بارے میں یہی ہوائی ازار بھی ہے اور اسی لئے انگریزی نام ہیکلے فاروقی رکھا گیا ہے ان کے کے کچھا صاحب انہیں ہیکلے فاروقی کہتے ہیں (Buckley) ان کے علم و فضل کا یہ حال ہے کہ آپ نے عالم وجد میں غرہ بلند فرمایا کہ احمد مشتاق لاہوری (یہ صاحب واقعی ہیکلے ہیں اور اردو کے ہیکلے ہیں فاروقی کی طرح انگریزی کے ہیکلے یا ہیکلے نہیں ہیں) فراق کو رکھ دہری سے بڑا شاعر ہے۔ فراق صاحب کا تو کچھ نہ بگڑا غریب احمد مشتاق کا بیٹا حرام ہو گیا اور یار لوگوں نے ٹی ہاؤس لاہور میں بیٹھنا دو بھر کر دیا۔

میں تو گوشہ نشین تھا اور ہوں آپ کے خطوط کے اقتباسات شائع کر دیئے میرا کیا قصور۔ جس کا جیسا چہرہ تھا وہی سامنے آیا میرے محترم اور آپ کے ممدوح جناب شمارہ فاروقی کی تصویر اگر میرے الفاظ سے بن گئی اور آپ نے شائع کرادی تو میرا نام کیوں لیا جائے۔ فوٹو گرافر جب تصویر بناتا ہے تو اس میں رڈ و بدل نہیں کر سکتا میں دل آزاری کا نہیں دلداری کا قائل ہوں ہاں یہ ضرور ہے کہ حقیقت ہمیشہ حل ہوتی ہے میں نے جس شخص کے بارے میں جو رائے قائم کی ہے بہت غور و خوض کے بعد تجزیہ اور مشاہدہ کے بعد رائے قائم کی ہے۔

(Haukley) ہیکلے فاروقی عرف ہیکلے فاروقی کوڈاکٹر محمد حسن صاحب کے مضمون

میں ”خط بیاباں“ نظر آتھیں، کلیہ یہ ظہر اکہ جن صاحب کے بارے میں مضمون یا خط شائع ہو پہلے ایڈیٹر صاحب اس کا عکس متعلقہ شخص کو بھیجیں اور پوچھیں کہ کیوں صاحب میں یہ۔

مضمون یا خط شائع کروں اجازت مل جائے تو ٹھیک ورنہ پھاڑ کے پھینک دے۔

[لطیف الزماں خاں نظام انہس ۲۶ اکتوبر ۱۹۹۱ء]

یاری ہماری بھی تھی مرحوم طفیل سے وہ اللہ کو پیارا ہو گیا دوستی ثار احمد فاروقی سے تھی وہ کچھ اور نکلتے۔ [لطیف الزماں خاں نظام انہس ۲۰ اکتوبر ۱۹۹۱ء]

(ب) اس شمارے میں ایک خط میرے دوست ڈاکٹر انور سدید کا شائع ہوا ہے۔
درباب لطیف الزماں خاں فرماتے ہیں:

(۱) خان صاحب نے یہ خطوط ذاتی حیثیت میں لکھے تھے اور لکھتے وقت انہیں شاہ جیلانی کے اعتبار کو ملحوظ نظر رکھا۔ یہ خطوط اشاعت کے لئے نہیں لکھے گئے تھے۔

(۲) جب کہ میرا خیال ہے کہ لطیف الزماں فریڈوں اور خامیوں کا دلاؤ دین مرتع ہیں۔ ان کی غالب دوستی بے مثال ہے۔ ان کی رشید احمد صدیقی سے عقیدت بھی لا جواب ہے۔ انہوں نے اپنی ادبی شخصیت بنانے کے بجائے غالب اور صدیقی صاحب سے عقیدت پر قائم کی۔

میرے خیال میں اس قسم کی تشویش صرف ایسے مصنفین کو ہونی چاہئے جن کے ذاتی خطوط اور مطبوعہ تحریروں میں تضاد پایا جاتا ہو۔ اب اُسے کیا کہا جائے کہ ادب میں اعتبار مکتوب نگار کا دیکھا جاتا ہے مکتوب الیہ کا نہیں۔ ہماری ادبی تاریخ شاید ہے کہ وہی خطوط کلاسیک بنے ہیں جو ذاتی حیثیت میں لکھے گئے ہیں۔ اشاعت کے لئے لکھے جانے والے خطوط شمول مکتوب ہذا اگر ادبی ہوتے بھی ہیں تو کلاسیک نہیں بن پاتے۔

لطیف الزماں خاں نے اچھا کیا اپنی ادبی شخصیت نہیں بتائی ویسے اس کی مثال مختصر یہ فرو نہیں ہے۔ ان کی غالب دوستی بے مثال کسی طلوع انکار کے صفحات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک مشہور نسخہ دیوان غالب کی مشہور ریاضت کی رحمت منبت ہے۔ رشید احمد صدیقی سے ان کی عقیدت لا جواب کسی لیکن رشید احمد صدیقی کی تصانیف کی تدوین و

ترتیب کا کام ان سے بہتر پروفیسر نظیر صدیقی نے کیا ہے اور وہ بھی اپنی ادبی شخصیت کو قربان کئے بغیر۔ لطیف الزماں خاں نے اپنی ادبی شخصیت کو قربان کر کے رشید احمد صدیقی سے اپنی عقیدت کا اظہار کر کے تو اچھا کیا لیکن اس طرح ان کو یہ حق کیونکر حاصل ہو گیا کہ وہ آل احمد سرور جیسے عالی مرتبت ادیب و ناقد کے لئے ”جموئے“ جیسا ناٹائسٹ لفظ استعمال کریں۔ میں تو بالکل غیر جانبدار آدمی ہوں بلکہ میرے دوست مجھے طعنہ دیتے ہیں کہ تم آل احمد سرور سے اختلاف کر کے ناقد بن گئے ہو مگر میری نسل کا کون سا ناقد ہے جو آل احمد سرور کے قرض سے سبکدوش ہو سکتا ہے۔ ایسا لکھنے والا (لطیف الزماں خاں) کیا ڈاکٹر انور سدید کی توجہ کا مستحق ہے کہ ”عام دنیا داروں کی طرح لوگوں کو خوش رکھنے کا فن نہیں جانتے“؟ اگر لوگوں کو خوش رکھنے کا فن نہیں جانتے تو ذاتی غلطو کی اشاعت پر اتنا دادیلا کیوں؟ ابتدا لطیف الزماں خاں نے کی تھی۔ ثار احمد فاروقی بالکل حق بجانب تھے اپنے مقروض کے غلطو کو نقل کرنے میں۔ اگر بیاض غالب کو ثار احمد فاروقی نے نہیں بلکہ لطیف الزماں خاں نے جناب محمد ظہیر مرحوم کے حوالے کیا تھا تو بھی اپنی ادبی شخصیت نہ رکھنے والے لطیف الزماں خاں کو ثار احمد فاروقی کی ادبی حیثیت کا پاس رکھنا چاہئے تھا۔ اس اصول کے مطابق جو میرے عزیز دوست ڈاکٹر انور سدید کے خط میں موجود ہے۔

[محمد رضا کاظمی، مہنامہ حسین انجم، مطبوعہ ماہنامہ طلوع انکار، کراچی نومبر ۱۹۹۱ء]

انجمن میں محسن الرحمن فاروقی، انیس شاہ، جیلانی اور شاہد حسین کے غلطو پرانی بحث سے مربوط ہوتے ہوئے بھی نئی بحث کے دروا کرتے ہیں۔

[شہیر احمد قادری، مہنامہ حسین انجم، مطبوعہ ماہنامہ طلوع انکار، کراچی نومبر ۱۹۹۱ء]

کئی سال گزرے فاروقی صاحب تحریر لائے تھے میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا انہوں نے پچاسنے سے انکار کر دیا۔ میری ان سے لڑائی نہیں ہے ایک بات کا دکھ ہے بلکہ سینے میں داغ ہے۔ ثار احمد فاروقی صاحب کو میں نے دو ہزار روپے مرحومہ خالہ

صاحب کے لئے بھجوائے تھے انہوں نے چند روپے تو بھیجے باقی ہضم کرنے کے ذرا سوچنے پر وہ اور ضعیف کی رقم انہوں نے ہتھیالی وہ مجھ سے کہتے ہیں ان کے لئے دس ہزار کا انتظام کرونا لیکن انہوں نے مرحومہ خالہ صاحب کے ساتھ ظلم کیا۔ دلی میں اگر وہ مل گئے تو ضرور مل لوں گا۔ ۸۹ء میں لاہور میں قاضی صاحب کے دفتر میں مل گئے میں ان کے ساتھ گیا طفیل صاحب مرحوم کے گھر ساتھ کھانا کھایا مگر وہ میرے مضمون کو برداشت نہیں کر سکے انہوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگا لیا۔ بیگم طفیل سے تردید نہیں کر سکے کہ انہوں نے مرحوم طفیل صاحب سے میری اور بیگم طفیل کی موجودگی میں انہیں ہزار روپے لئے اس میں سے چھ ہزار مالک مخطوط کے اور آٹھ ہزار مالک دمام صاحب کے لئے تھے کسی کو ایک پسند آیا میں نے جب یہ سب کچھ لکھ دیا تو وہ اونچے ہتھیاروں پر اتر آئے۔

[لطیف ارباب خاں عام انہیں ۱۳ نومبر ۱۹۹۱ء]

میں نے اپنے ذرائع سے عکس حاصل کئے اور طفیل بھائی کو دیئے محترم ڈار احمد فاروقی صاحب نے بھی مخطوط کی زبرد کس میرے لئے اپنے بچا کو بھیجی جو میں خود جا کر ان کے گھر سے لایا مگر اس وقت تک نقوش غالب نمبر ۲ "بیاضی غالب بخط غالب" کے عنوان سے چھپ چکا تھا۔

اگر فاروقی صاحب طفیل صاحب مرحوم کو عکس بھیجنا ہی چاہتے تھے تو براہ راست بھیج سکتے تھے انہوں نے کبھی ایک لفظ اپنے کسی مضمون میں نہیں لکھا وہ لکھ سکتے تھے کہ عکس انہوں نے طفیل صاحب کو فراہم کئے ان کی کتاب حلاش غالب دیکھئے اس میں ایک مضمون ہے مگر کہیں یہ نہیں لکھا کہ عکس انہوں نے فراہم کئے۔ نقوش کے تازہ شمارے میں جو خط شائع ہوا ہے اس میں بھی وہ یہ لکھ رہے ہیں کہ عکس میرے لئے بھیجے ہیں۔

طبع المکار کے تازہ شمارے میں ان کا خط شائع ہوا ہے کہ آپ نے میرے مخطوط کے اقتباسات سے مضمون بنالیا اور چھپوا دیا اب وہ پھر انہی سیدھی ہاتھیں کے وہ ایک

بات کی تردید نہیں کر سکتے نہ متعلقہ حضرات سے کرا سکتے ہاں مجھے گالیاں ضرور دے سکتے ہیں اور میں گالیوں کا جواب نہیں دیا کرتا ورنہ شان میں اور مجھ میں فرق کیا رہے گا۔

[الطیف الزماں خاس نامہ نمبر ۱۳۳ نومبر ۱۹۹۱ء]

آج کل وہ یہاں آئے ہوئے ہیں اور ایسے ذمیت ہیں کہ مجھ سے ملنے بھی آئے میں نے آپ کے مضمون کے حوالے سے پوچھا کہ آپ نے محمد طفیل سے کس بات کی اجرت وصول کی تھی؟ کیا یہ امانت میں خیانت اور کھلی ہوئی بے ایمانی نہیں ہے تو کہنے لگے کہ انہوں نے صرف پیش کش کی تھی۔ اس لئے جس خط کا میں نے مطالبہ کیا تھا اس کی نقل رکھنا ضروری ہے اور اس کا ایک عکس آپ جاوید طفیل کو بھی بھیج دیجئے گا۔ اب وہ مرحوم محمد طفیل تو ہیں نہیں، وی تصدیق کرتے میرا گمان یہ ہے کہ اس شخص نے ان سے اجرت یہ کہہ کر لی ہوگی کہ مجھے بھیجی جائے گی میں نے اپنی پوری زندگی میں ایسا بے غیرت انسان نہیں دیکھا جو خود جھوٹ بولے اور دوسروں کو جھوٹا بتائے۔ خود ہکا بے ایمان ہو اور دوسروں کی بے ایمانی کا بھاپا پھوڑنے کا دعوہ کرے۔ یہ شخص شاید عقل سے بھی پیدل ہے اگر اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھتا تو کبھی یہ گندگی نہ اچھاں جس کا ادب سے یا علمی موضوع سے کوئی تعلق نہیں۔ خیر اللہ حکم حقیقی ہے میں نے یہ سارا معاملہ یوم الحساب کے لئے اٹھا رکھا ہے شاید آخرت میں میرے کام آجائے۔ والوزن یومئذ الحق۔

[۵۱ راحہ فاروقی نامہ نمبر ۳۵ فروری ۱۹۹۲ء]

میں تین ماہ ہندوستان میں گزار کر ۱۲۲ اپریل کو پہنچا جب یہاں سے گیا تھا تو ایک کرم فرما کا حکم تھا کہ دلی میں ثار احمد فاروقی صاحب سے مل لوں، دلی پہنچا تو کئی احباب فخر ہوئے۔ چنانچہ میں فاروقی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ ملنے آیا ہوں وہ مشتعل ہوئے اور فرمایا کہ: ”انہیں شاہ جیلانی سے میں نے تمام اور بیکل مخلوطاتہار سے منگوائے ہیں تم نے طفیل صاحب سے دس ہزار روپے لئے تھے۔“

میں نے بھی ایسا کوئی جملہ آپ کو نہیں لکھا اس لئے کہ اس میں کوئی صداقت نہیں ہے اگر ایسا جملہ میرے کسی خط میں ہوتا تو اُن اقتباسات میں ضرور ہوتا جنہیں آپ نے قطع و برید کر کے مضمون کی شکل دے دی تھی۔ میں تو چاہتا تھا کہ یہ بات کو اور صورت حال فہم ہو لیکن اگر فاروقی صاحب آپ کا نام لے کر الزام و اتہام لگائیں گے تو مجھے اپنے بچاؤ کے لئے سوچنا پڑے گا۔ [لطیف الزماں خاں، ۲۴ مئی ۱۹۹۲ء، پریل ۱۹۹۲ء]

میں ۱۲۱ اپریل کو دلی سے واپس آیا۔ ۱۲۲ اپریل کو آپ کو خط لکھا کہ دلی میں محترم ڈاکٹر احمد فاروقی صاحب نے ملاقات کے دوران فرمایا کہ انہوں نے آپ سے میرے اور بیکل خطوط منگوائے ہیں کہنے لگے کہ جو کچھ آپ نے لکھا وہ میں نے معاف کیا لیکن ایک بات معاف نہیں کر سکتا کہ طفیل سے دس ہزار روپے لئے ہیں۔ میں نے بھی ایسی کوئی بات آپ کو نہیں کہی اگر لکھی ہوتی تو آپ نے جو اقتباسات میرے خطوط سے شائع کئے تھے ان میں لانا آتی۔ اب آپ میرائی فرما کر یوں ہی ڈاک لکھنے کے اصل قصہ کیا ہے۔ پہلی بار ایسا ہوا ہے آپ نے میرے خط کا جواب نہیں دیا اگر آپ نے اب بھی میرے خط کا جواب نہ دیا تو میں کبھی کسی خط کے جواب دینے سے قاصر رہوں گا۔

[لطیف الزماں خاں، ۲۴ مئی ۱۹۹۲ء، میرے پاس جو کچھ تھا وہ درج مگزٹ ہوا]
جس مکتوب کی نقل کے لئے میں نے لکھا تھا اس کا حوالہ آپ کا مضمون دیکھ کر پھر کبھی لکھوں گا۔ آپ کے مضمون سے یہ بہت بڑا راز فاش ہوا کہ اس ذلیل انسان نے میری سبھی ہوئی امانت طفیل صاحب سے دس ہزار روپے لئے کہ ان کو دینی پھر بھی مجھے چور اور جھوٹا بتا رہا ہے۔ دنیا میں بے ایمان تو بہت ہیں مگر اتنا بے غیرت اور وحیث انسان تو شاید چراغ لے کر ڈھونڈیں تو ملے گا۔ بہر حال اس سے اُسے حاصل کیا ہوا؟ چاہے کن راجہ اور رئیس۔

[ڈاکٹر احمد فاروقی، ۲۴ مئی ۱۱ جولائی ۱۹۹۲ء]

ایک خط میں آپ نے دیوانہ غالب کے نکس کے بارے میں درخاست کیا تھا کہ

لطیف الزماں خاں نے اسے طفیل مرحوم سے کیوں چھپایا اور کیوں پیش کر دیا بھائی میں نے لطیف الزماں خاں کی پست فطرتی کے باوجود انہیں معاف کر دیا تھا مگر آپ کے نام کا جو خط طوع انکار میں شائع ہوا تھا اس سے مجھے پہلی بار یہ علم ہوا کہ اس کہینے انسان نے تنکس کے لئے طفیل مرحوم سے دس ہزار روپے وصول کئے حالانکہ میں نے وہ تنکس طفیل مرحوم کو بلا قیمت محض بطور ہدیہ دوستانہ بھیجے تھے اور انہیں یہ لکھا تھا کہ انہیں استعمال کر کے فوٹو لطیف الزماں کو دے دیئے جائیں۔ مجھے کیا خبر تھی کہ یہ شخص اتنا گھٹیا ہے کاش یہ بھانڈا طفیل مرحوم کی زندگی میں پھوٹ گیا ہوتا۔ یہ شخص دہلی آیا تھا یہاں تعلقات بحال کرنے کی کوشش کی مگر اب میں نے اس کا معاملہ اللہ کے سپرد کر دیا ہے آخرت پر اس کا ایمان نہ ہوگا مگر الحمد للہ میرا ایمان ہے کہ وہاں سب حساب کتاب صاف ہو جائے گا۔ [ڈاکٹر فاروقی، نام انہیں، ۱۵ دسمبر ۱۹۹۳ء]

کیا کتاب لکھی ہے آپ نے کہ پڑھنا شروع کریں تو ہاتھ سے چھوٹی نہیں کئی^(۱) خاکے ایک ہی نشست میں پڑھ لیے کچھ بس انداز کر لئے پڑھ کر مزہ آیا چھوٹے چھوٹے جملوں میں بڑی چٹکی باتیں کہی گئی ہیں اس کتاب میں کئے کا خاکہ بھی لکھئے تاکہ سرمایہ عبرت اور سرمۂ بصیرت ہو۔ [ڈاکٹر فاروقی، نام انہیں، تاریخ حصول ۱۲ جون ۱۹۹۴ء]

تیسرا خط ۱۳ دسمبر ۱۹۹۵ء کا ابھی ۱۵-۲۰ دن گزر چکا ہے جس میں آپ نے دیوان غالب (نسخہ امرودہ) ایڈٹ کرنے کی بشارت دی ہے مبارک ہو۔ مگر میرے بارے میں اس میں جو کچھ لکھا جائے وہ اگر مجھے اشاعت سے قبل دکھالیں تو اخلاقیات بہت اچھا ہوگا۔ جہاں تک کتابی خزانے کا تعلق ہے میں اسے اتنی اہمیت دینا قطعاً سمجھتا ہوں کہ دیوان غالب کی بحث میں اس کا نام آنے آگے آپ کو اختیار ہے۔

[ڈاکٹر فاروقی، نام انہیں، ۲۶ فروری ۱۹۹۶ء]

۱۔ یہ میرے قلم پر کردہ خاکوں کے مجموعے "آری قیامت ہے" کا ذکر ہے لیکن یہاں کراچی کے بڑا لکھن مرزا کو کہتے ہیں تم کیا جانو خاکہ لکھاری۔ انہیں ۲۰۱۲ء۔

دیوانِ غالب بظبطِ غالب

(رُودادِ اشاعت)

جاوید طفیل

غالب جنوری ۱۹۸۹ء میں محترم لطیف الزماں خان ملتان سے لاہور تھریف لائے اور حسبِ سابق انارے ہاں ٹھہرے۔ انہوں نے اپنے قیام کے دوران اپنا ایک مضمون ”دیوانِ غالب بظبطِ غالب“ (رودادِ اشاعت) مجھے عنایت فرمایا تھا۔ میں نے اس مضمون کو پڑھنے کے بعد اس کی اشاعت کے سلسلہ میں اپنی معذوری کا اظہار کر دیا تھا۔ جناب لطیف الزماں خان کا وہی مضمون بعد میں ”طلوعِ انکار“ کراچی کی ذیبت بتا دیوں سوال و جواب کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا۔

اگرچہ یہ بات میرے لئے خوشگوار نہیں ہے کہ ایسے معاملات زیرِ بحث آئیں جو دوستوں کے درمیان رہے ہوں لیکن اب صورتِ حال کچھ ایسی ہے کہ ایک طرف جناب لطیف الزماں خان مورچہ زن ہیں اور دوسری طرف جناب ڈاکٹر احمد فاروقی جوابات داغ رہے ہیں۔ مجھے دکھ اس بات کا ہے کہ والدہ محترم کے دو دوست اس فضول بحث میں الجھے ہوئے ہیں۔ تحریری جنگ اتنی آگے بڑھ چکی ہے کہ مجھے اپنی خواہش کے برعکس خطوط کا وہ خزانہ کھنگالنا پڑا جو مجھے درد میں ملا تھا۔

جناب لطیف الزماں خاں کے ارشادات سے متعلق اہم نکات میں نے اُن کے مضمون سے لئے ہیں جو ”طلوعِ انکار“ میں چھپا تھا۔ میرا انتخاب صرف اُن نکات پر مبنی ہے جن کا تعلق ”دیوانِ غالب بظبطِ غالب“ سے ہے۔

جناب ڈاکٹر احمد فاروقی صاحب کا موقف مضمون کی طوالت سے بچنے کے لئے غرض نہیں کیا جا رہا کیونکہ اُن خطوط کے چھپنے کے بعد جو اس مضمون کا حصہ ہیں میرے خیال میں

جناب ثار احمد فاروقی کا موقف چھاپنے کی ضرورت بھی باقی نہیں رہتی۔

مخطوط میں سے پہلا خط جناب ثار احمد فاروقی کا ہے جو دالہ محترم کے نام ہے اور بقیہ تمام مخطوط وہ ہیں جو کہ جناب لطیف الزماں خاں نے ”دیوان غالب بخط غالب“ کے سلسلے میں جناب ثار احمد فاروقی کو لکھے تھے۔ وہ تمام مخطوط جن کا تعلق بیاض غالب سے ہے۔ قارئین اور مستقبل کے مؤرخ کی نذر ہیں تاکہ وہ ان کی روشنی میں اپنی درست رائے مرتب کر سکیں۔ میں نے یہ ناخوشگوار کام اس لئے سر انجام دیا ہے تاکہ نقوش ”دیوان غالب بخط غالب“ سے متعلق معاملات کے سلسلے میں ہم سچ تک پہنچ سکیں اور اس طرح یہ ناخوشگوار بحث ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے۔

دیوان غالب بخط غالب (روداد اشاعت)

از: لطیف الزماں خاں

* ۱۵ اپریل ۱۹۶۹ء کو توفیق احمد قادری امر دہوی نے بھوپال کے ایک کتب فروش شفیق الحسن سے بیاض غالب کو گیارہ روپے میں خریدا اور ۷ اپریل ۱۹۶۹ء کو روزنامہ ”الجمیعت دہلی“ میں اشتہار دیا کہ اس کے پاس غالب کے ہاتھ کا لکھا ہوا دیوان موجود ہے اور اس کی قیمت چھ ہزار روپے ہے۔ ۷ اپریل ۱۹۶۹ء کو ہندوستان میں شائع ہونے والے کئی زبانوں کے اخبارات میں بڑی تفصیل سے یہ خبر شائع ہوئی کہ غالب کے قلم سے لکھا ہوا مسودہ جس میں تقریباً ایک ہزار اردو غزلیات ۱۳ فارسی کی اور گیارہ رباعیات اردو کی موجود ہیں دریافت ہوا ہے۔

* میں نے اپنے ایک عزیز کو جو علی گڑھ میں مقیم تھے لکھا کہ وہ میرے لئے ”دیوانا غالب بخط غالب“ خریدیں۔

* میں ایک روز لاہور گیا میرا قیام طفیل مرحوم (مدبر نقوش) کے گھر ہوتا تھا اس دن طفیل صاحب دن بھر مغموم رہے۔ سہ پہر کو کہیں نہ گئے۔ گھر پہنچے۔ کھانا کھایا۔ رات گزرتی رہی۔ طفیل صاحب نے بات کر کے ندوی۔ جب رات کے دو بج گئے تو میں نے مرحوم سے کہا ”تصور نہ بنائیے صرف معاف کر دیجئے میرا خیال تھا نادانگی میں مجھ سے کوئی غلطی سرزد ہوئی ہے۔ طفیل صاحب نے تکیہ کے نیچے سے ایک خط نکال کر دیا یا اکبر علی خاں کا خط تھا۔

* میں نے خط پڑھ کر کہا ”یار طفیل صاحب آپ کی خاموشی نے تو میرا دم ہی نکال دیا تھا۔ صبح سے چپ سا دھڑکی ہے۔ بول کر نہیں دیتے۔ بنائیے اس خط کو میں آپ کو یہ دیوان فراہم کر دوں گا۔

* جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ میرے عزیز نے ”دیوانِ غالب بنظرِ غالب“ نہیں خریدا تو میں نے انہیں نہایت سخت اور درشت لہجے میں خط لکھا۔ وہ دلی گئے تین دن کی تلاشی جستجو کے بعد وہ اس شخص کے پاس پہنچ گئے جس سے اکبر علی نے دیوانِ غالب کے فوٹو طیٹ بنوائے تھے اور اسے ایک پوسٹلکس دیا تھا۔ فوٹو گرافر کو اخبارات کے ذریعے یہ علم ہو گیا تھا کہ یہ قیمتی چیز ہے ان صفحات کو میرے عزیز نے منہ مانگے داسوں خریدا اور ایک بڑی بی کے ہمراہ مجھے بھیج دیا۔

* جب مجھے فوٹو اسٹیٹ ملے تو میں انہیں لے کر لاہور پہنچا لیکن طفیل صاحب کسی کام سے اسلام آباد گئے ہوئے تھے۔ میں یو یو دیشی اور غنشل کالج لاہور سید باقر رضوی صاحب سے ملنے چلا گیا۔ وہاں پڑا اکسز فرمان فتح پوری بھی بکریف فرما تھے۔ باقر صاحب نے مجھے دیکھتے ہی بلند آواز سے کہا۔

* فرمان بھائی یہ غالب کا دیوانہ ہے۔ اس کی اچھی کھولے ضرور غالب پر کوئی تحریر ملے گی۔ ہم تینوں دیر تک جھٹتے رہے۔ تھوڑی دیر کے بعد میں اور فرمان صاحب اسٹیشن کے لئے تانگہ میں سوار ہوئے۔ راستہ میں فرمان صاحب نے ہم چما: ”کیا باقر صاحب کا اندازہ

ٹھیک ہے۔ کیا انہی میں غالب پر کوئی تحریر ہے؟“ میں نے انہی میں سے لطافہ لکالا اور ”دیوان غالب بخت غالب“ کی فوٹو اسٹیٹ کا پیاں دکھائیں۔ وہ بہت حیرانی اور استعجاب سے ان اوراق کو دیکھتے رہے۔ ہاتھ صاحب کو داد دی اور پوچھا ”اب کیا ارادہ ہے؟ میں نے اُن سے کہا کہ میں نے طفیل صاحب سے وعدہ کیا ہے کہ میں یہ دیوان انہیں فراہم کروں گا وہی اسے شائع کریں گے۔

* میں نے دوسرے دن طفیل صاحب کو فون کیا اور اطلاع دی کہ جس چیز کی آپ کو تلاش تھی وہ آگئی ہے۔ طفیل صاحب نے کہا ”تم آتے ہو یا میں آؤں؟“ میں نے عرض کیا ”آپ ہی آجئے میں تو کل واپس آیا ہوں اور ہر روز چھٹی نہیں مل سکتی۔“

* طفیل صاحب تشریف لے آئے۔ میں نے بعض احباب کو مدعو کیا کہ طفیل صاحب کے ساتھ وہ بھی کھانا تناول فرمائیں جو حضرات بی ۱۳۹۱ اگلے مہینے ملتان میں جمع ہوئے۔

۱ پروفیسر غلام احمد شعبانگریزی گورنمنٹ کالج ملتان

اب (سیکرٹری مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد)

۲ مسعود اشعر رینے پلنٹ ڈائری امرتسرن ملتان

اب (۱۳) رچنا بلاک اقبال ٹاؤن لاہور

۳ سلطان محمد علی ایڈووکیٹ ملتان

۴ ایک یونیورسٹی ٹیچر

* دوپہر کے کھانے کے بعد چاروں حضرات کی موجودگی میں: وہ لطافہ طفیل صاحب کے سامنے رکھ دیا جس میں فوٹو اسٹیٹ تھے۔

* اب میں اور طفیل صاحب پھر باتیں کرنے لگے ”بخت کھست کو پڑھے گا کون؟“

طفیل صاحب نے پوچھا۔

* میں نے کہا اس کو میں خوش خط لکھ دوں گا آپ لاہور پہنچ کر اس کی اشاعت کا انتظام کیجئے۔

* ایک دن طفیل صاحب کا فون آیا کہ وہ تلاش غالب میں شامل ”دیوان غالب بظہر غالب“ کی دریافت کی کہانی نقوش کے اس شمارے میں چھاپنا چاہتے ہیں جس میں دیوان غالب شائع ہونے والا تھا۔ ظاہر ہے ثار احمد فاروقی نے یہ مشورہ انہیں دیا ہوگا ورنہ طفیل صاحب کے علم میں یہ بات نہ تھی کہ ”تلاش غالب“ میں چھپو رہا تھا اور یہ کہ دریافت کی کہانی فاروقی بھجوا چکے ہیں۔

* ثار احمد فاروقی کا مضمون ”دیوان غالب نمبر“ اردو بہ“ میں نے پریس سے حاصل کر کے طفیل صاحب کو دیا۔ رات کو حسب معمول میں اور طفیل صاحب دیر تک باتیں کرتے رہے۔ تب معلوم ہوا کہ فاروقی صاحب نے یہ درخواست کی ہے کہ ان کا مضمون نقوش میں ضرور شامل کیا جائے۔

* طفیل صاحب نقوش غالب نمبر (حصہ دوم) معنوں دریافت بیاض غالب شمارہ نمبر ۱۱۳ اکتوبر ۱۹۶۹ء میں شائع کر چکے تھے کہ ایک روز ثار احمد فاروقی کے چچا امیر احمد فاروقی صاحب کا خط پہنچا کہ لاہور آؤ۔ یہ اکتوبر ۱۹۶۹ء کا آخری ہفتہ تھا۔ میں ان کے گھر کے ۵۶ پرانی انارکلی لاہور پہنچا تو امیر احمد فاروقی صاحب نے ”دیوان غالب بظہر غالب“ کے نوٹس اسٹیٹ اور ایک فلاسک جس پر غالب کے اشعار معصوم رکھے گئے تھے اور جس کی نقل بعد میں لاہور میں کسی نے تیار کی۔ دونوں چیزیں میرے سپرد کیں۔

* نقوش غالب نمبر (حصہ دوم) معنوں دریافت بیاض غالب بظہر غالب کا ایک نسخہ چھپنے کے بعد طفیل صاحب نے مجھے بھیجا اور پہلے صفحے پر لکھا تھا:

برادر مہربان لطیف الزماں خان صاحب کی خدمت میں

جن کا عشق

اس نمبر کے چھاپنے میں بہت کام آیا

محمد طفیل

دہلی کا بلج، انجیری گیٹ، دہلی۔ ۶

نثار احمد فاروقی بنام محمد طفیل

۱۲۷ ستمبر ۱۹۶۹ء

برادر محترم۔ قلبیات۔ میں نے دو ماہ قبل آپ کو خط لکھا تھا کہ اگر آپ دہلی تشریف لائیں تو میں کوشش کروں گا کہ دیوان کا عکس آپ کو مل جائے اور اس کی مجھے امید تھی۔ لیکن ظاہر ہے جو چیز میری اپنی نہیں ہے اس کے لئے میں قطعی وعدہ نہیں کر سکتا تھا۔ آپ نے لکھا کہ میرا خط پا کر آپ دینہ کے لئے درخواست بھیج چکے ہیں۔ میں منتظر رہا کہ آپ آج آئیں۔ کل آئیں۔ مگر آپ نے پھر خاموشی اختیار کر لی۔ خدا جانے آپ نے کیا سوچا ہوگا۔ اگر ذہن میں کوئی غلط فہمی ہے تو وہ اس وقت تک دور نہیں ہو سکتی جب تک آپ سے ملاقات نہ ہو اور اس دیوان کا قصہ اتنا طویل ہے کہ میں لکھ نہیں سکتا۔ پورا دفتر درکار ہے۔ یہ تو بھی زبان ہی سنایا جاسکتا ہے۔ مختلف حضرات مالک کو بہکانے اور بے وقوف بنانے میں پوری طرح سرگرم عمل ہیں اور بعض نے تو سطحی اخلاق اور پست کرداری کا مظاہرہ کرنے میں بھی شرم محسوس نہیں کی۔ میرا ابتدا سے یہ خیال تھا، بلکہ خواہش تھی کہ کسی طرح اس کی نقل یا عکس آپ تک پہنچی جائے لیکن میں آپ کی ملاقات مالک سے کرانا ضروری خیال کرتا تھا۔

بہر حال اب صورت حال یہ ہے کہ میں نے نقوش کے غالب نمبر حصہ دوم کے لئے وہ عکس حاصل کر لیا ہے۔ میں تین ہفتے کے لئے حیدرآباد چلا گیا تھا اور ابھی ۲۳ کو واپس آیا ہوں۔ اس سفر سے پہلے کوئی ایسا جانے والا نہیں ملا جس کے ہاتھ بھیج دیتا۔ اب میرے ایک بزرگ عزیز یہاں سے پہلی تاریخ کو روانہ ہو کر دوسری کو لاہور پہنچیں گے۔ انہیں میں نے عکس دے دیا ہے اور آپ کا پتا بھی بتا دیا ہے۔ یہ میرے چچا ہیں۔ آپ سے وہ عکس یا

نقوش کے دفتر آ کر ملیں گے اور دیوان کا ٹکس آپ کو دے دیں گے۔ اس کے صفحات کے نمبر ہر ٹکس کی پشت پر موجود ہیں آپ اُسی ترتیب سے اُسے جمع کر کے صرف ٹکس چھاپ دیجئے اور ابتداء میں ایک صفحہ پر ”دیوانِ غالب نمبر“ اور ”جہ“ لکھ کر پیچھے ”عطیہ“ اور میراث نام لکھوا دیجئے۔ یہاں دو حضرات نے اس کا ٹکس اور حاصل کر لیا ہے اس لئے میں چاہتا ہوں کہ آپ اسے غالب نمبر حصہ دوم میں پہلے چھاپ دیں۔ کتابی صورت میں یہ بعد کو شائع ہو گا۔ اشاعت کے بعد یہ تصاویر آپ لطیف الزماں صاحب کو دے دیں۔ یہ دراصل انہی کے لئے ہیں۔ جب یہ ٹکس آپ کے قبضے میں آ جائیں تو آپ مجھے فوراً مطلع کریں اور یہ بھی ضرور بتائیں کہ غالب نمبر حصہ دوم کب تک مارکیٹ میں آ جائے گا۔

آج کل حکومت پاکستان نے کتابوں اور رسالوں کی برآمد پر پابندی لگا دی ہے اس لئے پاکستان کا کوئی اخبار یا رسالہ یہاں دیکھنے کو نہیں مل رہا ہے۔ آپ یہ پرچہ جلدی سے لطیف الزماں صاحب کو بھیج دیا کیجئے۔ وہ محفوظ رکھیں گے اور جب یہ قانونی دشواریاں دور ہوں گی میرے پاس بھجوا دیں گے۔

اس خط کے جواب کا سخت انتظار رہے گا۔ بچا صاحب آپ سے دوسری یا تیسری آکٹوبر کو ملیں گے۔ جس دن وہ ملیں اسی دن خط لکھ دیجئے گا۔

والسلام

ڈاکٹر احمد فاروقی

نوٹ: برادر کرام غالب نمبر حصہ ۲ کی اشاعت سے پہلے ٹکس کے حصول یا نمبر میں شمول کا حال خفی سے صیغہ راز میں رکھئے گا۔ وہاں کے ادبی حلقوں میں یہ پہلے سے معلوم نہ ہو۔ اس کی بہت زیادہ تاکید ہے۔

لطیف الزماں خان بنام شادراحمہ فاروقی

لطیف الزماں خان

ایم اے

پیکرار شعبہ انگریزی

گورنمنٹ کالج۔ ملتان

۱۸ اکتوبر ۱۹۶۹ء۔ دس بجے شب

محبت گرامی۔ سلام مسنون۔ مدت سے آپ نے یاد نہیں فرمایا۔ ہر لمحہ آپ کے کرم نامہ کا منتظر ہوں۔ میں نے آپ کو ۱۸ اگست ۱۹۶۲ء اور ۱۶ ستمبر کو کراچی سے خطوط لکھے۔ ۱۹ ستمبر کو یہاں سے ایک خط لکھا۔ آج تک یہ نہیں معلوم ہوسکا کہ یہ خطوط آپ کو ملے یا گم ہو گئے۔

۱۴ اکتوبر کو قبلہ چچا جان کا خط ملا کہ ۱۵ اکتوبر کو لاہور جا کر ان سے نیاز حاصل کروں۔ چنانچہ حکم کی تعمیل کی اور وہاں گیا۔ صبح کو ناشتہ ان کے ساتھ کیا۔ منہ بوجھ ذیل سب در مسائل انہوں نے عنایت فرمائیں۔

- (۱) طبع حیات (غالب نمبر) (۲) شگفتہ (غالب نمبر) (۳) شاعر (غالب نمبر)
- (۴) احادیث حصہ اول و دوم (غالب نمبر) (۵) اردو ادب (غالب نمبر) (۶) عیار غالب
- (۷) بامعہ (غالب نمبر) ایک فلیسک جس پر غالب کے اشعار ہیں اور گھس۔

چچا جان کے ہاں سے واپس آیا تو دن بھر نہ کہیں گیا اور نہ کوئی کام کیا۔ بس اس دولت کو دیکھتا رہا کہ جس کے مقابلہ میں فاروقی کے خزانہ کی بھی کوئی حیثیت نہیں۔ شکر یہ کہ لفظ لکھتے ہوئے ڈرتا ہوں کہ وہ میرے جذبات کی ترجمانی نہ ہوگی۔ اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ہی اس کا اجر آپ کو دے گا۔

(۳) ولید میر صاحب سے ملا۔ نگارشات سے علیحدہ ہونے کے بعد ان کی مالی حالت کچھ اچھی نہیں رہی۔ پھر ان کی پاٹھی یا چھ کتابیں کمپوز ہو چکی ہیں مگر چھپنے کی کمی نے سارا کام روک دیا ہے۔ سکیل صاحب نے وعدہ کیا ہے کہ وہ تلاش غالب کی اشاعت پر فوراً مدد دیں گے۔ اگر انہوں نے امداد نہ کی تو پھر میں اپنے پاس سے ولید صاحب کو چند سو روپیہ دے دوں گا کہ وہ کتاب کو فوراً شائع کر دیں۔ قانونی قسم بھی نہیں رہا۔ کیونکہ تلاش غالب اس قانون کے نافذ ہونے سے قبل کمپوز ہو چکی تھی۔ بہر کیف اب زیادہ وقت نہ لگے گا۔

(۴) سکیل صاحب دیوان غالب شائع کرنا تو چاہتے ہیں لیکن قطعیت کے ساتھ ابھی انہوں نے وعدہ نہیں کیا۔ ان کے اندازہ کے مطابق جس قسم کا دیوان میں شائع کرنا چاہتا ہوں اس پر کم از کم چالیس پینتالیس ہزار روپے کی لاگت آئے گی۔ کیونکہ غالب کا دیوان اگر شائع ہوگا تو نہایت شاندار۔ طباعت کا ایسا نمونہ جس کو عمر سبک لوگ نہیں بھول سکیں گے۔

(۵) میں طفیل صاحب سے بھی ملا۔ وہ نقوش کا ایک اور غالب نمبر شائع کر رہے ہیں۔ یہ مصوٰعہ رائیٹیشن ہوگا۔ اس نمبر میں غالب کی نایاب اور کمیاب تحریریں ہوں گی۔ گلِ رحنا کا اصل نسخہ لاہور میں ایک صاحب کے پاس ہے اور بارہ ہزار روپے والے موجود ہیں مگر وہ صاحب جس ہزار مانگتے ہیں۔ طفیل صاحب اس کا عکس حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اور امید ہے کہ عکس مل جائے گا۔ مجرورہ متعیش صفحات پر اسے شائع کریں گے۔

طفیل صاحب نے نسخہٴ امروہہ کے عکس حاصل کرنے کے لئے پاسپورٹ اور ویزہ حاصل کر لیا تھا مگر چونکہ انہیں یقین نہ تھا کہ عکس ملیں گے یہ مسئلہ ملوثی کیا ویزہ کا وقت نکل گیا۔

دروغ مصلحت اسہر کے لئے پروردگارِ عالم مجھے معاف کرے۔ میں ان سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ ہاں ایک بات یاد آئی کہ آپ نے میرے بچک پر میرے نام کے بعد

معرفت طفیل صاحب کیوں نکلا۔ میرے پہنچنے میں اگر وہ ہوجاتی تو یقیناً بچا جان تمام چیزوں کے ساتھ عکس بھی طفیل صاحب کو دے آتے۔ وہ کھولنے دیکھتے۔ آپ کے بارے میں کیا خیال فرماتے اور میرے بارے میں کیا سوچتے۔

بہر کیف اب آپ سے ایک بات ڈرتے ڈرتے عرض کرتا ہوں کہ اگر آپ اجازت دیں تو عکس طفیل صاحب کو دوں تاکہ وہ نقوش کے غالب نمبر میں شامل کر لیں۔ اگر آپ اجازت دیتے ہیں تو دو باتیں ذہن میں رہیں ایک تو یہ کہ عکس کی ذمہ داری میری رہی۔ یعنی آپ سے طفیل صاحب شکایت نہ کر پائیں گے۔ ہاں یہ لازمی ہو گا کہ اس کے حواشی و مضمون آپ تحریر فرمائیں گے۔ مجھے بچا جان نے بتلایا کہ ۱۲ اکتوبر کو کوئی ”بچہ“ گیا ہے۔ یہ صاحب جنہیں بچا جان بچہ کہتے ہیں۔ جلد واپس آئیں گے اور وہ حواشی و مضمون لیتے آئیں گے۔

مجھے آپ صاف صاف لکھیے کہ کیا آپ اجازت دیں گے۔ اگر آپ نے اجازت نہ دی تو پھر یہ اس وقت تک میرے پاس محفوظ ہیں جب تک غالب کا دیوان شائع کرنے کے لئے کوئی تیار نہیں ہو جاتا۔

(۶) سکیل صاحب نے یہ بھی کہا ہے کہ وہ دیوان غالب شائع کریں گے بشرطیکہ وہ انگلستان نہ چلے گئے۔ وہ دو سال کے لئے انگلستان جانے کا ارادہ کر رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ میں ان کی واپسی کا انتظار نہیں کروں گا کہیں اور بات کروں گا۔

(۷) سب رس حیدر آباد کا غالب نمبر شائع ہوا ہے۔ یہ اطلاع ملی ہے۔ اور ہاں وہیں سے ہی غالب پر مبنی مطبوعہ کتب کا حال ان اشتہارات سے معلوم ہوتا ہے جو رسائل میں ہیں۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ جو صاحب اب گئے ہیں آپ ان کے ہمراہ حواشی کے ساتھ ساتھ رسائل و کتب بھی روانہ کر دیں۔

(۸) نواز جلیکیش سر فیکٹسٹ لپنے خود گیا تھا۔ وہاں ایک صاحب سے جن کی الیہ آپ

کی شاگردہ بنی ہیں وہ صاحب کہتے تو تھے کہ جلد یہ سر ثقیل مل جائے گا۔ دیکھئے کیا ہوتا ہے۔ میں نے تو کتابیں جمع کر لی ہیں۔

(۹) عبدالقدیر صاحب نے آپ کو کون سی کتابیں دی ہیں۔ ان کے نام لکھئے۔
بھابھی جان کی خدمت میں آداب۔ میں آپ کے خط کا سخت بے چینی سے منتظر ہوں۔

کتابیں اور رسالوں کا بھی انتظار ہے اور اجازت کا بھی۔
(۱۰) ۱۶ اکتوبر کو چچا جان نے سلیمان احمد صاحب فاروقی کے مکان پر بڑی بڑ ٹکلف دعوت دی۔

(۱۱) واضح رہے کہ جلال الدین صاحب اور دیگر حضرات سے نسخہ امر وہہ کا تمام کلام مکرم طفیل صاحب کو مل چکا ہے۔
نکس چھاپنے کی اجازت آپ دے دیں تو اُس کا حسن دوبالا ہو جائے گا۔
جلال الدین صاحب کے مضمون پر طفیل صاحب ملاحظہ فرماتے تھے کہ بہت غلطو موصول ہوئے ہیں۔ کیا حرج ہے اگر اصل بات معلوم ہو جائے۔ آپ مضمون بھیجئے۔

فقط

احقر

لطیف الزماں خان

لطیف الزماں خان۔ ایم۔ اے

لیچر و شہباز نگر جی

گورنمنٹ کالج۔ ملتان

مدرسہ ۱۱ اکتوبر ۱۹۶۹ء

گیارہ بجے شب

برادرِ م۔ السلام علیکم۔ شدید انتقاد کے عالم میں آپ کا ۷۷ حقیر کا مکتوب مجھے کل سہ پہر ملا۔ میں ۱۸ اکتوبر کو بھی ایک عزیزِ روانہ کر چکا ہوں امید ہے ملے ہوگا۔

جلال الدین صاحب اور مسلم ضیائی صاحب کے مضامین کے تراشے آپ کو نہ ملے یعنی میرے دو خط بھی آپ کو نہ ملے ان کا دستیاب ہونا اب مشکل ہے۔ عام طور پر روزنامے کی کاپی مشکل سے ملتی ہے۔ پرمٹ تو واقعی مل گیا لیکن ابھی ٹیٹ بینک سے No Objection Certificate نہیں ملا ہے۔ یہ سرٹیفکیٹ کراچی سے ملے گا۔ اصل پرمٹ بھیج دیا گیا ہے۔ امید ہے ہفتہ عشرہ میں سارے معاملات ملے ہو جائیں گے اور میں آپ کو کتب و رسائل روانہ کر سکوں گا۔ میں یہ معلوم کروں گا کہ ادبی کتب و رسائل واد آمد کرنے کے لئے پرمٹ مل سکتا ہے یا نہیں۔ اگر یہ پرمٹ مل سکا تو آپ کو مطلع کروں گا۔

میں گزشتہ خط میں تلاشِ غالب کے بارے میں لکھ چکا ہوں کہ ولید صاحب مالی طور پر ان دنوں کمزور ہیں۔ لیکن سمیل صاحب نے مالی اعانت کا وعدہ کیا تھا۔ میں نے خود ۱۶ اکتوبر کی شام ان سے گفتگو کی ہے اور پتہ کو بھی ان سے اسی سلسلہ میں ملا تھا۔ میں آج ہی ولید صاحب کو خط لکھ رہا ہوں کہ اگر سمیل صاحب بدد کرتے ہیں تو ٹھیک ورنہ میں خود اس کا انتظام کروں گا۔ اللہ اعلم چودہ مئی میں کتاب بازار میں آجائے گی۔ تلاشِ غالب کے لئے اجازت کی ضرورت پیش نہ آئے گی۔ کیونکہ وہ قانون کے نافذ ہونے سے قبل چھپ چکی تھی۔ اب تو صرف جلد ہونا باقی ہے۔ شاید یہ البتہ اس ایڈیشن میں نہ ہوگا۔

میں نے تو آپ کو پہلے ہی لکھا تھا کہ جلال الدین صاحب نے نمونہ امروہ کی دریافت کا سہرا خود ہاندہ لیا ہے۔ مجھے یہ چڑھ کر خوشی ہے کہ آپ نے اس سحر پر آنا پسند نہ کیا۔ یہ گنگ ہے کہ وہاں کے اخبارات اور رسائل اب یہاں نہیں آرہے ہیں مگر یہ بات ٹھیک درست نہیں ہے۔ آپ اگر طفیل صاحب کے پتہ پر کوئی رسالہ بھیجیں تو وہ پہنچ جائے گا۔ اسی طرح کراچی کے لوگ بھی کسٹم آفیسر سے اجازت لیتے ہیں۔ البتہ یہاں شاید رسائل نہ پہنچ

تکلیف :-

وہاں آپ نے اور توفیق صاحب نے ہماری زبان میں صورت حال سے لوگوں کو واقف کرا دیا۔ یہ اچھا ہوا لیکن یہ زمانہ تو پروپیگنڈے کا ہے اور جمال الدین صاحب اس سے واقف معلوم ہوتے ہیں۔ آپ کم از کم یہ تو کر ہی سکتے ہیں کہ وہاں کے اخبارات اور رسائل میں صحیح حالات سے لوگوں کو آگاہ کریں۔ اگر آپ توفیق صاحب اور اپنا مضمون نقل کر کے (چھپا ہوا تو آنے کا نہیں) بھیج دیں تو پھر یہاں کے اخبارات و رسائل میں ان مضامین کو Reproduce کرایا جاسکتا ہے۔

یہاں آج اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی ہے کہ اکبر علی خان نے وہی کیا جس کا اندیشہ وزیر اعلیٰ صاحب عابدی نے کیا تھا یعنی نسخہ کا عکس شائع کر دیا ہے۔ یہاں ابھی کسی اور کے پاس عکس نہیں پہنچے ہیں۔ لیکن آپ کا یہ فیصلہ مستحسن ہے کہ یہ نسخہ وہاں بھی شائع ہو اور یہاں بھی۔ یہاں کا فکر آپ ہرگز نہ کیجئے۔ یہاں انشاء اللہ یہ نسخہ اس شان سے شائع ہوگا کہ اکبر علی خاں دیکھتے ہی رہ جائیں گے۔ وہاں کا اہتمام آپ خود کیجئے۔

میں بچا جان کا خط پا کر لاہور گیا تھا۔ ۱۵ اکتوبر کو انہوں نے رسائل ایک کتاب دو عکس مجھے متاع فرمائے۔ تفصیل گزشتہ خط میں لکھ چکا ہوں۔ میں نے ۱۱ اکتوبر کی شام کو لاہور سے روانہ ہوا۔ حقیق صاحب کو اس وقت تک آپ کا خط نہیں ملا تھا۔ آپ کا خط ملنے ہی پہلا کام میں نے یہ کیا کہ حقیق صاحب کو نزدیک کال پر بلا دیا کہ عکس پہنچ چکے ہیں۔ اب وہ برسوں یعنی ۱۱ اکتوبر بروز اتوار تشریف لائیں گے اور میں آپ کے عزم کی تعمیل کرتے ہوئے عکس انہیں دے دوں گا۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی عرض کروں گا کہ آپ جلد از جلد اس نسخہ کے بارے میں مضمون لکھ کر بھیجئے۔ بات کچھ یوں ہوگی کہ عکس بھیجنے کی ذمہ داری اب بھی آپ پر نہیں آتی چاہئے تاکہ توفیق صاحب کو کچھ کہنے کا موقع نہ ملے ہاں یہ بے حد ضروری ہے کہ یہاں کے قاری کو صحیح صورت حال معلوم ہو جائے۔ نقوش کا معرور ایڈیشن شائع ہوگا۔ صادقین اور

عہد الرضی چھائی کی نئی تصاویر سے مزین ہوگا اور ایک مستقل دستاویز۔ روزناموں کے مقابلہ پر جو مضمون نقوش میں شائع ہوگا اس کی حیثیت مستقل ہوگی۔ آپ مضمون قسط دار مجھے یا طفیل صاحب کو بھیج دیجئے۔ یعنی اگر عمل مضمون یک بارگی نہ ہو پائے تو خطوط کی شکل میں بھیجئے۔ نقوش و سبہر میں شائع ہوگا۔ اگر کوئی صاحب آنے والے ہوں تو مضمون آسانی سے لائیں گے۔

اردو نامہ قوی زبان اردو اور نقوش کے شمارے آنکھ میں جمع کرتا رہوں گا۔ جب موقع ملے گا بھیج دوں گا۔ اگر مدبر صاحبان نے بھیج دیئے تو ٹھیک ہے ورنہ خرید لوں گا۔ آپ خاطر جمع رکھئے۔

سمیل صاحب واپس تحریف لے آئے ہیں۔ وہ اگر انگلستان نہ گئے تو یقیناً دہلی ان غالب شائع کریں گے۔ ورنہ طفیل صاحب شاید خود آمادہ ہو جائیں۔ میں مجلس ترقی ادب اور دیگر اداروں سے بھی بات کروں گا۔

یہ معلوم کر کے انہوں ہوا کہ قدیر صاحب ماؤ کو نہیں لے گئے۔ اگر آپ کے پاس ذرا کہ ہو تو بھیج دیجئے بلکہ اپنی کافی ہی عہد القوی صاحب کو بھیج دیجئے۔ میں بہر صورت آپ کو ماؤ کو بھیج دوں گا۔ عہد القوی صاحب نہ جانے کیا سوچتے ہوں گے۔ میں ان سے بڑا اثر مند ہوں۔

میرا یہ بیڑ طفیل صاحب نے چھاپا ہے۔ وہ مجھے غالب کا طرف دار سمجھتے ہیں۔ میرے خیال میں تصویر کا سائز چھوٹا ہوتا اور حروف بھی ایک جانب ہوتے اور چھوٹے تو یہ زیادہ اچھا معلوم ہوتا۔ اب کاغذ اتنا اچھا ہے کہ اسے کچھ کٹنے کو بھی نہیں چاہتا اور جب کہ غالب کی تصویر بھی ہے۔ بچوں کے لئے نکلتا اسے ضروری نہیں ہیں۔ دراصل یہ جہیں اور انہیں آپ کا اتفاق دیکھانے ہیں اور شور مچا دیتے ہیں کہ نکلتا آئے ہوں گے۔ کوئی جلدی نہیں اطمینان سے بھیجئے گا۔

خدا کرے کہ آپ کی طبیعت اب ٹھیک ہو۔ آپ کے خط کا آخری جہرا گراف خاصہ پریشان کن ہے۔ انسان کو جب تک سانس آتا ہے اکبر علی خاں اور سید قدرت نقوی جیسے لوگ ملتے ہیں۔ مگر آپ کیوں غم کریں لعنت بھیجئے۔

چچا جان نے بتلایا تھا کہ کوئی عزیز ۱۲ اکتوبر کو امرودہ گئے ہیں۔ ان کے ہمراہ رسائل اور کتب کے علاوہ اپنا اور توفیق صاحب کا مضمون مطبوعہ ہماری زبان اور نقوش کے لئے مضمون جو گیس کے ساتھ شائع ہو سکے ضرور بھیجئے۔ بار بار لکھتے ہوئے شرم دامن گیر ہوتی ہے کہ مطبوعہ کتب و رسائل کسی طرح بھیج دیجئے۔ میں دو دن سے سخت ذکام و کھانسی میں مبتلا ہوں۔

فخیر صاحب سے جو گفتگو ہوئی آپ کو مطلع کروں گا۔ بھابھی جان کو آداب۔ بچے سلام عرض کرتے ہیں۔ اہلیہ آداب کہتی ہیں۔

اگر آپ کا مضمون نہ آیا تو تلاش غالب میں نسخہ امرودہ سے متعلق جو مضمون ہیں اسے شامل کرادوں گا لیکن ضروری ہے کہ آپ توفیق صاحب کے حوالے سے دوسرا مضمون لکھیں تاکہ اصلیت معلوم ہو سکے۔ جمال الدین اور اکبر علی خاں اگر جھوٹ بول سکتے ہیں تو کیا آپ سچ نہیں بول سکتے۔

احقر

لطیف الزماں خان

لطیف الزماں خان۔ ایم۔ اے

لیکچرر شعبہ انگریزی

گورنمنٹ کالج۔ ملتان

مورخہ ۱۲ اکتوبر ۱۹۶۹ء

برادر م۔ السلام علیکم۔ آپ کا ۱۲ ستمبر کا الفاظ جو دہلی سے ۱۲۹ ستمبر (ذاک) خانہ

کی میرا ہر کرتی ہے) کو روانہ ہوا۔ مجھے ۱۹ اکتوبر کو ملا تھا میں نے دوسرے روز آپ کو جواب لکھ دیا تھا۔

آپ کا ۱۳۰ نمبر کا کارڈ مجھے کل یعنی ۱۱ اکتوبر کو ملا۔ خدا جانے ڈاک اس قدر دیر سے کیوں آ رہی ہے۔ میں آپ کو گزشتہ خط میں لکھ چکا ہوں کہ چچا جان کا خط جو انہوں نے ۱۲ نمبر کو لکھا تھا مجھے ۱۲ اکتوبر کو مل گیا تھا۔ حکم تھا کہ ۵ کو لاہور پہنچوں اور تمام چیزیں حاصل کر لوں چنانچہ قبیل حکم میں گیا اور سب چیزیں جن کا ذکر گزشتہ خط میں ہے لے آیا۔

جب ۱۹ اکتوبر کو مجھے آپ کا خط ملا تو میں نے طفیل صاحب کو ٹیلی فون کیا اور وہ آج لاہور سے تشریف لے آئے۔ آپ کے حکم کی تعمیل کی اور عکس انہیں دے دیے۔ طفیل صاحب کو آپ کا خط مل چکا ہے۔ ان سے جو گفتگو ہوئی ہے اسے مختصر ا میں درج کرتا ہوں۔ خیال ان کا یہ تھا کہ نقوش کا غالب نمبر حدود و مہر میں شائع کریں لیکن اب وہ نوہر ہی میں شائع کریں گے۔ یہ مضمون توفیق صاحب کا اگر بھیج آپ وہیں تو وہ بھی شامل کر لیا جائے گا۔ آپ نے اگر نیا مضمون بھیج دیا تو ٹھیک درندہ چار "کلاش غالب" والا مضمون ہی شامل کر لیا جائے گا۔

طفیل صاحب چاہتے ہیں کہ میرا ذکر بھی آئے لیکن مجھے نام و نمود سے غرت ہے میں نے انہیں سختی سے منع کیا ہے۔ لیکن اگر وہ کسی مصلحت کی بنا پر میرا نام شامل کرنا چاہتے ہیں تو مجھے اعتراض نہ ہوگا۔ طفیل صاحب نے بھی یہی فرمایا کہ عکس کی ذمہ داری آپ نہ لیجئے۔ بس مضمون آپ کا اور عکس کی ذمہ داری میری یا کسی اور کی اس لیے ہوگا یہ کہ آپ کو توفیق صاحب کچھ کہہ نہ پائیں گے۔ نیز آپ کہہ سکیں گے کہ آپ نے صرف اپنی کتاب کے لئے مضمون لکھا تھا وہ شامل کر لیا گیا ہے۔ یا اگر نیا مضمون بھی ہوگا تو آپ کہہ سکتے ہیں کہ طفیل صاحب کی فرمائش پر لکھا ہے۔

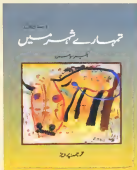
اگرچہ کہ جلال الدین صاحب نے یہاں آ کر اخبارات و رسائل میں مضامین

شائع کرائے ہیں لیکن جو تحریر نقوش میں ہوگی وہ صحیح تصوری جائے گی نیز دہرہ پا بھی ہوگی۔ مطلب یہ ہے کہ کوشش اس امر کی ہوگی کہ کم از کم یہاں کے قاری کو صحیح صورت حال کا علم ہو سکے۔

آج طفیل صاحب آئے بھی اور کبھیں بھی چلے گئے۔ میں نے دوپہر کو کچھ اور لوگوں کو بھی کھانے پر مدعو کیا تھا۔ ان میں ایک صاحب مسعود اشعر صاحب بھی تھے۔ مسعود اکھنر صاحب عرشی صاحب کے عزیز ہوتے ہیں اور عرشی صاحب و اکبر علی خاں صاحب کو ہم لوگوں سے زیادہ بہتر جانتے ہیں۔ مسعود صاحب نے بتلایا کہ اکبر علی خاں صاحب نے انہیں اپنا اور سرور صاحب کا وہ مقدمہ بھی بھیجا ہے کہ جو انہوں نے نسو امروہہ کے ساتھ شائع کیا ہے۔ جنگ کراچی کو بھی یہ تحریر بھیجی ہیں۔ مگر اب تک صرف خبر آئی ہے۔ مقصد تو یہ ہے کہ پریچنگڈ ایماں اور وہاں ہوتا کہ ان کو محقق اعظم حلیم کر لیا جائے۔ اب ضروری ہو گیا ہے کہ تمام اخبارات و رسائل کے ذریعہ غالب کے کلام نو اور یافت سے حقائق صحیح صورت حال سے آگاہ کیا جائے۔

آج مجھے ہار ہار یہ خیال آتا رہا کہ جب توفیق صاحب چھ ہزار پر وہ مخطوط فروخت کر رہے تھے تو آپ نے خرید کیوں نہ لیا۔ تاکہ اکبر علی خاں اور جلال الدین جیسے حضرات کو ہوا بھی نہ لگتی۔ دوج ان غالب کے خطے اگر چہ جان کو فراہم کئے جاسکتے ہیں تو کیا آپ کو فراہم نہ کئے جاتے۔ افسوس کہ اس وقت آپ نے اس پر غور نہیں فرمایا تھا اور اب صورت حال اس قدر خراب ہو گئی ہے کہ اکبر علی خاں صاحب نے توفیق صاحب کو راہ پر لگا لیا اور اپنے نام سے عکس شائع کروئے۔ آپ اگر اس عرشی زاوہ کی ایک کاپی رجسٹری سے طفیل صاحب کو بھیج دیں تو وہ پہنچ جائے گی۔ ایک کتاب بار سال آ جاتا ہے۔ طفیل صاحب نے بتایا تھا کہ کل ہی رجسٹری سے کوئی کتاب پہنچی ہے۔

اگر وہ میرے لئے ہوگی تو میں لے لوں گا۔ ورنہ آپ سلیمان احمد صاحب فاروقی



فکشن ہاؤس



لاہور • حیدرآباد • کراچی •

e-mail: fictionhouse2001@hotmail.com

